رسائلِ ثنائیہ

مناظر اسلام
ابو الوفا مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

مکتبہ ربانیہ

بارہ (12) رسائل کا مجموعہ

رسائلِ ثنائیہ

○ اہلِ حدیث کا مذہب ○ شمعِ توحید ○ نورِ توحید

○ خصائل النبی ترجمہ مختصر شمائل ترمذی ○ محمد رشی ○ مسئلہ تقلید شخصی

○ حدوثِ وید مع جواب الجواب ○ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن

○ تعلیماتِ مرزا ○ عجائباتِ مرزا ○ فیصلہ مرزا ○ شہاداتِ مرزا

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابوالوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

نام کتاب رسائل ثنائیہ

باہتمام	----------------	عبدالرحمان عابد
کمپوزنگ	----------------	نعمت اللہ تبسم
طبع دوم	----------------	فروری 2011ء
تعداد	----------------	600
قیمت	----------------	500/-

اسٹاکسٹ

مکتبہ اہل حدیث امین پور بازار فیصل آباد
041-2629292,2624007

اسلامی کتب خانہ ڈاک خانہ بازار چیچا وطنی ضلع ساہیوال
0346-7467125,0301-4085081

مکتبہ ربانیہ
فیض مارکیٹ منڈی عثمان والا تحصیل و ضلع قصور۔

E:mail;maktabah_muhammadia@yahoo.com
&maktabah_m@hotmail.com

اجمالی فہرست

☆☆☆

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ ﷺ برجان مسلم داشتن

اہلِ حدیث کا مذہب

—— تالیف ——

مناظرِ اسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob.: 0300- 4826023,042-37114650

فہرست مضامین

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

عرض احوال

اس کتاب کی اہمیت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلک اہل حدیث کی پوری نشاندہی کرتی ہے اور اہل حدیث کے بارے میں غیروں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں بڑی ممد و معاون ہے۔ اس کتاب کی افادی حیثیت یوں بھی بڑھ گئی ہے کہ ابتدا میں حضرت مولانا موصوف کے حالات زندگی اور ان کی علمی و تبلیغی خدمات درج کر دی گئی ہیں۔ مدت سے یہ کتاب ناپید تھی اور جماعت کے مخلص احباب بڑی شدت سے یہ ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سعادت مکتبة محمدیة کے حصے میں آئی ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ انصاف پسند قارئین کے لیے چراغ راہ ثابت ہوگا اور وہ صحیح اسلامی عقائد کو اپنا کر سعادت دارین سے اپنا دامن بھر لیں گے۔

احباب جماعت سے پرزور التماس ہے کہ وہ اس مفید اور اہم کتاب کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ خود پڑھیں دوسروں کو پڑھنے کے لیے بطور ہدیہ پیش کریں تاکہ ہر خاص و عام آدمی اہل حدیث جماعت کے مسلک اور موقف و مقام کو بخوبی سمجھ سکے۔

مصنف مرحوم کے خودنوشت سوانح حیات

مولانا مرحوم رحمہ اللہ کے سوانح حیات ایک طویل باب ہے جسے کسی خوش قسمت مؤرخ کا قلم ہی احاطہ تحریر میں لائے گا۔ ذیل میں مختصراً مولانا کے وہ حالات درج کیے جاتے ہیں جو انہوں نے خودرقم فرمائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

میری (ثناء اللہ کی) پیدائش امرتسر پنجاب کی ہے۔ میرے والد مسمی خضر اور تایا مسمی اکرم جو علاقہ ڈور تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر کشمیر سے پشمینہ کا کاروبار کرنے امرتسر آئے تھے۔ کشمیری اقوام میں ایک گوت منٹو کہلاتی ہے جو وہاں برہمنوں کی ایک شاخ ہے۔ اسی گوت سے ان کا تعلق تھا۔

میری عمر ساتویں برس میں تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا تایا صاحب بھی فوت ہو گئے۔ بڑے بھائی ابراہیم مرحوم رفوگری کا کام کرتے تھے۔ مجھے بھی انہوں نے یہ کام سکھایا۔ چودھویں سال میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ چودھویں سال میں مجھے پڑھنے کا شوق پید ہوا ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا۔ اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا تھا۔ "شرح جامی" اور "قطبی" تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں۔ اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ پھر سہارن پور چند روز قیام کر کے دیوبند پہنچا۔ وہاں کتب درسیہ معقول و منقول ہر قسم پڑھیں۔ کتب معقول میں قاضی مبارک، میر زاہد، امور عامہ صدرا، شمس بازغہ وغیرہ اور منقولات میں ہدایہ، توضیح، تلویح، مسلم الثبوت وغیرہ ریاضی میں شرح چغمینی وغیرہ بھی پڑھیں اور دورہ حدیث میں شریک ہوا۔ استاد پنجاب کا درس حدیث اور اساتذہ دیوبند کا درس حدیث ان دو میں

جو فرق ہے اس سے فائدہ اٹھایا۔ دیو بند کی سند امتحان میرے لیے باعث فخر میرے پاس موجود ہے۔

دیو بند کے بعد

دیو بند سے مدرسہ فیض عام کان پور گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن موحوم [1] کے متعلق درس کا شہرا بہت زیادہ تھا۔ اور مجھے بھی علوم معقول اور منقول سے خاص شغف تھا اس لیے میں مدرسہ فیض عام کان پور میں جا کر داخل ہو گیا۔ وہاں جا کر کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ انہی دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں بھی شریک ہوا۔

پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرف) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیو بند میں مولانا محمود الحسن صاحب [2] اور کان پور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لیے میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ شعبان [3] ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء فیض عام کان پور کا جلسہ ہوا جس میں آٹھ طلباء کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔

فراغت کے بعد

کان پور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب میں پہنچا۔ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا اس لیے ادھر ادھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں۔ انہی دنوں قریب میں ہی قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی

---

[1] ملاحظہ ہو "نور توحید" ص ۳۹، ۴۰۔ [2] صحیح نام محمود حسن ہے۔ محمود الحسن بالکل غلط مشہور ہو گیا ہے۔ دیکھیے مولانا شیخ الہند مرحوم کے ترجمہ قرآن کا سرورق نیز مولانا کی دوسری تصانیف۔

[3] از روئے تقویم شعبان ۱۳۱۰ھ، ۱۸۹۲ء سے شروع ہو کر ۱۷ مارچ ۱۸۹۲ء کو ختم ہوا۔

جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالبعلمی ہی کے زمانہ میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی۔ اس لیے تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی' آریہ' قادیونیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔ بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لیے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے:

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں میں نے چند علماء سلف کی تصنیف سے خاص فوائد حاصل کیے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی' حافظ ابن حجرؒ اور ابن قیمؒ وغیرھم کی تصانیف سے علم کلام میں امام بیہقی' امام غزالی اور حافظ ابن حزم علامہ عبدالکریم شہرستانی' حافظ ابن تیمیہ' شاہ ولی اللہ' امام رازی وغیرہم رحمہ اللہ اجمعین کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔

تصانیف کی پہلی شاخ ردعیسائیت

دوران تلاش میں سب سے پہلی قابل توجہ کتاب پادری ٹھاکر دت کی تصنیف ''عدم ضرورت قرآن'' نظر آئی۔ جس کے جواب میں میں نے کتاب ''تقابل ثلاثہ'' (توریت' انجیل' قرآن کا مقابلہ) لکھی جو ملک میں شائع شدہ ہے۔ عیسائیوں کی کتاب عدم ضرورت قرآن کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں جن کے مجموعے کا نام ''جوابات نصاریٰ'' ہے سب سے اخیر عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے جس کا نام ہے ''اسلام اور مسیحیت'' عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں بطرز جدید شائع ہوئی تھیں، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ عالم گیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت

۲۔ دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت

۳۔ اصول البیان فی توضیح القرآن

ان تینوں کے جواب میں اسلام اور مسیحیت لکھی گئی، اور شائع ہوئی جس نے اسلامی جرائد سے خراج تحسین وصول کیا۔

دوسری شاخ زد آریہ

اسی اثناء میں آریوں نے کتاب ستیارتھ پرکاش کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سوانسٹھ (۱۵۹) اعتراض ہیں۔ ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی کئی اعتراض ہیں۔ کتاب ستیارتھ کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے۔ حسب قول حافظ شیرازی رحمہ اللہ علیہ

قرعه فال بنام من دیوانه زوند

میں نے اس کے جواب میں کتاب حق پرکاش لکھی۔ جو بفضلہ تعالیٰ ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقہ کے کسی عالم نے ستیارتھ کے جواب کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔ ذالک من فضل اللہ اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور نامی (نو آریہ دھرمپال) نے رسالہ ''ترک اسلام'' لکھا اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بڑی بے چینی ہوئی۔ میں نے فوراً اس کا جواب بنام ''ترک اسلام'' ''پر ترک اسلام'' شائع کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو اس قدر قلبی راحت حاصل ہوئی جتنی مئی جون میں افطاری کے وقت روزہ دار کو ہوتی ہے۔ (اللہ قبول کرے)

اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام ''کتاب اللہ وید ہے یا قرآن'' اس کے جواب میں میں نے کتاب الرحمان لکھی ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ آریوں نے ''رنگیلا رسول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر سخت ناپاک حملے کیے گئے۔ جس کی وجہ سے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک آگ لگ گئی مسلمان گویا متوالے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ ذات قدسی صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں دیتا۔ بقول ؎

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

اس کے جواب میں میں نے ''مقدس رسول'' لکھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے رنگیلا کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔ ملک گجرات کے مسلمانوں نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس ضمن میں آریوں کی طرف سے کئی ایک رسالے نکلے جن کے جوابات خاکسار کی طرف سے دیے گئے جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔

تیسری شاخ ردمرزائیت

میری تصانیف جو قادیاں کے متعلق ہے اس کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملال خاطر کا خطرہ ہے۔ اس لیے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ یہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانی تحریک قادیاں کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی جس کا عنوان تھا۔

''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ''

اس کے شروع میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابل دید و شنید ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے ''مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ'' اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی مر جائے۔

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیاں کی بستی مین ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے۔ مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا۔

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

(نوٹ) قادیانی لٹریچر [1] کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی

---

[1] وائے افسوس! جب سب ذخیرہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی نذر ہو گیا' اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' کہ مولانا کے اس کتب خانے میں کس قدر نوادر جمع تھے۔ ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔ ناشر

جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمان مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ۳۰ سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے کہا غالباً آپ کی حسن ظنی اور تواضع ہے۔

چوتھی شاخ تفسیر نویسی

یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی میں غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے تفسیر ثنائی غیر مسبوق طرز پر لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' لکھی جس کی ملک میں خاص شہرت ہے تیسری تفسیر موسومہ بیان الفرقان علی علم البیان عربی لکھنی شروع کی جس کا ایک حصہ (سورہ بقرہ تک شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے) تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ تفسیر بالرائے لکھی اس میں تفسیر بالرائے کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر وتراجم قرآن قادیانی' چکڑالوی' بریلوی اور شیعہ وغیرہ کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی اس کا بھی ایک حصہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

مزید برآں اسلامی فرقوں شیعہ وغیرہ کے متعلق کئی ایک کتابیں لکھیں جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔ اس کے علاوہ مناظرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مجھے خود اس بات کا فخر ہے کہ میرے اساتذہ عظام بھی عظیم الشان جلسوں میں بڑے بڑے مناظرے میرے سپرد کرتے تھے۔ جن میں وہ خود بھی شریک ہوتے تھے مثلاً مناظرہ دیوریہ ضلع گورکھ پور' مناظرہ نگینہ' ضلع بجنور' مناظرہ جبل پور' مناظرہ خورجہ' مناظرہ رام پور یہ سب مناظرے تحریری ہوئے تھے۔ جن کی روئدادیں کتابوں کی صورت میں شائع ہوئی تھیں۔ مناظرہ رام پور' نواب حامد علی خاں مرحوم کے حسب الحکم رامپور میں قادیانیوں سے ہوا تھا۔ جس کے متعلق نواب صاحب کا سٹرفکیٹ درج ذیل ہے۔

''رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا ہم ان کے بیان سے

محظوظ و مسرور ہوئے۔''

(دستخط خاص حضور نواب صاحب بہادر محمد حامد علی خاں)

اخبار ''اہل حدیث'' کا اجراء:

جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز مرہ بڑھتی نظر آئی اور تصنیف کتب کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار ''اہل حدیث'' جاری کیا گیا جو بفضلہ تعالیٰ آج تک جاری ہے۔ جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے۔ ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ اللہ کے فضل سے آج یہ اخبار اپنی عمر کے اڑتیس سال پورے کر کے انتالیسویں سال میں قدم زن ہے۔ اخبار ''اہل حدیث'' کے دیکھنے والوں سے مخفی نہ ہوگا کہ یہ پرچہ کس قدر اسلامی خدمت کر رہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو کچھ علمی خدمت میں خاکسار کی طرف سے ہوئی یہ سلف صالحین کی کتب سے فائدہ حاصل کرنے سے ہوئی جن کے اسماء گرامی پہلے ذکر کیے گئے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَھُمْ وَارْضِ عَنْھُمْ وَاَرْھِمْ. (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

یہاں تک آپ کے خود نوشت حالات ہیں، نا مناسب نہ ہوگا اگر چند سطور مزید تحریر کر دی جائیں۔

ژرف نگاہی!

مولانا کی ژرف نگاہی مسلم تھی، اسلام پر یا مسلک اہلحدیث پر جب بھی اور جس طرف سے بھی (اندر سے یا باہر سے) حملہ ہوتا، سینہ سپر ہو جاتے، مخالف کے انداز کو تاڑ جاتے، حملہ آور کی خبر لیتے۔

منکرین حدیث کے فتنے کو ابتدا ہی میں آپ نے بھانپ لیا تھا کہ اس کے یہ برگ و بار ہوں گے، بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ فتنہ پرویزی کا ایک بڑا ماخذ اور منبع مولوی محب الحق اور پروفیسر اسلام جے راج پوری کی تصانیف ہیں۔ ان سب کے جواب مولانا مرحوم کے قلم سے شائع ہو چکے ہیں۔

علامہ عنایت اللہ امرتسری (مشرقی) کی تصانیف سے اس کے عقائد و اعمال کو کتاب 'خاکساری تحریک'' میں عریاں کر کے رکھ دیا۔

احناف کی دونوں شاخوں یعنی دیوبندی اور بریلوی حضرات نے جب بھی مسلک اہل حدیث پر تنقید کی تو فوراً قلم تھاما اور جواب لکھ دیا۔ جس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ غالیہ (بریلویہ) نے تنگ آ کر ۱۹۳۸ء میں مولانا پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچالیا۔ (جس کی تفصیل شمع توحید میں ہے۔)

مسلمانوں میں اتحاد کا جذبہ:

لیکن آپ وسیع المشرب تھے، دل سے چاہتے تھے کہ سب مسلمان اپنے اختلافات کو اپنے حدود میں رکھیں اور مشترک مقاصد میں مل کر کام کریں۔ اس سلسلے میں آپ ندوۃ العلماء کی تحریک کے رکن تھے۔

جذبہ جہاد اور سیاسی مسلک:

ہندوستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اس سلسلے میں جذبہ جہاد کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ کو دلی لگاؤ اور ہمدردی مجاہدین اسمس و چمرقند سے رہی۔ اور اندرون ہند میں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ (بمعیت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مدظلہ العالی) و مولانا داؤد غزنوی مدظلہ العالی (صدر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان) جمعیۃ علمائے ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ اور جمعیۃ علمائے ہند کی سعی قیام نظام شرعی و آزادی میں نظریتاً آخر تک اس سے وابستہ رہے۔

فسادات ۱۹۴۷ء

اگست ۱۹۴۷ء ہنگامہ خونیں میں آپ کا اکلوتا لخت جگر مولانا عطاء اللہ شہادت کے رتبہ پر فائز ہو گیا۔ اور آپ امرتسر سے گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ کے ورع کا یہ حال تھا کہ لوٹ مار کے مال کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بلکہ جب کوئی چیز آتی تو اس بات سے کامل اطمینان کرنے

کے بعد اسے قبول فرماتے کہ غیر مسلموں کا مال نہیں ہے، بلکہ دوستانہ ہدیہ ہے۔ چند ماہ بعد سرگودھا منتقل ہو گئے۔ اور اسی سرزمین میں یہ مجاہد جرنیل ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو واصل بحق ہو گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

اللھم تغمده برحمتك التی وسعت کل شیء آپ کے پوتے (مولانا عطاء اللہ شہید کے صاحبزادے) آپ کی جسمانی یادگار موجود ہیں جو سرگودھا میں قیام پذیر ہیں۔ وفقھم اللہ لما یحبہ و یرضاہ۔

آخر میں ہم اخبار "ندائے مدینہ کے شیخ الاسلام نمبر" کا وہ اقتباس قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو مولانا مرحوم کے بارے میں اس نے لکھا۔

"اگر پورے دنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس علمی میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، ملحدوں، نیچریوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث چکڑالویوں، بریلویوں، دیوبندیوں سے غرض ہر فرقے سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے۔ تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گے مجھے معلوم نہیں لیکن پاکستان و ہندوستان، برما اور لنکا، جزیرہ جاوا، سماٹرہ کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہو سکتی اور وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی تھی۔ آج ان کی رحلت کے بعد ہندوستان و پاکستان کی یہ سربلندی شاید باقی نہیں رہی۔ ان کے جاتے ہی بازار علمی کی صدر نشینی بھی شاید اب ختم ہو گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۲۵ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ

ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

التماس مصنف

ہندوستان میں جب سے گورنمنٹ کے آزادی دینے سے تصنیف کا چرچہ ہوا ہے مذہبی تصنیفات نے مختلف رنگ اختیار کیے ہیں۔ بعض اہل علم نے تو اس نعمت کی قدر کی اور اپنے خیالات کی اشاعت مناسب الفاظ و عبارات میں کر کے ملک کو فائدہ پہنچایا۔ مگر اکثر تو ایسا ہوا کہ ایک فریق نے دوسرے فریق پر بے جا تہمتیں لگائیں۔ دل دکھائے۔ سب و شتم سے کام لیا۔ گویا اس خداداد نعمت (آزادی) کو کفران نعمت سے مبدل کیا۔ جو کسی طرح (عقلاً یا نقلاً) ان کو جائز نہ تھا۔ اس کے بعد ندوۃ العلماء [1] کا دور آیا۔ تو ندوہ کی منصفانہ تحریک نے بہت سے نیک دلوں کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور انہوں نے باہمی نزاع کو (جس نے حد سے متجاوز ہو کر مسلمانوں کو فرمان الٰہی۔ یَـٰٓأَهْلَ الْكِتَـٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ کا مخاطب بنا دیا تھا) اپنی حد پر لانے کی کوشش کی یہاں تک کہ ندوہ نے سالانہ رپورٹ سال دوم کے صفحہ ۹ پر لکھ دیا۔

"اہلحدیث [2] اور حنفیہ کا اختلاف دراصل وہی اختلاف ہے۔ جو ابتدا سے حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ میں چلا آتا ہے۔ جسے ناحق رائی سے پہاڑ بنایا گیا۔"

باوجود ان سب کوششوں اور تحریکوں کے بعض اطراف میں ہنوز روز اول ہے مسلمانوں کا باہمی اختلاف اس قدر مضر نہیں۔ جس قدر ایک دوسرے سے منافرت مضر ہے۔ منافرت کا منشاء

---

[1] ندوۃ العلماء ایک مجلس ہے جس میں علماء مشائخ جمع ہو کر مسلمانوں کو اتفاق اور محبت میں ترقی کرنے کی تعلیم دیا کرتے ہیں ہر سال اس مجلس کے جلسے مختلف شہروں میں ہوا کرتے ہیں۔

[2] ندوۃ کی رپورٹ میں غیر مقلد کا لفظ ہے مگر اصل نام وہی ہے جو کوئی قوم یا شخص اپنے لیے آپ تجویز کرے پس جس طرح زید کا نام خالد اور عبداللہ کو عبدالرحمٰن کہنا صحیح نہیں اسی طرح اہلحدیث کو غیر مقلد یا وہابی کہنا غلط ہے۔ (منہ)

بسا اوقات ایک فریق کی دوسرے کے مذہب سے ناواقفی اور ناواقفی میں افترا پردازی ہوتی ہے۔ فرقہ اہلحدیث کی نسبت کئی ایک من گھڑت افترا لگائے گئے ہیں اور لگائے جاتے ہیں۔ بڑا افترا جس نے اس فرقہ کو سب کی نظروں میں حقیر اور مطعون کر رکھا ہے۔ (اور واقعی وہ افتراء درصورت ثابت ہونے کے اسی ذلت اور حقارت کو مستلزم ہے) یہ ہے کہ یہ لوگ حضرات انبیاء اور اولیاء کی توہین کرتے ہیں۔ بلکہ اس توہین کرنے کو اپنا دینی ❶ شعار جانتے ہیں۔ بزرگوں کے منکر ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامات کے انکاری۔ نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے منکر۔ درود نہیں پڑھتے۔ پھوپھی سے نکاح جائز بتلاتے ہیں۔ سور ❷ کی چربی کو حلال کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا بڑے بھائی جتنا ادب کرتے ہیں۔ (یہ افتراء توہین انبیاء والے افتراء کے صریح متناقض ہے۔ فافہم) وغیرہ وغیرہ۔

یہ افترایات ایسے کچھ زبان زد ہوئے ہیں کہ عام تو عام خواص بھی یہ سن کر اہلحدیث سے بدگمان ہو جاتے ہیں' انہیں افتراؤں سے عالی جناب حضرت ❸ امیر عبدالرحمٰن خان صاحب

---

❶ دیکھو رسالہ جوہر الایقان مطبوعہ دہلی صفحہ ۶۔ اسی رسالہ سے کبیدہ خاطر ہو کر میرے ایک دوست منشی محمد غوث الدین صیغہ دار عدالت دالور ضلع شعلہ پور (بمبئی) نے رسالہ ہذا کے لکھنے کی تحریک کی تھی۔ (منہ)

❷ رسالہ رحمۃ للعالمین صفحہ ۶۳۔ مطبوعہ چشمہ نور پریس امرتسر (منہ)

❸ آنچہ بذریعہ اخبارات انگریزی وار دو دیگر تصنیفات ہمچوں قسم کہ در آنہا ذکر و ترجمہ کتاب تقویم الدین ست معلوم می شود این است کہ حضرت امیر صاحب رحمہ اللہ وفق خلیفۃ لما یحب و یرضا بہ نسبت فرقہ اہلحدیث (کہ عوام آنہا را وہابی گویند) گمان بردہ اند کہ فرقہ مذکورہ معاذ اللہ اعتقادات مندرجہ ذیل دارند:
اول: (نقل کفر کفر نباشد) پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام بہ نسبت سائر الناس ہیچ فضیلت و برتری نے۔ (۲) حضرت سید الانبیاء سرور کائنات و فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء نیست۔ (استغفر اللہ) (۲) شفاعت را منکر اند (نعوذ باللہ) (۴) بانی ایں فرقہ عبدالوہاب نجدی ست کہ یہودی النسل بود و در نہانی عداوت اسلام می داشت وغیرہ ہمچوں قسم۔ ایں چنیں افتریات کہ جہلا بہ نسبت فرقہ اہل حدیث مشہور می کنند اصلے نہ دارد بلکہ ایں چنیں اعتقادات و مقالات را اہلحدیث کفر می دانند۔ نہ اہلحدیث ایں چنیں اعتقادات دارند و نہ عبدالوہاب نجدی را پیشوا خود دانند بلکہ از کیفیت شخصیہ او نیز ناواقف اند الا ہموں قدر کہ در کتب سیر مرقوم ست البتہ بدیں وجہ کہ ایشاں ازیں افترایات بری اند بہ شنیدن ایں چنیں مقالات بہ نسبت خود ہا شادمانی می کنند بحکم:

نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ کہ بدباشی و نیکت خوانند

مرحوم والی سلطنت افغانستان جیسے بیدار مغز، فرزانہ روزگار بھی متاثر ہو کر اپنی کتاب تقویم الدین وغیرہ میں اہلحدیث کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم لگا گئے۔ جس میں امیر صاحب مرحوم کا ذرہ بھر قصور نہیں۔ قصور صرف ان لوگوں کا ہے جنہوں نے حضرت ممدوح تک اہلحدیث کی نسبت یہ خیالات پہنچائے۔ امیر صاحب مرحوم زندہ ہوتے تو ہم ان کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کرتے کہ:

و اذا اتتك مذمتي من ناقص ❶ فهي الشهادة بي باني كامل

ان افترایات کے دفع کرنے میں اہل حدیث نے مقدور بھر کوشش کی۔ جو اللہ کے فضل سے پوری موثر ہوئی۔ چنانچہ اسی کوشش ہی کا نتیجہ ہے کہ جس نے اہلحدیث کے مذہب سے پوری واقفی حاصل کی۔ بس یہی واقفی اس کی ہدایت کا سبب ہوگئی۔ یہ رسالہ بھی انہی کوششوں میں سے ایک ہے۔ اس میں صرف اہلحدیث سے افترایات ہی کا دفعیہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بعض ایسے مسائل کا ذکر بلکہ ثبوت بھی ملے گا۔ جن کو واقعی اہلحدیث مانتے ہیں۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ نہ کسی فریق کی دل

(گزشتہ سے پیوستہ) البتہ بایں گمان کہ بسا اوقات ایں چنیں افترایات برائے جہال کہ از تحقیق و تفتیش اصل حال بمراحل اند مانع ہدایت اند۔ بحکم اتقوا الله مواضع التهم. (الحدیث) اہلحدیث بصدد دفع ایں کفریات می شوند۔ اگرچہ مایان جماعت اہلحدیث زیر سایہ سرکار انگریزی بامن و عافیت ہستیم و با سلطنت خداداد افغانستان وفق الله اليها و خلد ملكهم مادام الملوان ہیچ تعلق سیاسی نداریم الا آں نسبت و تعلق کہ خداوند جل مجدہ مارا باجملہ کلمہ گویاں بحکم انما المؤمنون اخوة مضبوط دادہ بنابریں برائے دفعیہ بدگمانی برادران افاغنہ بحضور خدام جناب امارت مآب حضرت امیر حبیب اللہ خان وفقہ اللہ لما یحب و یرضا ما تعاقب المقر ان عرض داریم کہ از کتاب تقویم الدین جزئے را کہ متعلق بہ اعتقادات فرقہ اہلحدیث ست اصلاح فرمانید اگر ضرورت دریافت اعتقادات فرقہ اہلحدیث باشد قرآن مجید و کتب احادیث اہل سنت را ملاحظہ فرمانید بعد ملاحظہ ہر امر کہ ایں کتب بلاتغیر و تبدیل ثابت شود ہموں مذہب اہلحدیث است یا ہمیں رسالہ اعزاز مطالعہ بخشند تا از عہدہ فرمان خداوندی جل مجدہ: فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. (الحجرات:١٠) برایند۔ رجا قوی ست کہ عرض ہذا بحضور بندگان عالی مقرون باجابت افتد۔

ع آفتاب دولت مدام تاباں و درخشاں باد

عریضہ نیاز: ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری (مخاطب بمولوی فاضل) مصنف رسالہ ہذا

صفحہ ہذا ❶ جب کسی نالائق سے میری مذمت پہنچے تو یہ سمجھ کہ وہی میرے فضل اور کمال پر دلیل ہے۔

آزاری سے نہ کسی مصنف پر حملہ آوری سے بلکہ سلف صالحین کے طریق پر غالبًا یہ رسالہ پہلا نمبر ہے جو مذہبی مباحثہ میں حسب منشاء ''ندوۃ العلماء'' ❶ لکھا گیا ہے۔ کیا عجیب کہ خاکسار مصنف بحکم حدیث شریف ❷ **من سن فی الاسلام سنة حسنة فلهٗ اجرها و اجرمن عمل بها** عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

خاکسار مصنف

---

❶ ''ندوۃ العلماء'' کا مقصد یہ ہے کہ اختلاف بے ہودہ پیرائے میں نہ ظاہر کیا جائے۔ جواب اور تردید میں کتابیں لکھی جائیں تو اصل مسائل پر گفتگو کی جائے۔ تحریر و تشنیع۔ سب و شتم۔ لعن طعن سے کام نہ لیا جائے۔ زبانی مناظرہ ہو۔ تو سخت کلامی اور ہاتھا پائی تک نوبت نہ آئے اور مقدمہ بازی میں فریقین کے ہزاروں روپے برباد نہ ہوں۔ جس میں ''یکے نقصان ما دیگر شماتت ہمسایہ'' کے علاوہ ہماری ناشائستہ حرکات اسلام کے منور چہرے پر بدنما دھبہ نظر آئے۔ (مقصد دوم ندوۃ العلماء) ہماری عباوت میں منشاء سے مراد یہی مقصد ہے۔

❷ جو کوئی اسلام میں بحکم شریعت احسن طریق جاری کرے۔ اس کو اپنا اور اس طریق پر چلنے والے لوگوں کے برابر ثواب ملے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اہلحدیث کا مذہب

نحمده و نصلى على رسوله الكريم

توحید

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا خالق ہے۔ سب مخلوق کیا چھوٹی کیا بڑی۔ کیا عزیز کیا ذلیل۔ اس کے سامنے سب سر تسلیم خم ہیں۔ کوئی بھی اس کے حکم کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ سب دنیا کی اصلی حکومت خاص اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ

یعنی برکتوں والی وہ ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام ملک کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت تام رکھتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔

یعنی اے رسول ﷺ تو ان مشرکوں سے پوچھ کہ کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب چیزوں کی حکومت ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ؟ یہ بھی کہہ دیں گے کہ ایسی شان اللہ ہی کی ہے۔

اس مضمون سے قریب قریب تمام قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ بلکہ کلمہ شریف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی میں یہ بیان بالا اجمال پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں "اللہ کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں۔ صرف اللہ ہی معبود برحق ہے۔ باقی تمام مخلوق اس کی عابد اور مملوک ہے"۔ پس عابد کو معبود

سے جو نسبت ہوتی ہے۔ وہی تمام مخلوق کو (نبی ہو یا ولی۔ رسول ہو یا امتی۔ مومن ہو یا کافر۔) خالق سے ہے۔ پھر جس نے اس نسبت کو پورا نبھایا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہوا۔ جیسے انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام اور جس نے اس نسبت کے حقوق ادا نہ کیے وہ ذلیل خوار مستوجب سزا ٹھہرا۔

قال اللہ تعالیٰ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط

یعنی ہم نے انسان کو سب سے اچھی قابلیت اور لیاقت پہ پیدا کیا ہے۔ پھر اس کی بدکاریوں کی وجہ سے اس کو ذلیل ترین کر دیا۔ لیکن جو لوگ ایماندار ہیں اور عمل نیک کرتے ہیں (ان کی یہ حالت نہیں۔ وہ اللہ کے نزدیک معزز ہیں۔)

مختصراً یہ کہ ہمارا ایمان اور عقیدہ یہ ہے کہ:

وہ مالک ہے سب آگے اس کے لاچار نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار

رسالت اور ولایت

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ تمام مخلوق میں سید البشر انبیاء علیہم السلام ہیں اور انبیاء میں سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو قیامت کے دن شفاعت کبریٰ و صغریٰ کریں گے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

یعنی جو لوگ زیادہ متقی اور پرہیزگار ہیں وہی اللہ کے نزدیک زیادہ معزز اور مقرب ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے برابر کوئی شخص تقویٰ اختیار نہیں کر سکتا۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا

بلکہ بطور تعلیم بتلاتا ہوں۔

اسی آیت کے مطابق اولیاء اللہ عام امت سے افضل ہیں۔ کیونکہ آیت موصوفہ نے ایک عام قاعدہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب اور اکرام کا مدار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے پس جو کوئی جس قدر تقویٰ شعار ہوگا۔ اسی قدر اللہ کے نزدیک مکرم و محترم ہوگا۔

توہین سلف

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اولیاء کی (جن کا تقویٰ طہارت معلوم اور ثابت ہو) توہین کرنے والا تو ان کی نسبت بدظنی یا تحقیر کرنے والا فاسق ہے۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی توہین کرنے والوں کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے:۔

اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۝

یعنی جن لوگوں نے تیرے حق میں بری بری تمثیلیں دی ہیں وہ ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ ان کی ہدایت کی کوئی صورت ہی نہیں۔

حدیث قدسی میں ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔

اللہ نے فرمایا ہے جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ پھر اس کی خیر کہاں؟

بلکہ عام مسلمانوں کی توہین اور تذلیل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ خاص کر جو لوگ ہم سے پہلے ایماندار ہو گزرے ہوں ان کی نسبت تو نیک دعا کا حکم ہے۔ قرآن شریف میں تعلیم ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط

اے اللہ ہم کو بخش اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمانداری کے ساتھ ہم سے پہلے گزرے ہیں۔ ان کو بھی بخش اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کا کینہ نہ کر۔ آمین

مختصر یہ کہ اہلحدیث کا مذہب توہین سلف کے حق میں وہی ہے جو مصنف ہدایہ نے لکھا ہے۔

لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يَّظْهَرُ سَبَّ السَّلَفِ لِظُهُوْرِ فِسْقِهٖ۔ (کتاب الشهادات)

یعنی جو سلف صالحین کو برا کہے اس کی شہادت معتبر نہیں۔

علم غیب

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ سوائے اللہ کے علم غیب کسی مخلوق کو نہیں نہ ذاتی [1] نہ وہبی اور نہ کسبی۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

---

[1] اس دعویٰ اور دلیل کی نسبت امرت سر کے علماء حنفیہ نے مجالس وعظ میں بڑی سختی سے اعتراضات کرنے شروع کیے۔ کبھی دعویٰ اور دلیل میں عدم مطابقت پر سوال۔ کبھی مستثنیٰ پر کلام۔ کبھی کفر کا لزوم۔ غرض کبھی کچھ کبھی کچھ۔ آخر بات بڑھتے بڑھتے مباحثہ کی ٹھہری اور مولانا ابو عبید احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب مصنف تفسیر حقانی دہلوی مصنف قرار پائے۔ اور ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ کو بموجودگی منصفان مباحثہ ہوا۔ فریقین کی تقریریں سن کر ہر دو منصفان نے بیک زبان فیصلہ کیا کہ عبارت مذکور صحیح ہے۔

پھر فریق ثانی نے خفیہ طور پر ایک استفتاء علماء دیوبند کی خدمت میں بھیجا۔ جس کی نقل میرے ایک دوست (رحمہ اللہ) مدرس مدرسہ دیوبند نے معہ دستخط مدرسین میرے پاس بھی بھیجی۔ جو بطور اشتہار شائع کی گئی وہ یہ ہے:

''کیا فرماتے ہیں علماء دین اس شخص کے حق میں جس نے مندرجہ ذیل دو عبارتیں ایک رسالہ میں شائع کی ہوں۔ اولاً یہ کہ سوائے اللہ کے کسی مخلوق کو علم غیب نہیں نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

دعویٰ دلیل میں تطابق اور آیت کریمہ سند منع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے کہ حضرت رسول کریم ﷺ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو مطلقاً علم غیب نہ تھا نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی۔ پس وہ جناب رسول کریم ﷺ کے مخبر باخبار ماضیہ وحالیہ واستقبالی کے منکر ہونے سے کافر ہوا یا نہیں؟

ثانیاً عابد کو معبود سے جو نسبت ہوتی ہے وہی عام مخلوق کو نبی ہو یا ولی رسول ہو یا امتی۔ مومن ہو یا کافر خالق سے ہے۔''

اب اس عبارت میں لفظ عابد غور طلب ہے۔ لفظ عابد سے من حیث اللہ مطیع و عابد مراد لیا جائے گا۔ یا مخلوق من حیث ھو ھو؟ پس بر تقدیر اول بلحاظ عبادت واطاعت مساوات ومماثلت انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی کفار نابحار سے ثابت کرنے والا کافر ہوا یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی اس کی غرض تنقیص شان حضرات اور ان حضرات کا بعد الارتحال توسل نہ ہونا اس سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) یہ عبارت کتاب ہذا کے صفحہ ۲۲ سطر پر ہے۔

الجواب: اصطلاحاً عالم الغیب سے مراد ہے کہ جمیع مغیبات کا کلیتاً و جزیئاً ازلا وابداعالم ہو۔ سو یہ شان باری تعالیٰ کی ہے اور کوئی مخلوق میں سے شریک اس کا اس وصف میں نہیں۔ سو اگر مراد قائل کی یہ ہے کہ ایسا علم کسی کو نہیں نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی۔ پس دلیل مطابق دعویٰ ہے کہ کما ھو ظاھر من الا طلاق ولا یشك فیه غیر اھل الشقاق۔ اور جو غرض یہ ہے کہ بعض مغیبات کا علم کسی کو کسی طرح نہیں تو غلط ہے۔ کیونکہ بہت سے مغیبات کا علم انبیاء کرام کو خصوصاً افضل الرسل خاتم الانبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ عطا ہوا ہے اور ان حضرات کرام کی وساطت سے ان کی امتوں کو بھی بہت سی مغیبات کا علم حاصل ہوا ہے۔ خود قرآن شریف میں ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (الآیه)

پس انکار اس کا خلاف منصوص ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ قائل مذکور کی غرض قسم ثانی کا انکار نہیں بلکہ عالم غیب علی الاطلاق کی نسبت یہ قول ہے سو معلوم ہوا کہ صحیح ہے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت حسب نصوص قطعیہ یہی ہے کہ عالم الغیب علی الاطلاق بجز ذات باری تعالیٰ کوئی نہیں۔ اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہتے ہیں سخت ضلالت میں ہیں اور مفتری کذاب ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی فرمایا کما رواہ البخاری۔

درحقیقت یہ شرک ہے صفات خاصہ باری تعالیٰ میں امر ثانی کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ درحقیقت جملہ مخلوقات بندہ وعاجز ومخلوق ہونے میں برابر ہیں۔ کسی کو خالق جل وعلی کے ساتھ شرکت نہیں ہے۔ پس اس نسبت میں عابد وغیر عابد انبیاء عظام اور اولیاء کرام جملہ مخلوق برابر ہیں۔ یہی مطلب قائل کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ کوئی مسلمان اس امر کا منکر نہیں کہ جو قرب حق تعالیٰ کے خاص بندگان مقربین کو ہے وہ دوسروں کو نہیں اس نسبت قرب میں جملہ مومنین بھی برابر نہیں اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام یکساں نہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ جناب رسول اللہ ﷺ آخر جملہ سے مراد ہیں۔ سوان کے رفع درجات کی کوئی کیا تفصیل وتشریح کر سکتا ہے۔ سچ ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه	بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صاحب بردہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

فانسب الی ذاته ماشئت من شرف	وانسب الی قدره ماشئت من عظم
فان فضل رسول الله لیس له	حد فیعرب عنه ناطق بفم
فمبلغ العلم فیه انه بشر	وانه خیر خلق الله کلهم

قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

یعنی تو اے رسول ﷺ کہہ دے کہ آسمانوں میں زمین والوں میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

نیز ارشاد ہے:

لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ۔

یعنی اے رسول اللہ ﷺ تو کہہ دے کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سی بھلائی اپنے لیے جمع کر لیتا اور مجھے کسی طرح کی کبھی بھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

اس نص قطعی کے علاوہ سینکڑوں واقعات نبی اکرم ﷺ کے ایسے ہیں جن سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حضور فداہ روحی کو علم غیب نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ کہ حرم محترم پر بہتان لگنے سے کئی دنوں تک مغموم ومحزون رہے۔ مگر اصل حال معلوم نہ ہو سکا۔ جب تک اللہ نے اطلاع نہ دی۔ ایسے ہی دیگر انبیاء علیہم السلام کے حالات شاہد عدل ہیں کہ کسی کو علم غیب نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا مہمانوں کی شکل میں آنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان سے ڈر جانا وہ قرآن کی صریح آیات میں مذکور ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ملائکہ کا لڑکوں کی شکل میں آنا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم سے ان کا چھپانا وغیرہ۔ صریح قرآن میں مذکور ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

الحاصل باوجودیکہ جملہ کمالات کے بشر۔ بشر اور مخلوق ہے۔ کوئی جزو معبودیت وخالقیت کا اس میں نہیں آیا۔ پس یہی مطلب اس قائل کا معلوم ہوتا ہے ورنہ قرب خاص وعلو درجات ورفع مقامات بندگان خاص کا کوئی منکر ہو سکتا ہے؟ مسلمانوں پر حسن ظن لائق ہے اور ان کے کلام کو محمل حسن پر حتی الوسع واقع کرنا چاہیے۔ بے وجہ تفسیق وتضلیل مناسب نہیں بلکہ حرام وممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمان عفی عنہ دیوبندی (مفتی مدرسہ) الجواب صحیح محمد حسن عفی عنہ الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ الجواب صحیح احقر الزمان گل محمد خاں (مدرسہ عربیہ عالیہ دیوبند) الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ (مولانا محمود الحسن صاحب) اول الجواب صحیح بندہ مسکین محمد یٰسین عفی عنہ

جو عدم علم پر دلالت تام کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بوجہ بے خبری اور عدم واقفیت اصل حال کے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قصور وار سمجھ کر بے حرمت کرنا اور ان کا نہایت ہی عاجزانہ لہجے میں اصل حال بتلانا وغیرہ وغیرہ سب کے سب واقعات بتلا رہے ہیں انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ تھا۔ یہ تو قرآن و حدیث کے صریح دلائل ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے بھی انہی واقعات پر بنا کر کے انبیاء کی نسبت علم غیب کے عقیدے کو کفر لکھا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيْبَاتِ مِنَ الْاَشْيَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحْيَانًا و ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (شرح فقه اكبر)

جان لو کہ انبیاء غیب نہیں جانتے تھے لیکن اتنا ہی جتنا کہ کبھی کبھی اللہ ان کو بتلاتا، اور علماء حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے: اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ (شرح فقہ اکبر)

ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں جو فقہ کی ایک مشہور اور معتبر کتاب ہے صاف مرقوم ہے کہ:

رجل تزوج بغير شهود فقال الرجل و المرأة الله و رسول را گواه کردیم قالوا يكون كفرا لانه اعتقد ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يعلم الغيب وهو ما كان يعلم الغيب حين كان في الاحياء فكيف بعد الموت

جو شخص اپنے نکاح میں اللہ اور رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے کیونکہ اس کے گواہ کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ جب حضور زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد انتقال کیوں کر جانتے ہیں۔ (قاضی خاں جلد ۴ باب مایکون کفرا من المسلم و مالا یکون)

ایسا ہی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ مالا بد میں فرماتے ہیں:

"اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم۔

کافر شود۔"

اسی مقام کے حاشیے پر اس کفر کی دلیل لکھی ہے۔

"چرا کہ آنکس اعتقاد کرد کہ رسول خدا ﷺ غیب مے داند و پیغمبر خدا در حالت حیات غیب رانمید انست پس چگونہ بعد موت غیب داند۔" (کذافی قاضی خاں)

جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ ہوا۔ تو ائمہ اہل بیت اور دیگر صلحا امت کو کیسے ہو سکتا ہے؟

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی بابت فرمایا ہے:

عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ اللہ نے تجھ کو وہ باتیں سکھائیں جو تو نہ جانتا تھا۔

اور ما کا لفظ عام ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کل چیزوں کا علم سکھایا گیا۔ پس علم غیب اسی کا نام ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں یہی لفظ عام مسلمانوں کے حق میں بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

عَلَّمَكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (پ ۲۔ ع ۱۵) "یعنی جو تم نہ جانتے تھے وہ تم کو سکھایا۔"

تو کیا ہم سب مسلمان جن کو اس آیت میں خطاب ہے سب کو علم غیب حاصل ہے؟

(ہرگز نہیں) اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی نسبت اس لفظ کا ورد ہوا ہے یعنی دینی باتیں جو تو نہ جانتا تھا۔ وہ ہم نے تجھ کو سکھائیں اور تم مسلمان بھی جو دینی امور سے ناواقف تھے وہ تم کو بتلائے۔ چنانچہ ایک آیت میں ان معنی کی تشریح بھی فرما دی ہے جہاں ارشاد ہے۔

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (پ ۲۵۔ ع ۶)

یعنی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے۔ لیکن ہم نے تیرے دل میں ایک نور پیدا کیا۔ اس نور کے ساتھ اپنے بندوں میں سے ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

اس سے علم غیب کا کیا ثبوت اور کیا ذکر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اوتیت

علم الاولین والاخرین۔ (یعنی مجھ کو پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا کیا گیا ہے۔) اس سے نبی اکرم ﷺ کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی بھی یہ ہیں کہ جو کچھ معرفت الٰہی کا علم پہلے نیک لوگوں کا حاصل تھا۔ یا مجھ سے پچھلے لوگوں کا حاصل ہوگا۔ وہ سب معرفت مجھے حاصل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کل اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اور سب سے زیادہ متقی۔ پس آپ کی معرفت سب سے زائد ہونے میں کس کو کلام ہے؟ اور واضح طور پر سنیئے!

حدیث مذکور میں علم کا لفظ مصدر مضاف ہے اولین کی طرف جو فاعل ہے پس معنی یہ ہوں گے کہ جتنا علم پہلے اور پچھلے لوگوں کا تھا اور ہوگا وہ سب مجھے حاصل ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ بحکم۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔	اے نبی! تو کہہ کوئی بھی آسمان والوں میں اور زمین والوں میں علم غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

پہلے پچھلے کسی کو علم غیب نہیں ملا پس علم الاولین والاخرین سے مراد یہی ہے کہ جتنا علم شریعت پہلے پچھلوں کا ہے۔ وہ سب پیغمبر الٰہی ﷺ کو دیا گیا۔ اگر اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کی غیب دانی کا ثبوت ہو۔ تو قران کی آیات مذکورہ اور اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین و اولیاء کاملین کے صریح خلاف ہوگا علاوہ اس کے قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے کہ

مَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (پ ۲۶ ع ۱)	اے رسول! تو ان سے کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم آئندہ کو مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمہیں کیا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علم الاولین والاخرین سے مراد وہ واقعات اور حادثات ہوں جو قرآن وحدیث میں پہلے پچھلے لوگوں کے حضور نے بیان فرمائے ہیں۔ جن کو غیب دانی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ جتنا کچھ اللہ نے بتلایا اس کا تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار تو اس کا ہے کہ نبی اکرم ﷺ یا کسی اور نبی یا ولی کو سب اشیاء کا علم تھا۔ جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے۔ اگر صرف اسی قدر تھا جو اللہ کی طرف سے بتلائی گئی تھیں جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں آتا ہے جیسے گزشتہ اور آئندہ واقعات کی خبریں حضور نے بتلائی ہیں۔ اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن سے

اس امر کے ثابت کرنے کی ناکام سعی کی جاتی ہے کہ حضور اقدس فداہ ابی وامی کو علم غیب تھا۔ مگر تعجب ہے کہ ایسے بدیہی امر کے برخلاف کوشش کی جائے جس کے ثبوت کے لیے قرآن وحدیث بلکہ فقہاء کی متفقہ تصریحات بھی موجود ہوں۔ الی اللہ المشتکی۔

استمداد بالغیر

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی دافع بلا اور جالب نفع نہیں ہے یعنی کسی حالت اور کسی صورت میں بھی کسی مخلوق کو یہ قوت نہیں کہ ہمارے آڑے کام سنوار دے یا بگڑی کو بنا دے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (۷۲:۲۱)

اے ہمارے رسول! تو کہہ دے کہ میں تمہارے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔

بلکہ ایک آیت میں فرمایا ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ. (الاعراف:۱۸۸)

یعنی مجھے اپنی جان کے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں۔

برابر جس طرح دوسروں کو مضرات سے ضرر اور تکلیف پہنچتی تھی آپ کو بھی پہنچتی تھی، خیبر کے زہر کا قصہ مشہور ہے کہ ایک ہی لقمہ کھانے سے اخیر تک اس کی تکلیف رہی۔ آخر انتقال فرمانے کے وقت بھی اس نے اپنا اثر دکھایا جس سے طبیعت میں گونہ حرارت بڑھ گئی۔ آیت قرآنی:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ. ''میں بس تمہاری طرح آدمی ہوں۔'' (انہی معنی میں شاہد عدل ہے)

اس میں ذرا شک نہیں کہ تمام مخلوق میں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ افضل اکمل بلکہ سید الاکملین ہیں۔ پس افضل واکمل کی نسبت خدا تعالیٰ نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ ان کو بھی ہمارے نفع و نقصان کا اختیار نہیں دیا گیا۔ باقی سب مخلوق تو اس سے پیچھے بلکہ انہی سے فیض یاب ہے، کیا ہی سچ ہے

گو غوث و قطب و مقتدا ہے ۔۔۔ وہ بھی اسی در کا اک گدا ہے

نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں جو وصف کمال نہ ہو وہ کسی دوسرے میں اعتقاد یا تلاش کرنا صریح بے ادبی اور سراسر گمراہی ہے پس اسی ایک ہی آیت سے مضمون صاف ہے کہ کسی مخلوق کو یہ طاقت اور قدرت نہیں (نہ ذاتی نہ وہبی) کہ وہ ہماری کسی طرح مشکل کشائی کر سکے یا ہم اس سے استمداد و استعانت کریں۔ جیسا کہ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ والی آیت سے ایک عام قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں بھی بطور ایک قاعدہ کلیہ کے فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (پ ۶ ع ۱۶)

یعنی تم کسی ایسی چیز کو مت پکارا کرو جو نہ تم کو نفع دے سکے۔ اور نہ نقصان پر قادر ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھی ظالم ہو جاؤ گے۔

پہلی آیت نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی بھی نہیں جو ہم کو نفع یا نقصان دے سکے۔ کیونکہ جب سید الانبیاء کو اس امر پر قدرت نہیں جیسا کہ آیات مرقومہ کا صریح مطلب ہے تو پھر اور کسی کو کیا یارا؟ دوسری آیت نے ہم کو یہ سکھایا کہ جو چیز ہم کو نفع یا نقصان دینے پر قادر نہ ہو۔ اس سے دعا نہ کریں۔ نہ کسی آڑے کام میں اس کو پکاریں نہ استمداد کریں۔ پس داناؤں کے لیے مضمون بالکل صاف ہے۔

قرآن شریف کا تو کوئی پارہ بلکہ رکوع تک اس تعلیم سے خالی نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی غرض بھی یہی ہے کہ مخلوق کو مخلوق کے پکارنے سے روکا جائے۔ یہی معنی ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے یعنی اے ہمارے مولا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہر ایک کام کی انجام دہی میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

عرب کے لوگوں میں کئی ایک حضرت مسیح کو پکارتے تھے کئی ایک حضرت عزیز کو کئی ایک دیگر بزرگان دین سے دعائیں مانگتے تھے۔ ان سب کی تردید اور توحید کی تائید کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ کا بیان کر کے فرمایا ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ

اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کا سب ملک اور

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۔ (پ۲۲ رکوع ۱۴)۔

اختیار ہے اور اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ ذرا بھی اختیار و قدرت نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری دعا سنتے نہیں۔ اور اگر سنیں تو تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتے۔ اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کریں گے۔ (کہ ہم نے ان سے نہ کہا تھا نہ یہ لوگ ہم کو پکارتے تھے۔ بلکہ شیاطین کے بہکانے میں تھے)۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگوں کو لوگ پکارتے اور دعائیں مانگتے ہیں ان کو ان دعاؤں کا علم بھی نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں صاف مذکور ہے۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔ (پ۲۶ ع۱)

یعنی جن بزرگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں۔

پس آڑے وقت میں جو لوگ پیروں فقیروں سے امداد چاہتے ہیں یا دعا کرتے ہیں قرآن و حدیث کی رو سے ان کا یہ فعل شرک ہے۔ جو صریح کلمہ توحید لا الٰہ الا اللّٰہ اور آیت مبارکہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے خلاف ہے۔ گو ایسے صاف مضمون کے لیے جو کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ ہی کا ترجمہ ہو کسی بیرونی شہادت یا تائید کی حاجت نہیں۔ تاہم ہم اپنے بھائیوں کی مزید تشفی کے لیے فریقین کے مستند بزرگ یعنی حضرت محبوب سبحانی مخدوم جہانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات شریفہ میں سے چند کلمات طیبات نقل کرتے ہیں حضرت موصوف فتوح الغیب کے مقالہ نمبر ۴۲ میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس رضی الله عنه قال بينا انا رديف رسول الله ﷺ اذ قال يا غلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک وقت میں جب کہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر حضور نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ

امامك فاذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله جف القلم بما هو كائن ولو جهد العباد ان ينفعوك بشيءٍ لم يقضه الله لك لم يقدروا عليه ولو جهد العباد ان يضروك بشيءٍ لم يقضه الله عليك لم يقدروا فان استطعت ان تعمل للّٰهِ بالصدق في اليقين فاعمل و ان لم تستطع فاصبر فان في الصبر على ماتكره خيرا كثيرا واعلم ان النصر مع الصبر و الفرج مع الكرب وان مع العسر يسرا فينبغي لكل مومن ان يجعل هذا الحديث مرءة لقلبه وشعاره ودثاره وحديثه فيعمل به في جميع حركاته و سكناته حتى يسلم في الدنيا و الاخرة ويجد العزة فيها برحمة الله عزوجل۔

تیری حفاظت کرے گا۔ تو اللہ کے حقوق محفوظ رکھ۔ تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تو سوال کیا کرے اللہ ہی سے کیا کر اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے چاہا کر جو کچھ ہونا ہے ہو چکا ہے اگر تمام مخلوق تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہے جو اللہ نے تیرے لیے مقدر نہ کیا ہو۔ تو کبھی قدرت نہ پا سکیں گے اور اگر تمام مخلوق تجھے کسی قسم کے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے جو اللہ نے تیرے حق میں مقدر نہ کیا ہو تو کبھی نہ پہنچا سکیں گے پس اگر تو طاقت رکھے کہ سچائی اور یقین کے ساتھ اللہ کے لیے عمل کرے تو کر اور اگر عمل کی طاقت نہیں رکھتا تو تکلیفوں پر صبر کیا کر۔ کیونکہ صبر میں ہی بہت سی بھلائی ہے۔ اور تو جان کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور آسانی تکلیف سے متصل اور تنگی کے ساتھ آسانی۔ (مقالہ ۴۲)

(اس حدیث کے بعد حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں) پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے جسم کا اندرونی اور بیرونی لباس بنائے اور اپنی ہر ایک بات میں اسی کو پیش نظر رکھے۔ اور اپنی تمام حرکات وسکنات میں اسی پر عمل کرے (کہ اللہ کے سوا کسی مخلوق سے استمداد اور استعانت نہ کرے نہ کسی سے امید نفع ونقصان کی رکھے) تا کہ دنیا و آخرت میں سلامتی سے رہے اور اللہ کی رحمت سے عزت پائے۔"

غرض اس مسئلہ میں اہلحدیث کا مذہب وہی ہے جو حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

در بلا یاری مخواہ از ہیچ کس زانکہ نبود جز خدا فریادرس
غیر حق راہر کہ خواند اے پسر کیست در دنیا ازو گمراہ تر

ہاں ہمارا یہ بھی مذہب ہے کہ نیک بندوں کی دعا سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ احادیث تو اس بارے میں بہت سی وارد ہیں۔ جن کا مضمون صریح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم ﷺ سے دعا کے طالب ہوتے تھے اور آپ حسب منشاء ان کے لیے دعا فرماتے۔ قرآن شریف میں بھی یہ اشارہ بالاجمال پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی دعائیں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے جلد قبول فرماتا ہے۔ مگر دعا کا قبول کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اور قبول کر کے فائدہ پہنچانا بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ مختصر یہ کہ اس مسئلہ میں ہمارا مسلک یہ ہے۔

خدا فرما چکا قرآں کے اندر مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں کہ کام آئے تمہاری بے کسی میں

اسی لیے کسی بزرگ کو مخاطب کر کے یوں کہنا۔

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادر

ہمارا طریق نہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں غیروں سے ایسی آرزو کرنے کو شرک کہا گیا ہے۔ جن کا بیان اوپر ہو چکا۔

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

ان تینوں مسئلوں (توحید، علم غیب، استمداد بالغیر) کو گو ہم نے کسی مصلحت سے الگ الگ بیان کیا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ تینوں مسئلہ توحید میں مندرج ہیں اور کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیں۔

وَلَا تَكُنْ مِنَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَيَتَّبِعُوْنَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ)

وقد قال الله تعالى ﴿وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ.﴾ (یونس: ۸۹)

یہی مسائل ہیں جن کی وجہ سے اہلحدیث کو وہابی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جیسا امام شافعی رحمہ اللہ کو

اہل بیت کی محبت شدید کی وجہ سے بعض جہال رافضی کہتے تھے۔ جن کے جواب میں امام موصوف نے فرمایا تھا:

ان کان الرفض حب ال محمد فلیشھد الثقلان انی رافض

یعنی اگر رفض اہل بیت رسول کی محبت ہی کا نام ہے تو جنوں اور انسانوں! تم گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں۔'' اسی طرح اہلحدیث بھی امام موصوف کے شعر میں تھوڑا سا تصرف کر کے اس لقب کی نسبت اپنا اظہار رائے کرتے ہیں۔

ان کان توحید الالٰہ توھبا — یعنی اگر توحید الٰہی سے آدمی وہابی بنتا ہے تو
فلیشھد الثقلان انی وھابی — جنوں اور انسانوں! تم گواہ رہو کہ ہم وہابی ہیں۔

خلافت راشدہ

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ خلافت راشدہ حق پر ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے۔ ان کی اطاعت بموجب شریعت سب پر لازم تھی۔ کیونکہ خلافت راشدہ کے معنی نیابت نبوت کے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نائب بنایا تھا۔ مرض الموت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کیا۔ حالانکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (یہ سوچ کر کہ کہیں حضرت انتقال فرما گئے تو میرے باپ کی نسبت لوگون کا گمان بد نہ ہو۔ کہ ایسا امامت پر کھڑا ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانبر نہ ہوئے۔) عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب ہیں وہ آپ کی جگہ پر امامت نہیں کر سکیں گے۔ آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امام بنا دیجیے مگر آپ نے ایک نہ سنی۔ بلکہ نہایت خفگی سے فرمایا

انتن صواحب یوسف — تم ویسی ہی عورتیں ہو جو یوسف کو بہکاتی تھیں۔

یعنی جن عورتوں کو زلیخا نے دعوت میں بلایا تھا اور انہوں نے بھی یوسف علیہ السلام کو زلیخا کی

طرف ناجائز میلان کرنے کی رغبت دی تھی تم بھی اسی طرح مجھ کو ایک ناجائز کام کی رغبت دیتی ہو۔ کہ میں ابوبکر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو منصب امامت پر مامور کروں چنانچہ صدیق اکبر برابر نماز پڑھاتے رہے۔ آخر سرور عالم کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب نے خلیفہ مان لیا۔ اتنا بالا جمال واقعہ تو سنی۔ شیعہ دونوں گروہوں میں متفقہ ہے۔ ایک حدیث جو خاص اہل سنت کی روایت سے اس امر کا قطعی فیصلہ کرتی ہے۔ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا۔

عن عائشہ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابابکر اباك و اخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن و یقول قائل انا و یابی اللہ و المومنون الا ابابکر۔

اپنے باپ ابوبکر اور بھائی عبدالرحمن کو بلا کہ میں خلافت کا فیصلہ لکھ دوں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد کوئی کہنے لگے کہ میں خلافت کا حق دار ہوں حالانکہ اللہ کو اور سب مومنوں کو ابوبکر کے سوا کوئی بھی منظور نہ ہوگا۔ (مسلم)

اس حدیث سے نہ صرف خلافت صدیقیہ کا فیصلہ ہوتا ہے بلکہ اس مشہور مسئلہ قرطاس کا بھی تصفیہ ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلم دوات طلب کرنے پر صحابہ کے انکار و اقرار کا مشہور ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا تھا۔ قلم دوات منگاؤ۔ میں تم کو کچھ لکھ دوں میرے بعد جھگڑا نہ ہو۔ اس پر صحابہ کا بایں خیال اختلاف رہا کہ حضور کو بیماری میں تکلیف ہو گی۔ آخر آپ خلافت کی بابت ہی کچھ لکھوائیں گے۔ عرض کیا

حسبنا کتاب اللہ۔ ہم کو کتاب اللہ قرآن مجید کافی ہے۔

کیا ضرورت ہے کہ حضور کو ایسی تکلیف میں تکلیف بڑھائیں اس دلیل کے پیش کرنے والے حضرت فاروق تھے۔ جن کی قوت استدلال سب کو مسلم تھی چنانچہ اکثر نے ان سے اس رائے میں اتفاق کیا۔ اور نبی اکرم نے بھی معمولی اظہار رنج کر کے جیسے عموماً کسی ہمدرد بزرگ کو ایسے موقع پر ہوتا ہے ان کو اٹھا دیا۔ اور فرمایا کہ میں اس وقت جس شغل میں ہوں تمہارے شغل سے کہیں بہتر ہے۔ اس واقعہ پر فریقین (سنی۔ شیعہ) کی رائیں اور توجیہیں مختلف ہیں۔ شیعہ

کہتے ہیں مضمون اس کتاب کا جو نبی اکرم ﷺ نے لکھنی چاہی تھی خلافت علی کی وصیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عمر نے اس باب میں مزاحمت کی اہل سنت کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ اگر لکھتے تو حضرت ابو بکر کی خلافت لکھتے۔ مگر آپ نے لکھنے کو ضروری نہ سمجھا۔ کیونکہ آپ بطور پیش گوئی فرما چکے تھے کہ یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر۔ (اللہ اور مومنوں کو سوا ابو بکر کے کوئی پسند ہی نہ ہوگا) اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بلانے کی بابت ارشاد کر کے خاموش رہے اور اسی وجہ سے اس وقت بھی سکوت اختیار کیا۔ یہ حدیث اہل سنت کے لیے ایک قوی دلیل ہے۔ کہ خلافت صدیقی منظور نبوی ہے۔ نیز مسئلہ قرطاس کی بابت صریح تصفیہ ہے۔ کہ حضور ﷺ وہی بات لکھتے جس کے لکھنے کی خواہش پہلے ظاہر فرما چکے تھے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا۔

خاص شیعہ کی طرز پر بھی اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ بقول ان کے نبی اکرم ﷺ خلافت علی کے پہنچانے پر مامور تھے۔ اور بقول ان کے آیت:

بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ. جو کچھ تجھ کو اللہ کی طرف سے حکم پہنچا ہے وہ پہنچا دے۔

انہی معنی کے لیے نازل ہوئی تھی کہ خلافت علی کی بابت جو تجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ لوگوں کو پہنچا۔ اگر تو نے نہ پہنچایا تو گویا تو نے نبوت کی تبلیغ نہ کی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے سے حضور ایسے بڑے ضروری کام سے جس کا ارشاد جناب باری تعالیٰ سے پہنچا ہوا تھا جس کے نہ کرنے پر تمام نبوت کی تبلیغ کالعدم ہوتی تھی۔ آپ نے لکھوانے میں تساہل فرمایا۔ اگر اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت مانع تھی تو صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی صلح کے مخالف تھے بلکہ زور سے اس مخالفت کو نیک نیتی سے ظاہر کرتے تھے اور پھیلاتے تھے۔ مگر اس نازک موقع پر جہاں ایک طرف کفار کا ہجوم ہے اور دوسری طرف خود صحابی بھی رنج و دل بیٹھے ہیں عمر کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ ہوئی۔ تو اس موقع پر جب کہ تمام حاضرین خدام ہیں اہل بیت سب حاضر ہیں عمر کا اس قدر اثر ہوا کہ حکم الٰہی کی تبلیغ سے خاموش ہو گئے۔ ہمارے خیال میں ایسا گمان شان نبوت میں بدگمانی پیدا کرنے کا موجب ہے۔

شیعوں کی طرف سے اس دعویٰ پر کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بابت حضور ﷺ نے خلافت

کی وصیت فرمائی تھی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور نے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ یعنی جس کا میں مولا ہوں ۔ علی بھی اس کا مولا ہے۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ سب ایمانداروں کے مولا ہیں اور اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی سب کے مولا ہیں اور مولا کے معنی حاکم اور امیر کے بتاتے ہیں۔ اسی حدیث کا تتمہ وہ الفاظ ہیں جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے روایت کیے جاتے ہیں کہ فرمان نبوی من کنت مولاہ الخ۔ سن کر انہوں نے کہا تھا۔ بخ بخ یا اباالحسن اصبحت مولائی و مولا کل مومن و مومنۃ۔ یعنی اے ابوالحسن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تجھے مبارک ہو کہ تو میرا اور ہر ایماندار کا مولا ہو چکا۔ (انتہی مختصرا)

لیکن بغور دیکھا جائے تو اس سے شیعوں کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو حق خلافت تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق وغیرہ نے خلافت علی کو معاذ اللہ ظلم [1] سے غصب کیا۔ جس کی وجہ سے وہ مورد عتاب الٰہی ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اس حدیث میں جو مولا کا لفظ ہے جس پر سارا مدار ہے اس کے معنی دوست اور محب خالص کے ہیں چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے خاص اپنی ذات ستودہ صفات کی نسبت بھی فرمایا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی جب تک میں سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور مجھے تم اپنی اولاد اور ماں باپ اور تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ سمجھو گے۔ مسلمان نہ ہو گے۔

---

[1] اسی نیت سے شیعہ وعظ و نصیحت کی مجالس اور دعا کرنے سے پہلے عموماً بعد حمد و صلوٰۃ کے اگر خالص شیعوں کی مجلس ہو تو صریح طور پر اصحاب ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں اور اگر مجلس ملی جلی ہو تو لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ کہا کرتے ہیں جس سے مراد ان کی بزعم خود اصحاب ثلاثہ ہوتے ہیں۔ اہل سنت کو ایسی لعنتیں سننے سے سخت رنج ہوتا ہے مگر ایک حدیث ان کو تسلی دے رہی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ لعنت کا حقدار نہیں ہوتا۔ تو وہی لعنت۔ لعنت کرنے والے پر وارد ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی ہمارا سنی بھائی کسی مجلس میں شیعہ سے یہ کلمہ سن کر دل میں ناراض ہو تو وہ بھی اس وزن کا لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ دیا کرے۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد مگر در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔

نیز اسی حدیث من کنت مولاہ کے اخیر میں بروایت امام احمدؒ ابو یعلی اور طبرانی کے یہ الفاظ بھی ہیں: اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ یعنی حضور نے بعد فرمانے من کنت مولاہ کے یہ بھی فرمایا کہ اے اللہ جو علی سے محبت کرے اس سے محبت کر۔ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے دشمنی کر اور اس کو مبغوض رکھ۔

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خلافت کے متعلق وصیت نہ فرمائی تھی۔ بلکہ اخلاص اور محبت کے متعلق تھی۔ جو ہم کو بھی منظور ہے۔ کیونکہ موالات کے مقابلہ میں آپ نے معادات کا لفظ فرمایا ہے۔ پس جو اس مقابلے کا مفہوم ہے وہ صرف اسی قدر رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں۔ جس پر ہمارا بھی صاد ہے۔

اس سے بڑھ کر قوی قرینہ بلکہ دلیل ان معنی کی کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد ان الفاظ سے صرف وصیت محبت تھی نہ وصیت خلافت واقعہ بیعت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ فداہ ابی وامی کے انتقال فرماتے ہی انصار مدینہ نے ایک الگ مجلس منعقد کر کے امیر بنانے کی تجویز کی جس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خبر سنتے ہی مع ابو عبیدہ امین امت کے وہاں برسر موقع پہنچے دیکھا کہ مباحثہ گرم ہے۔

انصار کا ارادہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے امیر مقرر ہو۔ ان صاحبوں کے سوال وجواب کرنے کرانے پر آخر انہوں نے یہ بھی کہا کہ

مِنَّا اَمِیْرٌ وَمِنْکُمْ اَمِیْرٌ۔ یعنی ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔

جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی پیش کی کہ

اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَیْشِ یعنی امارت اور امامت قریش ہی میں ہے۔

جب سب انصار کے روبرو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل پیش کی تو کسی کو اس سے انکار کی جرات نہ ہوئی۔ آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کے مقابلہ پر حدیث پیش کر کے ان کے دعوے کو توڑا۔ اسی طرح کسی صحابی نے انصار سے یا مہاجرین سے بلکہ اہل بیت میں سے یہ

حدیث کیوں پیش نہ کی۔ کہ آپ یونہی خلیفہ بنائے گئے ہیں۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے علی مرتضٰی کے لیے وصیت اور تاکید فرمائی ہوئی ہے۔ اور آپ دونوں (ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ) صاحبوں نے علی سے بیعت خلافت حضرت کی زندگی میں کی ہوئی ہے بلکہ مبارکبادیاں بھی دی ہوئی ہیں۔ پھر آپ کا کیا منصب ہے کہ آپ خلافت کے مدعی ہوں اور تو اور ائمہ اہل بیت اور خاندان بنی ہاشم نے بھی اس دلیل کو معلوم نہیں کیوں پیش نہ کیا حالانکہ ایسی قوی دلیل تھی کہ اس دلیل کے سامنے کسی کی چوں چرا چل ہی نہ سکتی کیونکہ ہزاروں آدمی اس کے گواہ موجود تھے لیکن جب حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ ہدی اور خاندان بنی ہاشم بلکہ مہاجرین و انصار سے کسی نے یہ حدیث اور واقعہ غدیر کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف بلکہ خلافت صدیقی کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت بلکہ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت بھی پیش نہ کیا۔ جب کہ کوئی امر مشکل نہ تھا۔ صرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ موقوف تھا۔ اور بالکل الگ دارالندوہ (کمیٹی گھر) میں صرف تینوں صاحب (عبدالرحمٰن، عثمان، علی) بیٹھے ہوئے تھے اس حدیث کا پیش کرنا کیا مشکل تھا۔ پس جب کہ کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ نہ کسی اپنے نے نہ بیگانے نے مہاجرین نے نہ انصار نے بلکہ نہ خود علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے تو معلوم ہوا کہ سب صحابہ نے مع اہل بیت اس حدیث من کنت مولاہ۔ سے یہی معنی سمجھے تھے جو ہم نے بیان کیے۔ نہ وہ جو شیعہ کا گمان ہے۔

اس مختصر سی تقریر سے شیعوں کی کل روایتوں کا جواب ہو سکتا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے بعض میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت امیر المومنین کا لفظ بھی آتا ہے۔ کیونکہ اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ روایات غلط ہیں یا مؤول۔ اس تقریر سے حضرت عمر فاروق و عثمان ذوالنورین و علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ خلافت کا مدار اس بات پر ہے کہ رعایا میں سے صلحاء لوگ خلیفہ منتخب کریں۔ یا خود خلیفہ اپنے نائب کو منتخب کر جائے اور بعد اس کے لوگ اس سے بیعت کر لیں۔ چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول نے انتخاب کیا اور سب لوگوں نے منظور کیا تھا اور باقی دونوں رعایا کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے مگر چونکہ اصل بحث سنی شیعہ صرف اس امر پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا حق خلافت تھا۔ جو ابوبکر وغیرہ نے

معاذ اللہ غصب کیا یا ابوبکر بھی خلیفہ برحق تھے۔ اس واسطے ہم نے اس جگہ مختصر طور سے اس امر پر بحث کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ بلافصل نہ تھے بلکہ جو کچھ ہوا یہی حق تھا۔

وراثت انبیاء علیہم السلام

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت ان کی اولاد اور دیگر ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتی بلکہ مثل صدقہ اور وقف مال کے ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ خلافت کے مسئلہ کے بعد سنیوں اور شیعوں میں معرکہ الآراء ہے۔ مگر ہم اللہ کے فضل سے اس کو ایسی عمدگی سے حل کریں گے کہ باید وشاید۔ ہمارے نزدیک شیعوں نے اپنی کتابوں اور روایتوں کی بھی پرواہ نہیں کی اور ناحق اس مسئلہ کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدگمان ہو گئے۔ کچھ تو خلافت کی آڑ میں کچھ اس مسئلہ کی پناہ میں یہ لوگ جملہ اصحاب کو عموماً اور صدیق کے دشمنوں کو خصوصاً ایسے الفاظ اور القاب سے یاد کیا کرتے ہیں کہ کسی ایماندار کو تو کیا کسی بھلے مانس آدمی کے بھی شایان شان نہ ہوں۔ خیر ان الفاظ کا دہرانا یا ان کا عوض لینا تو ہمارے رسالہ کے موضوع سے اجنبی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین میں سے کسی ایک کی بھی ہمارے طرز مضمون سے دل آزاری ہو۔ اس لیے ہم اپنے بھائیوں کے ظلم کا بھی اظہار نہیں کرتے۔

اس مسئلہ میں چونکہ ہمارا روئے سخن خاص شیعوں سے ہے اس لیے ہم ایک روایت اپنی اور ایک دو روایتیں ان کی بیان کریں گے۔

ہماری روایت اس دعویٰ کے متعلق صحیح بخاری کی حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے:

قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب الفرائض)

شیعوں کی حدیث اس بارے میں ہمارے اصول کلینی [1] کی (جو شیعوں کی مستند کتاب ہے) روایت موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

---

[1] یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے اصول کلینی میں آتی ہے اس لیے ہم نے مرفوع کے لفظ سے ترجمہ کیا ہے۔ (مصنف)

عن ابی عبداللہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلك ان الانبیاء لم یورثو درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا اخذ حظا و افرا۔

”علماء انبیاء کے وارث ہیں اس لیے کہ انبیاء اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے بلکہ صرف علم کی باتیں چھوڑ جاتے ہیں۔ جو شخص ان علمی باتوں میں سے کچھ حصہ لیتا ہے وہ بہت بڑا حصہ لیتا ہے۔“ (اصول کلینی۔ کتاب العلم)

پس ان دونوں متفقہ روایتوں سے جو امر ثابت ہوتا ہے وہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔ میں نے اس روایت کو بعض مشاہیر شیعہ علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن تعجب ہے کہ جو جواب انہوں نے دیا۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے بیان سے پہلے اس روایت سے ان کے کان آشنا ہی نہ تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ ایسے مسائل کا فیصلہ امام مہدی علیہ السلام ہی کریں گے۔ جس پر میں نے عرض کیا۔ بہت خوب! چشم ما روشن دل ما شاد۔

چونکہ یہ مضمون دونوں گروہوں کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اس لیے جو سوال اس پر وارد ہو گا۔ اس کے جواب دہ دونوں گروہ ہوں گے۔ پس اگر ہمارے جواب سوالات آئندہ کے اٹھانے کو کافی نہ ہوں تو شیعہ ہی کوئی جواب دیں۔ کیونکہ بموجب روایت کلینی ان کا اور ہمارا مذہب کا اس مسئلہ میں ایک ہی ہے یا ایک ہی ہونا چاہیے۔

ایک سوال اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تمام ایمانداروں کو خطاب کر کے فرمایا:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ. (الآیة)

یعنی اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکی کی نسبت لڑکے کا دگنا حصہ ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے خطاب سرور عالم فداہ ابی دامی کو بھی شامل ہوتے ہیں۔

پس آیت قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اولاد کو بھی تمام مسلمانوں کی طرح وراثت ملنی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت موصوفہ عام مخصوص البعض ہے۔ یعنی جس قدر اس کا عموم ظاہر میں معلوم ہو رہا ہے۔ اتنا مراد نہیں بلکہ اس میں سے بعض اقسام دونوں گروہوں (سنی شیعہ) کے نزدیک اس حکم سے باوجود شمول آیت کے خارج ہیں۔ چنانچہ حاشیہ پر ہم دونوں گروہوں کی کتب وراثت سے عبارت نقل کرتے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہے:

المانع من الارث اربعة الرق وافرا کان اوناقصا والقتل الذی یتعلق به وجوب القصاص أو الکفارة واختلاف الدینین واختلاف الدارین اما حقیقة کالحربی اوالذمی اوحکما کالمستامن اوالحربیین من دارین مختلفین۔

غلام خواہ مسلمان ہو۔ اور باپ کا قاتل اور مسلمان باپ کا کافر بیٹا (وغیرہ ذالک) باپ کے وارث نہ ہوں گے (سراجی و شرائع الاسلام)

حالانکہ آیت مرقومہ میں عام حکم ہے۔ پس جس طرح یہ اقسام آیت سے باوجود شمول کے خارج از حکم ہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے ورثاء بھی خارج ہیں کیونکہ انبیاء کی اولاد وارث مال نہیں ہوتی۔

دوسرا شبہ اس مضمون پر اس آیت سے کیا جاتا ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت سلیمان تک پہنچنے کا ذکر ہے۔ یعنی ورث سلیمان داؤد پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام سے وراثت پائی تو رسول اکرم ﷺ کے ورثاء (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ) کیوں وارث نہ سمجھے جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کو وراثت علمی ملی تھی۔ یعنی نبوت اور حکمت میں سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے تھے۔ نہ کہ مال واسباب میں علمی وراثت کے تو ہم بھی معتقد ہیں۔ اختلاف تو مالی وراثت میں ہے اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو اس کا ذکر ہی کیا ضروری تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے تو ان کے وارث ہونے میں اشتباہ ہی کیا تھا۔ جس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔ نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے اور بیٹے بھی تھے۔ پھر بالخصوص

حضرت سلیمان علیہ السلام کو وراثت مالی کیسے پہنچ گئی اور دوسرے محروم کیے گئے۔ ان وجوہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی علمی وراثت حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچی تھی نہ کہ مالی۔ پس ہمارا مذہب بروایت سنی اور شیعہ دونوں گروہوں کے معتبر کتابوں سے ثابت ہو گیا مزید تفصیل اس مسئلہ کی جلد ثانی تفسیر ثنائی حاشیہ نمبر ۸ میں دیکھو۔

اتباع سنت اور اجتناب بدعت

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ ہر مذہبی کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض ہے سر مو اس سے کمی بیشی جائز نہیں۔ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود کیا ہو اور نہ کرنے کی اجازت فرمائی ہو۔ نہ اصولاً نہ فروعاً وہ بدعت ہے خواہ اس کا شیوع اس وقت تمام عالم میں ہو۔ خواہ حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا واکراما میں ہو۔ خواہ اس کے موجد ہندی ہوں یا حجازی، عربی ہوں یا عجمی، گو اس مسئلہ پر مسلمانوں کے روبرو دلیل پیش کرنی کچھ ضروری نہیں۔ مگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے جہاں مسئلہ توحید ان میں مختلف فیہ ہو رہا ہے۔ اتباع سنت بھی معرکۃ الآرا بن رہا ہے۔ اس لیے محض اپنے مدعا کے اثبات کے لیے مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف میں تو کئی ایک آیات ہیں جن کا صریح حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال اختیار کرو۔ بلکہ یوں کہیے کہ تمام قرآن شریف اسی ہدایت سے بھرا پڑا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا. (سورہ احزاب ع ۳)

جو لوگ اللہ پر اور پچھلے دن (قیامت) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت ذکر کرتے ہیں ان کے لیے اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عمدہ نقشہ ہے۔

احادیث بھی ان معنی کی کثرت سے ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے دین میں ایسی کوئی نئی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں تو وہ عمل اللہ کی جناب میں مردود ہے۔

قرآن شریف کا صریح حکم ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. (سورہ النساء ع ۹)

جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں رسول اللہ ﷺ کے تابع نہ ہوں گے۔ کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کو اتباع سنت کا اہتمام سب سے زیادہ تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ جیسے بزرگ بھی یہی خواہش بلکہ آرزو کرتے تھے کہ اشاعت سنت کی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"الحال آرزوئے نماندہ است الا آنکہ احیاء سنت از سنن مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ و التسلیمات۔ نمودہ آید۔ (مکتوبات جلد اول مکتوب ۴۷)

پھر اسی جلد کے مکتوب ۴۲ شیخ درویش کو ارقام فرماتے ہیں۔

"بہترین مصقلہا از برائے زدودن زنگ محبت مادون حق سبحانہ از برائے حقیقت جامعہ قلبیہ متابعت سنت است۔"

ایسا ہی مولانا محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ قدس اللہ سرہ بھی اتباع سنت کی تاکید فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اجعل الكتاب والسنة امامك وانظر فيهما واعمل بهما ولا تغر بالقال والقيل والهوس قال الله تعالى ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب واتقوا الله ولا تخالفوه فتتركوا العمل بما جاء به وتخترعوا لانفسكم عملا و عبادة كما قال الله جل و علا

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنا امام بناؤ اور اس پر غور و فکر کرو اور ان کے مطابق عمل کیا کرو اور ادھر ادھر کی قیل و قال اور بے ہودہ ہوس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "جو تم کو رسول دیوے وہ مضبوط پکڑو اور جس سے منع فرما دے اس سے ہٹ رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سخت عذاب والا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔ ایسی کہ

فی حق قوم ضلوا عن سواء السبیل و رھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم ثم انہ زکی نبیہ علیہ السلام و نزھہ من الباطل فقال وما ینطق عن الھوی ان ھوا لا وحی یوحی ای ما اتکم بہ من عندی لا من ھواہ ونفسہ فاتبعوہ ثم قال قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ فبین ان طریق المحبۃ اتباعہ ﷺ قولا و فعلا۔ (فتوح الغیب مقالہ ۳۶)

جو تعلیم اس کا رسول تمہارے پاس لایا ہے اسے چھوڑ کر اور قسم کی عبادتیں اپنی طرف سے نکالنے لگ جاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہ قوم عیسائیوں کے حق میں فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی۔ جو ہم نے ان پر نہ لکھی تھی۔ پھر اپنے رسول علیہ السلام کی پاکی بیان کی اور باطل سے اس کا الگ ہونا بتلایا۔ چنانچہ فرمایا کہ ہمارا رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ اس کا بول تو ہماری وحی ہے یعنی جو کچھ وہ تمہارے پاس لایا ہے۔

وہ میرے پاس سے لایا ہے نہ اپنی خواہش سے اس نے کہا ہے پس اس کا اتباع کرو۔ پھر اللہ نے فرمایا اے رسول علیہ السلام تو ان سے کہہ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ پس صاف بتلا دیا کہ اللہ کی محبت کا طریق اس کے رسول کا اتباع ہے قول اور فعل میں۔"

حضرت موصوف نے نہ صرف اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے بلکہ اس بات سے بھی ڈرایا ہے کہ کوئی کام از قسم عبادات ایسا نہ نکالنا چاہیے جو سنت نبویہ نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث قبروں پر عرس کرنے کو بدعت جانتے ہیں۔ (بشرطیکہ کسی قسم کی استمداد و استعانت اہل قبور سے نہ ہو ورنہ شرک ہو جائے گا) اور آج کل کے رسمی مولود کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی جس طریق سے کی جاتی ہیں نہ ان کو باعث ثواب یا مطابق سنت جانتے ہیں اس لیے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں اس ہیئت کی مجلسیں نہ ہوتی تھیں۔ اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ نے اپنے تولد کے ذکر پر قیام کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام نے کہا۔ بلکہ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں بھی اس کا رواج نہ ہوا۔ اس کے جواب میں ہمیں طرح طرح کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔ جن

سے صاف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے بھائی ہمارا مطلب نہیں سمجھتے اسی لیے ہم نے حضرت پیران پیر جیلانی کی عبارت نقل کی ہے پس جو کچھ اس عبارت سے مفہوم ہے وہی اہل حدیث کا مذہب ہے ایسی مجالس کے انعقاد کی بابت ہم سے کہا جاتا ہے کہ مطلق ذکر الٰہی جب شرع میں ثابت ہے تو مجلس مولود میں کیا قباحت ہے یہ بھی ذکر الٰہی ہی کی مجلس ہے قیام کی بابت اللہ نے فرمایا ہے:

لِتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ. یعنی مسلمانو! تم رسول پاک کی تعظیم وتکریم کرو۔

رسول اکرم ﷺ کے تولد کے ذکر پر کھڑا ہونا حضرت کی تعظیم ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے جب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہے تو پھر کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پڑھنے میں کیا حرج ہے۔

ان سب امور کا جواب یہ ہے کہ گو (بالفرض) مجلس مولود میں تمام ذکر ہی ہوتا ہے مگر چونکہ اس قسم کی مجلسیں نہ زمانہ رسول پاک میں اور نہ زمانہ صحابہ میں منعقد ہوتی تھیں اس لیے سنت نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ اس قسم کی تعظیم حضور نے سکھائی ہے اور نہ صحابہ نے (جو حضور کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام تعظیم کی قسم سے نہیں بلکہ بدعت ہے۔ علاوہ اس کے مجلس مولود کا سراسر ذکر الٰہی پر مشتمل ہونا بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا ایک جزو اعظم قیام ہے۔ جس کی کوئی سند اور اصل شرع میں نہیں بے شک کتاب اللہ میں کھڑے بیٹھے لیٹے سب طرح ذکر کی اجازت بلکہ حکم ہے مگر یہ تو نہیں کہ ایک حالت پر ذکر کر رہے ہو۔ تو ایک خاص موقع پر پہنچ کر اس حالت پر سے دوسری حالت کو انتقال کر جاؤ۔ اس انتقال کی اگر کوئی وجہ شرعی ہے تو وہ بتلاؤ ورنہ بلا وجہ شرعی کسی کام کو موجب ثواب جاننا ہی بدعت ہوتا ہے۔ یعنی جس کام کو شریعت نے ثواب نہ کہا ہو اسے ثواب سمجھنا پس یہی بدعت ہے۔ پس بر وقت ذکر ولادت سرور کائنات قیام میں دست بستہ ہو جانا کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟ علاوہ اس کے جس نیت سے کھڑے ہوتے ہیں وہ بھی خاص غور طلب ہے۔ اس وقت کھڑے ہونے والوں کی نیت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح پر فتوح اس مجلس میں آئی ہے۔ چنانچہ اس وقت سب کے سب درود بصیغہ مخاطب دست بستہ

(الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ) پڑھنے لگ جاتے ہیں یہ نیت وخیال سراسر حاضر ناظر جاننے کے برابر ہے۔ یہ صریح شرک ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

پس جب کہ مولود میں جز واعظم قیام ہے اور وہ بالکل بے ثبوت امر ہے جس کو ثواب سمجھا جاتا ہے تو مجموعہ مجلس میلاد جو ایسے جزو بے ثبوت بلکہ بدعت پر مشتمل ہے اگر اس میں کچھ بھی خرابی نہ ہو تو یہی خرابی بہت ہے کہ اس کا جز واعظم بدعت بلکہ بعض وجوہ اور فاعلین کی نیت سے شرک ہے۔ تعجب ہے کہ بعض علماء [1] اس قیام کو بے ثبوت تو مانتے ہیں۔ مگر پھر بھی بایں لحاظ کہ حرمین شریفین کے علماء کرتے ہیں اس کو بدعت کہنے سے خاموش رہتے ہیں۔ بلکہ اس کے مستحسن ہونے کے قائل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی کتاب صاف ناطق ہے کہ مسائل شرعیہ میں کسی شخص کو منصب شریعت نہیں۔ ہر ایک امتی کا یہی منصب ہے کہ رسول علیہ السلام کی چال چلے۔ حرمین شریفین والے بھی اسی طرح شریعت کے مکلّف اور مخاطب ہیں۔ جس طرح ہند اور سندھ والے ایسے ہی مواقع کے لیے صاف ارشاد ہے:

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ (اعراف)	اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت پر چلو اور اس کے سوا اور دوستوں کی بات نہ مانو۔

یہی وجہ ہے عالی مقام جناب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حرمین شریفین کے علماء کا اجماع حجت نہیں مانا۔ چنانچہ اصول فقہ کی ہر ایک کتاب میں یہ مسئلہ مصرح ہے پس اگر کسی متبرک مقام کے لوگ کوئی فعل کریں اور اس کا ثبوت شرع سے نہ دے سکیں تو وہ بھی ہمارے مخاطب ویسے ہی ہیں جیسے ہندی اور سندھی۔ ہم تعلیم قرآن وحدیث کسی امتی شخص میں یہ قابلیت نہیں مانتے کہ اس کا قول وفعل بلا دلیل شرعی سند اور حجت ہو۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے کہ بغیر اجازت شرعی کے وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے دیکھو تو درود شریف کا پڑھنا جو بموجب تعلیم قرآن وحدیث سراسر بموجب برکت ہے۔ بعض جگہ اسی درود کے پڑھنے سے سب علماء سلف نے منع فرمایا ہے۔ مثلاً نماز کے پہلے قعدہ (التحیات) میں اگر درود کا ایک جملہ بھی پڑھ لے گا تو سجدہ سہو لازم آجائے گا۔

[1] جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی مرحوم دیکھو فتوی مندرجہ کتاب رحمت للعالمین۔ مطبوعہ چشمہ نور امرتسر۔ (مصنف رحمۃ اللہ علیہ)

حالانکہ قرآن وحدیث سے درود پڑھنے کی فضیلتیں بے انتہا ثابت ہیں۔ پھر کیوں سجدہ سہو لازم آیا؟ صرف اس لیے کہ بے اجازت شرع پڑھا گیا شیخ سعدی مرحوم نے کیا ہی سچ فرمایا ہے۔

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست　　　اگر خوں، بفتوے بریزی رواست

یہی وجہ ہے کہ علماء محققین حنفیہ بھی مولود کی مجلسوں کو بدعت جانتے ہیں۔ منجملہ ان کے علماء گنگوہ' سہارن پور' دیوبند' مراد آباد' امروہہ' علماء دہلی' لکھنؤ' راولپنڈی [1] وغیرہ حنفیہ کرام میں سے اس کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔ غرض مختصر یہ کہ اہل حدیث کسی امر کو بغیر اطلاع شرعی کے موجب ثواب نہیں جانتے۔ ان کے خیال پر بعض سادہ لوحوں کی طرف سے ان گنت سوال ہوتے ہیں۔ گو دراصل وہ سوال ہی اپنے جواب ہیں۔ اور وہ سائل کی بے سمجھی اور لاعلمی پر بین دلالت کرتے ہیں۔ مگر بعض لوگ ایسے سائلوں سے بھی سادہ لوحی میں بڑھے ہوتے ہیں۔ ان کے سمجھانے کو ایسے سوالوں کے جوابات ہم ذکر کرتے ہیں۔

پہلا سوال: جس کو بہت ہی بڑی رنگ آمیزی سے بیان کیا جاتا ہے یہ ہے کہ تم (اہل حدیث) قرآن شریف کا ترجمہ دیسی زبان میں کیوں کرتے اور پڑھتے ہو کس حدیث میں آیا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ اردو' فارسی' پنجابی زبانوں میں نبی اکرم ﷺ نے کیا ہے۔ یا کوئی تفسیر عجمی زبان میں لکھی یا لکھائی؟ اس کا جواب مختصر تو یہ ہے کہ "تو آشنائے حقیقت نئی خطا اینجاست" اردو فارسی وغیرہ میں قرآن شریف سمجھنے کی اجازت بلکہ حکم صاف خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

ہم نے یہ بابرکت کتاب اسی لیے نازل کی ہے کہ لوگ اس کے حکموں پر غور کریں اور عقل منداس سے نصیحت پائیں۔

پس جب قرآن مجید کا نزول ہی ہمارے تدبر اور سمجھنے کے لیے ہے تو دیسی زبان میں ترجمہ کیے بغیر ہم کیوں کر سمجھ یا سمجھا سکتے ہیں۔

---

[1] ضلع راولپنڈی کے علماء سے مراد مولانا حضرت دین محمد المعروف ملا صاحب ہے ہمارے شہر امرتسر کے علماء حنفیہ جن کے خدام ہیں۔ (مصنف رحمۃ اللہ علیہ)

اصل یہ ہے کہ بعض احکام شریعت میں بطور اصل مقصود کے قرار دیے جاتے ہیں۔ ان کے ذرائع پر نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ جو کچھ مناسب حال اور لائق مقام ذریعہ ان کے حصول کے بن سکے بنا لیا جاتا ہے۔ مثلاً جہاد یا حج وغیرہ کے سفر کو جانا تو شرع میں ثابت ہے مگر اس امر کی خصوصیت نہیں کہ کس سواری کے ذریعہ سفر ہو۔ اونٹوں کے ذریعہ یا گھوڑوں کے یکے یا ریل سے۔ کیونکہ یہ سب اسباب ہیں جو مناسب حال ہو اسے برت لینا چاہیے۔ ایسا ہی شریعت میں کفار کے غلبہ اور مزاحمت فی الدین کے وقت جہاد کرنے کا حکم ہے۔ مگر اس امر کی کوئی خصوصیت نہیں کہ نیزوں سے ہو یا تلواروں سے جو زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اسباب جنگ تھے۔ بلکہ مناسب حال جو ہتھیار ملے بندوق ہو۔ یا توپ نیزہ ہو یا تلوار اسی طرح فہم مطالب قرآنی کو سمجھنا چاہیے کہ اصل مطلب قرآن شریف کا سمجھنا ہے۔ اس کے ذرائع کی تخصیص نہیں علی ہذا القیاس اور بھی جتنے اعتراضات ہیں اسی قسم سے ہیں پس ان سب کے جوابات اسی اصول سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

مولود شریف اس قسم سے نہیں کیونکہ وہ (بقول حامیان مولود) ذکر ہے اور اس ذکر کی بابت خاص ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ۔	اللہ کا ذکر کرو۔ مگر اس طریق سے کرو۔ جو طریق اس نے تم کو سکھایا ہے۔ اس سے پہلے بھی تم گمراہ تھے۔

پس جس طرح اور جس طریقے سے شریعت مطہرہ نے ہمیں ذکر کرنا سکھایا ہے اسی طریق سے ہم کریں گے۔ تو ثواب کے مستحق ہوں گے۔ ورنہ نہیں۔

قبور پر عرس وغیرہ کرنے سے تو صاف منع فرمایا ہے۔ فوت ہونے کے وقت آخری وصیت حضور نے یہ فرمائی تھی کہ

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ۔	میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔ میری قبر کو بت کی مانند معبود نہ بنانا۔

یہی وجہ ہے کہ حامیان عرس ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتلا سکتے کہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل التحیہ والصلوات کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ نے باوجود اس محبت خالصہ کے جس کا عشر

عشیر تو کیا ہزارواں حصہ بھی حامیان عرس کو ان بزرگوں سے نہ ہوگا۔ جن کی قبروں پر عرس کرتے ہیں۔ کبھی ایک دفعہ بھی مزار مقدس پر عرس کیا ہو۔ پھر ہمارے لیے کیسی شرم کی بات ہے کہ جو کام نہ تو رسول پاک ﷺ نے اپنے حق میں فرمایا ہو نہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے جو معاملہ کیا۔ وہ ہم اولیاء اللہ اور ان مزاروں سے کریں۔ یہ تو ابھی سرسری نظر محض عرس کے اجتماع اور ازدحام پر ہے اور اگر وہاں کے تفصیلی حالات دیکھے یا سنے جائیں تو یوں معلوم ہوگا کہ مکہ شریف زادھا اللہ شرفا و تعظیما۔ میں جس خرابی کی اصلاح کے لیے خدا نے سید الانبیاء کو مبعوث فرمایا تھا اس خرابی سے زائد نہ ہوگی۔ عموماً قبروں پر طواف کیے جاتے ہیں۔ منتیں مانی جاتی ہیں۔ سجدے اور رکوع قبروں پر کیے جاتے ہیں۔ خاکسار راقم کو اپنا چشم دید واقعہ یاد ہے۔ میں ایک دفعہ ایام طالب علمی میں بغرض تحقیق اس امر کے دیوبند سے رڑکی پیران کلیر کے مزار پر گیا۔ مزار کے گنبد کے اندر جاتے ہی میں نے ایک شخص کو سربسجود دیکھا۔ دل میں بہت گھبرایا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ دریافت کیا تو جواب ملا کہ یہ شخص چراغ جلانے کے لیے ہر روز اسی طرح اجازت لیا کرتا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اتنے میں نماز مغرب کی اذان ہوئی۔ بعد نماز تمام خدام نے مزار کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا۔ پھر ایک ایک پھیرے کے بعد ایک موقع پر پہنچ کر سب رکوع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سات طواف پورے کیے۔ میں امام صاحب کی تاک میں تھا۔ وہ ایک خاص مقام پر دو زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ بعد کچھ مدت کے انہوں نے قبر کی طرف سجدہ کر دیا۔ میں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنی نماز کا تو اعادہ کیا۔ اور غضب الٰہی کے خوف سے راتوں رات وہاں سے اٹھ بھاگا۔ میرے اس بیان میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں۔ کمی ہو تو ہو۔ جس کسی کو شبہ ہو۔ وہ ایسے مزاروں پر عرس کے دنوں میں خود جا کر ملاحظہ کر سکتے ہیں علاوہ اس کے قبروں کی عالی شان عمارتیں ان کے غلاف جھاڑ، قندیل وغیرہ سامان عشرت کے کیا کہنے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خاص اس کام کے لیے مامور فرمایا تھا جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو اونچی قبر دیکھے اس کو برابر کر دے جو تصویر دیکھے اس کو مٹا دے۔ فقہائے حنفیہ نے بھی ایسی عمارات کو سخت ناپسند کیا ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالابد میں فرماتے ہیں۔

"آنچہ بر قبور اولیاء عمارتہائے رفیع بنا میکنند و چراغاں روشن میکنند و ازیں قبیل ہر چہ میکنند۔ حرام است یا مکروہ۔"

اسی طرح تمام فقہائے حنفیہ نے اس پر ناراضگی فرمائی ہے۔ من شاء فلیرجع الی کتبھم۔

اہل حدیث کے اس بیان کے مقابل حامیان عرس وغیرہ آیت حدیث تو کیا ہی پیش کریں گے۔ ولن یفعلوا البتہ کسی نہ کسی غیر مستند صوفی و صلی کے اقوال و افعال کا ذکر کریں تو ممکن ہے۔ لیکن اہل حدیث و نیز کل علماء راسخین کے نزدیک ایسے استدلالات کے جوابات وہی ہیں جو شیخ سعدی مرحوم نے ایک بیت میں ادا کر دیے ہیں۔

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نہ رہی
این ست جو ابش کہ جو ابش نہ دہی

اہل حدیث کی بھی یہی باتیں اور دلیلیں ہیں جن سے لاجواب ہو کر ہمارے بھائیوں کی طرف سے ان کے حق میں منکرین اولیاء کے القاب بخشے جاتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کو بزرگوں سے بے اعتقادی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسی بے اعتقادی کے مقابلہ میں حامیان بدعت کی حسن اعتقادی بجوئے نیرزد (کوڑی کے کام کی نہیں)

نذر لغیر اللہ

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ جو چیز غیر اللہ کے لیے نذر کی جائے وہ حرام ہے۔ اس مسئلہ میں چونکہ اہل حدیث اپنے بھائیوں سے منفرد نہیں بلکہ حنفیہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے۔ فرق صرف تھوڑا سا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس لیے ہم یہاں پر نذر لغیر اللہ کے معنی اور تفصیل علماء دہلی کی عبارات میں بتلاتے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں زیر آیت وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ فرماتے ہیں:

"مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق اس جانور میں واسطے غیر اللہ کے خواہ تو وہ غیر بت ہو یا روح خبیث جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں اور خواہ کسی جن کے نام خواہ پیر و پیغمبر کے

نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے اور وقت ذبح کے اللہ کا نام لے یا نہ لے اس واسطے کہ جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے۔ تو وقت ذبح کے اللہ کا نام مفید نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام اللہ کے مر گیا ہے اور یہ جانور غیر اللہ کے نام پر مارا گیا۔

اور عین شرک ہے اور جب کہ یہ خبث موثر ہوا تو ذکر نام اللہ اس کو حلال نہیں کر سکتا جیسے کہ کتا اور سور کہ نام اللہ لے کر بھی ذبح کیے جائیں حلال نہ ہوں گے۔"

پھر اس شبہ کا جواب دیا ہے جو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰه کے معنی ہیں کہ جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جائے اس کے ذبح کرنے پر غیر اللہ کا نام لیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اھل کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت عرب اور عرف ہے۔ ہ "اہلال" لغت عربی اور عرف اس ملک میں بمعنی ذبح کے نہیں آیا۔ کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ ہ "اہلال" لغت عرب میں بمعنی آواز اور شہرت دینے کے ہے جیسے آواز طفل نو اور شہرت چاند اور بمعنی آواز حج اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے اگر کوئی کہے اهللت لله ہرگز بمعنی ذبحت لله نہ سمجھا جائے گا۔"

تفسیر نیشا پوری میں لکھا ہے کہ تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ "اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور ارادہ ذبح سے تقرب الی غیر اللہ رکھے تو وہ آدمی مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔"

مولانا نواب قطب الدین صاحب مرحوم نے مظاہر الحق جلد سوم باب الایمان والنذور میں اس سے بھی کسی قدر وضاحت سے لکھا ہے فرماتے ہیں:

"حاصل یہ کہ جو کچھ کہ لوگ نذر بزرگوں کی از راہ نزدیکی حاصل کرنے کے ان سے یا

اوپر برآنے ایک کام کے متعلق کر کے کرتے ہیں۔ بموجب روایات مرقومہ الصدر [1] کے وہ نذر نا جائز اور کھانا اس کا ناروا ہے اور جو کچھ کہ نیاز ان کی نہ بطور نزدیکی حاصل کرنے کے ان سے اور نہ متعلق ساتھ کسی کام کرتے ہیں بلکہ اول اس چیز کو ازارہ نزدیکی حاصل کرنے کے اللہ تعالیٰ سے دیتے ہیں اور ثواب اس کا کسی بزرگ کو بخشتے ہیں کھانا اس کا اغنیاء کو درصورت کہ نیت پہنچانے ثواب صدقہ ما کولی کی کسی بزرگ کو جائز نہیں۔“

پس جو کچھ ان دونوں بزرگوں کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے وہی اہل حدیث کا مذہب ہے یعنی ان صدقات و نذرات کا دینے والا اگر اس خیال سے دیتا ہے کہ یہ بزرگ مجھے کچھ فائدہ پہنچائیں گے یا میری کوئی بلا ٹال دیں گے تو ایسے صدقات کا کھانا حرام ہے۔ اور ان صدقات کو قبول کرنے والا اللہ کو جانے اور یہ نیت کرے کہ میں یہ کام فلاں بزرگ کی طرف سے کرتا ہوں تاکہ اس کا ثواب اس بزرگ کو پہنچے تو یہ جائز ہے یہاں تک تو ہمارے بھائیوں کا اور ہمارا اتفاق ہے لیکن تنقیح طلب بات صرف یہ ہے کہ آج کل جو صدقات خیرات اس قسم کے دیے جاتے ہیں جن میں بزرگوں کا نام آتا ہے آیا وہ قسم اول سے ہیں یا دوم سے؟ پھر بعد تحقیق قرائن سے جو کچھ معلوم ہوگا فریقین کا اسی پر عمل ہوگا۔ اہل حدیث کی تحقیق میں (جو بالکل قرائن صحیحہ بلکہ دلائل قویہ پر مبنی ہے) کچھ شک نہیں کہ ایسے صدقات دینے والوں کی نیت عموماً یہی ہوتی ہے کہ یہ بزرگ ان کو قبول کر کے ہمیں کوئی فائدہ پہنچادیں گے۔ یا ہم سے بلا ٹال دیں گے۔

اس کی قوی دلیل اور نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے صدقات اور خیرات دیتے وقت عموماً ایسے ختمات پڑھتے ہیں جن میں صاف اور صریح لفظوں میں ان بزرگوں سے دعائیں اور التجائیں کی جاتی ہیں چنانچہ ان میں سے بعض الفاظ یہ ہیں۔

[1] نواب صاحب نے اس بیان سے پہلے کئی ایک روایات فقہ حنفیہ نقل کی ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں (مصنف رحمۃ اللہ علیہ)

ختم حضرت علیہ السلام

شیئاً للہ [11] یا حضرت سید العرب والعجم مشکل کشاء بالخیر فریاد یا حضرت احمد!

شئی اللہ اے حضرت اللہ کے لیے کچھ دیجیے۔ قطع نظر اس اجمالی بلکہ اجمال کے کہ اس سوال سے کوئی معقول امر مفہوم نہیں ہوتا یعنی نہیں سمجھا جاتا کہ سائل کیا چیز مانگتا ہے اس لفظ کی بابت درمختار باب المرتد میں لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے ان کو کلمہ کفر کہا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہتک ہے علاوہ اس کے یہ حکم بھی صرف اس صورت میں ہے کہ زندے سے سوال ہو لیکن جس صورت میں مخاطب بھی فوت ہو جو سنتا بھی نہیں اس سے ایسا سوال کرنا تو دو وجہ سے کفر ہوگا ایک یہ وجہ جو صاحب درمختار کی مراد ہے دوسری وجہ جو اللہ نے فرمائی ہے یعنی ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم یعنی جن لوگوں سے تم دعا کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح آدمی ہیں وہ تمہاری دعا بھی نہیں سن سکتے۔ اگر سنیں بھی تو قبول نہیں کر سکتے۔

در خانہ اگر کس است یکحرف بس است

ایسے ختمات کے ناجائز بلکہ کفر اور شرک ہونے پر محققین علماء حنفیہ اہل حدیث سے متفق ہیں۔ چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور علمائے دیوبند کا فتویٰ اس جگہ ہم درج کرتے ہیں جو یہ ہے۔

السوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ کہ کسی بزرگ سے امداد طلب کرنا مثلاً وظیفہ پڑھنا۔

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر

یا کسی ولی کو مخاطب کر کے شیئاً للہ پڑھنا مثلاً یوں کہنا۔

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند المدد خواہم زخواجہ نقشبند

یا یوں کہنا۔

شیا للہ چوں گدائے دلحزیں المدد خواہم زشاہ نوردیں

خزیدی یا شاہ جیلاں خزیدی شیا للہ انت نور احمد!

وغیرہ ہیچو قسم وظائف اور ختمات پڑھنے جائز ہیں یا منع؟ بینوا وتو جروا

الجواب: اس قسم کے درود وظائف اگر ان بزرگوں کو حاظر و ناظر جان کر اور قادر و متصرف اعتقاد کر کے پڑھے جائیں تو صریح کفر اور محض شرک ہیں اور اگر اس اعتقاد سے نہ پڑھے جائیں صرف ان الفاظ و کلمات کی تاثیر و خاصیت کا اعتقاد ہو تب بھی گناہ ہے فقط واللہ اعلم (بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ) الجواب الصحیح بندہ محمود عفی عنہ (مولانا محمود الحسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند) الجواب الصحیح بندہ مسکین محمد لیس عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند الجواب الصحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ الجواب الصحیح بندہ محمد مرتضیٰ حسن مدرس مدرسہ دیوبند الجواب الصحیح احقر الزمان گل محمد خان عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند

ختم حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خذیدی یا شاہ جیلان خذیدی شیء اللہ انت نور احمد خذیدی شیءاللہ یا حضرت سلطان شیخ عبدالقادر جیلانی محی الدین مشکل کشا بالخیر۔

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر

ختم حضرت نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند المدد خواہم زخواجہ نقشبند

ختم حضرت مخدوم صاحب کشمیری

سلطاں مرا خرم کند' سلطان مرا بے غم کند' سلطاں برآرد کارِ ما!
سلطاں بداند حالِ ما۔ آساں کند دشوارِ ما۔ یا شیخ حمزہ پیر ما!

ختم حضرت شیخ نورالدین مرحوم کشمیری

شیئاً للہ چوں گدائے دل حزیں المدد خواہم زشاہ نور دیں

ختم حضرت امیر کبیر مرحوم کشمیری

شیءاللہ یا حضرت شہنشاہ ولی علی ثانی المدد

ان کے علاوہ کئی ایک قسم کے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ سے اظہار مدعا کیا جاتا ہے۔ ناظرین مشتے نمونہ از خروارے انہی کو سمجھیں۔ پس یہ الفاظ اس بات کی صاف دلیل ہیں کہ ان قائلوں کا خیال ہے کہ ان بزرگوں کو نفع و نقصان رسانی پر قدرت ہے پس یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ایسے صدقات دینے سے ان کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ یہ بزرگ ہماری حاجت روائی کر دیں گے چنانچہ الفاظ مذکورہ بالا کا صریح مضمون ہے۔ گو ان ختمات میں اللہ کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھی پڑھتے ہیں مگر صرف درود پڑھنے سے اس نیت کا عدم نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امریء ما نوی۔ یعنی ہر عمل کا بدلہ نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی

ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جب کہ فاعلین کی نیت صاف اور صریح لفظ سے ظاہر ہو رہی ہے تو اب کسی ملا یا مولوی کی اصلاح کہاں چل سکتی ہے؟ بلکہ تاویل الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کی مصداق ہے افسوس کہ بعض بھائی صرف اس خیال سے کہ ایک تو اس قسم کی دعوتوں سے محروم رہیں گے نیز ان کے چھوڑنے سے لوگوں میں وہابی مشہور ہو جائیں گے۔ باوجود ایسے کلمات کو ناجائز اور ایسے کھانوں کو حرام جاننے کے پرہیز نہیں کرتے۔ حالانکہ قرآن شریف ایسی استمدادوں کا صریح رد کرتا ہے بلکہ یوں سمجھیے کہ ایسی استمدادوں ہی کے رد کرنے کو قرآن نازل ہوا تھا۔ جو اس قسم کے کھانوں کو کھلے لفظوں میں حرام بتلاتا ہے اور تمام ائمہ دین اور علماء حنفیہ اعلام ان کی حرمت کے قائل ہیں مگر ہمارے بھائیوں کا یہ طریق ہے کہ ان کی مسجدوں میں ایک شخص تو سنت سمجھ کر آمین بالجہر کہہ دے اور دوسرا شخص بعد نماز گیارہ قدم مار کر حضرت پیر سے دعا استمداد کرے جو صریح شرک ہے۔ بیچارے آمین کہنے والے کی تو گت ہو جائے گی مگر دوسرے کو کسی کی مجال نہیں کہ کچھ کہے حالانکہ آمین حنفی مذہب میں سنت نہیں تو حرام یا مفسد صلوۃ بھی نہیں خاص کر دوسرے شخص کے حق میں تو کچھ بھی حرج نہیں اکثر مجتہدین اور ائمہ حدیث اس کی سنیت کے قائل ہیں اور مخلوق سے دعا کرنی اور پھر مسجد میں بیٹھ کر کرنی صریح قران کے خلاف ہے قرآن میں صاف حکم ہے کہ

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ یعنی مسجدیں اللہ کے ذکر کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارا کرو۔

یہ ہے دونوں کا حکم اور یہ ہے ہمارے بھائیوں کا طریق عمل الی اللہ المشتکی

تقلید شخصی

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ دین کے اصول چار ہیں۔

(۱) قرآن' (۲) حدیث' (۳) اجماع امت' (۴) قیاس مجتہد سب سے مقدم قرآن شریف ہے پھر علی سبیل المراتب قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے علم لغت' قواعد صرف و نحو' علم معانی' بیان' اصول فقہ وغیرہ ذریعے ہیں جو مسئلہ قرآن و حدیث کے بطریق مذکورہ ہماری سمجھ ناقص میں نہ مل

سکے تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہو گا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ مل سکے۔ اس میں کسی مجتہد کا قیاس (بشرائط اصول فقہ جن کا ذکر آگے آتا ہے) قابل عمل ہوگا۔

ناظرین! یہ ہے وہ مسئلہ جس کی وجہ سے فرقہ اہل حدیث کے نام وہابی غیر مقلد' لامذہب وغیرہ وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ جس کا ہمیں کوئی افسوس نہیں کیوں کہ جو خفگی اور ناراضگی کسی فریق پر بے سمجھی سے ہوتی ہے وہ درحقیقت اس پر نہیں بلکہ خفا ہونے والے کی اپنی ہی ناقص سمجھ ہوتی ہے۔

کم من عائب قولا صحیحا وافتہ من الفھم السقیم

چونکہ یہ مسئلہ (تقلید) ہمارے اور ہمارے بھائیوں (مقلدین) میں حد فاصل ہے یعنی اسی مسئلہ پر دونوں گروہوں کی علیحدگی بمعنی اور متفرع ہے۔ اس لیے ہمارے خیال بلکہ حق تھا کہ ہم اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھتے۔ مگر افسوس کہ اس مسئلہ کی ہدایت اور ظہور ہمیں تطویل کلام سے مانع ہے۔ لیکن تاہم اس دعوی پر کسی قدر قرآن وحدیث اور مسلمہ اصول علماء سے ثبوت دیا جاتا ہے۔

قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے:

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ۔

مسلمانو! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم کو ملا ہے اسی کی تابعداری کرو اور اس کے سوا مذہبی امور میں اور کسی کی تابعداری نہ کرو۔

ایک مقام پر ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

یعنی اے ہمارے رسول تو ان سے کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو پس اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ان کے علاوہ سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ہیں جن میں حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ بس پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو۔ ایک حدیث بخاری میں ارشاد ہے: لو کان موسی

حیالما وسعه الا اتباعی۔ [1] (یعنی نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی تابعداری کرنے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ) چونکہ اصل اطاعت اور تابعداری اللہ نے اپنے رسول ﷺ ہی کی فرض کی ہے اسی لیے علماء کو اجماع اور قیاس کے حجت ماننے میں شبہات پیدا ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض تو ان دونوں کی حجیت سے انکاری ہی ہو گئے اور بعض جو قائل ہیں انہوں نے اس کی وجہ بتلائی کہ اجماع بھی وہی صحیح ہوگا جس کی بناء اور مدار کسی حدیث پر ہو اور قیاس مجتہد بھی وہی صحیح ہوگا جو کسی آیت یا حدیث کے مخالف نہ ہو بلکہ اسی سے مستنبط ہو اس لیے کہ کل اصولی قاطبتاً شرائط قیاس میں لکھا کرتے ہیں کہ۔

ان یتعدی الحکم الشرعی الثابت بالنص بعینه الی فرع هو نظیره ولا نص فیه۔

یعنی قیاس کی شرط یہ ہے کہ حکم شرعی بعینہٖ فرع (مقیس) کی طرف پہنچے جو اصل (مقیس علیہ) کی مثل ہو۔ اور اس میں دوسری کوئی نص نہ ہو۔ (دیکھو اصول شاشی حسامی، نور الانوار، توضیح، تلویح، مسلم الثبوت)

ان حوالہ جات کتب اصول سے جو امر مستنبط اور مفہوم ہوتا ہے پس وہی ہمارا مذہب ہے۔ یعنی جس مسئلہ میں آیت یا حدیث ہوگی اس میں مجتہد قیاس نہ کرے گا اور جس مجتہد کا قیاس کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ ہوگا اسی پر عمل کریں گے اور جس کا قیاس بتقاضائے شریعت خلاف ہوگا اسے متروک العمل جان کر عمل نہیں کریں گے اس لیے کہ کسی مجتہد کو بنفسہ منصب شریعت نہیں یعنی وہ ایجاد حکم نہیں کر سکتا بلکہ مجتہد کا منصب صرف یہی ہے کہ کسی آیت یا حدیث سے ایک مخفی راز کو جو عوام کی سمجھ میں نہ آئے ظاہر کر دے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] یہ حدیث علی الترتیب امام بیہقی اور دارمی کی روایت سے صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے۔ صحیح بخاری کا نام معلوم نہیں کیسے لکھا گیا ہے۔ مصنف سے یا کاتب سے بہرحال سہو ہوا ہے اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۶ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳، ۱۱ مئی ۱۹۳۴ صفحہ ۶ عبدالعزیز دیوبندی کے اعتراض کے جواب میں مولانا نے جواب دیا۔ (محمد داؤد ارشد)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (الایۃ) یعنی صبح کی دھاری نکلنے تک روزوں کی راتوں میں کھاتے رہو۔

اس آیت کا صریح اور صاف مضمون جو ہے وہ تو ظاہر ہے کہ صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔ مجتہد نے اس میں اجتہاد کر کے یہ مسئلہ نکالا کہ صبح ہوتے وقت اگر آدمی جنبی ہو تو روزہ میں کوئی خلل نہیں ہوگا کیونکہ جب صبح صادق کے ظاہر ہونے تک کھانے پینے اور ایسا ہی جماع کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو صبح صادق کی پہلی آن میں جب اس حکم کے مطابق آدمی جماع سے الگ ہوگا تو ضرور جنبی ہوگا کیونکہ اتنا وقت اس کو کہاں ملا کہ صبح صادق تک غسل کرے۔ اس نے تو جماع ہی صبح کے ہونے پر چھوڑا ہے پس ثابت ہوا کہ رات کے جماع سے صبح تک جنبی رہنا روزے میں نقصان نہیں لاتا۔

یہ ہے مثال اجتہاد کی اس میں مجتہد نے اپنی طرف سے کوئی بات داخل نہیں کی بلکہ ایک مخفی علم کو واضح کر دیا ہے جو عوام کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا۔ علماء اصول بھی قیاس کو اسی لیے صرف مظہر [1] مانتے ہیں یعنی ایک مخفی مسئلہ کو ظاہر کر دینے والا اور بس۔ پس جب مجتہد کو اصل منصب شریعت نہیں تو پھر اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مجتہد کے قول میں غلطی کا احتمال بھی ہے چنانچہ علماء اصول کا عام اصول ہے کہ

المجتهد [2] قد يصيب ويخطى۔ یعنی مجتہد کبھی اجتہاد کرنے میں مطلب صاف پا جاتا اور کبھی غلطی کر جاتا ہے

چنانچہ ائمہ مجتہدین کا اجتہادی مسائل میں اختلاف اس امر کا بین ثبوت ہے۔ پس جب مجتہدین کی رایوں میں اختلاف ہوا اور یہ بھی اہل تحقیق کے نزدیک مسلم امر ہے کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق بجانب ایک ہی ہے۔ تو نتیجہ صاف ہے کہ مجتہد میں بنفسہ قابلیت متبوع بننے کی نہیں بلکہ بشرط موافقت و مطابقت اصل متبوع (یعنی قرآن و حدیث) کے۔

---

[1] دیکھو نور الانوار صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ

[2] دیکھو نور الانوار صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ

پس یہی ہمارا مذہب ہے کہ ہم بعد پیغمبر ﷺ کے کسی شخص کو متبوع نہیں مانتے جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں کہ ہم کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہمارا عمل قرآن وحدیث پر ہے جس مسئلہ کو ہم صحیح جانتے ہیں اس لیے جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو غلط جانتے ہیں اس لیے جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا چنانچہ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ یعنی جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

نیز فرمایا

اترکو اقولی بخبر الرسول۔ یعنی میرا قول پیغمبر علیہ السلام کی حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دیا کرو۔

اسی وصیت کے مطابق امام صاحب کے شاگردوں نے ہمیشہ عمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور بھی آپ کے کئی جلیل القدر تلامذہ راز عموماً مسائل میں وہ استاد سے مختلف ہیں اور اس اختلاف کو آج تک کسی نے بری نظر سے نہیں دیکھا بلکہ متاخرین فقہاء بسا اوقات بلحاظ قوت دلیل شاگردوں کے اقوال کو مفتی بہ قرار دیتے ہیں جس کی تفصیل بتلانے کی حاجت نہیں۔

یہی تمام سلف وخلف کا مذہب تھا۔ اور یہی "اہل حدیث" کا طریق ہے جن کو دل دکھانے کے لیے وہابی یا غیر مقلد کہا جاتا ہے۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ اس موافقت اور عدم موافقت کی پہچان کس کو ہے؟ اور کون بتلائے گا کہ یہ حکم مجتہد کا صحیح ہے اور وہ غلط ہے آج کل کس کو یہ لیاقت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو علوم مذکورہ بالا (لغت' صرف ونحو معانی' بیان' تفسیر' حدیث' فقہ' اصول فقہ وغیرہ) میں واقفیت ہوگی وہ بتلائے گا جن عوام کالانعام کو خبر نہیں وہ اپنے وقت کے موجودہ علماء سے دریافت کر کے عمل کر لیں گے کیونکہ ان کو یہی حکم ہے:

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ "اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔"

پس وہ بیچارے عوام کالانعام جو علم سے بے بہرہ ہیں وہ انہی اپنے زمانہ کے علماء سے پوچھیں گے نہ مجتہدین متقدمین سے، مجتہدین سے پوچھیں تو آخر ان سے بلاواسطہ کیسے پوچھ سکیں؟ ان سے پوچھنا بھی یہی ہے کہ موجودہ علماء سے پوچھیں پھر بعد پوچھنے کے چونکہ مجتہد کا قول بذاتہ بدوں مطابقت حجت نہیں۔ علماء وقت سے اس قول کی مطابقت اور صحت دریافت کریں تو آخر سب کچھ علمائے وقت کے بتلانے پر موقوف رہا۔ اسی لیے فقہا نے لکھا ہے کہ

العامی لا مذھب لہ انما مذھبہ مذھب مفتیہ. (شامی جلد ۳ صفحہ ۱۹۶)

یعنی عوام کا اپنا مستقل کوئی مذہب نہیں بلکہ ان کا مذہب وہی ہے جو ان کے فتوی دینے والے کا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا بلکہ کل اہل اسلام کا یہی مذہب ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے منصب شریعت کسی کو نہیں صحابی ہو یا مجتہد یا تابعی ہو یا محدث سب کے سب اس میں مساوی الاقدام ہیں۔ سچ ہے۔

بابا کے ہاں سے کون لایا جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب و مقتدا ہے وہ بھی اسی در کا اک گدا ہے

البتہ علم اور فہم میں ان کے مراتب مختلف ہیں جو باریک مسائل معمولی علم والوں کی سمجھ میں نہ آئیں وہ مجتہد سمجھ سکتے ہیں مگر ایجاد حکم کا منصب ان کو نہیں۔ نیز یہ کہ امور منصوصہ میں اجتہاد کی ضرورت نہیں بلکہ جائز ہی نہیں۔ جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں اولاً نظر قرآن وحدیث پر ہو اور اگر قرآن یا حدیث سے کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو مجتہدین کے اقوال پر توجہ کی جائے جس مجتہد کا قول با قاعدہ شرعیہ و اصول حدیث و فقہ مدلل اور راجح معلوم ہو اس پر عمل کر لیا جائے اس میں کسی کی خصوصیت یا لزوم نہیں۔ یہی مذہب تمام سلف وخلف کا ہے نہ اس میں کسی امام کی ہتک ہے نہ معاذ اللہ کوئی سب وشتم ہے کیونکہ اگر کسی مجتہد کا قول چھوڑنے سے اس کی ہتک لازمی آتی ہو تو کوئی فرقہ اس ہتک سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین باقی اماموں کے اقوال کو چھوڑتے ہیں جس سے سب کی ہتک ان کو لازم آئے گی۔ علی ہذا القیاس باقی اماموں کے مقلد بھی اپنے اپنے اماموں کے سوا دوسرے اماموں کی ہتک کے مرتکب ہوں گے

بلکہ اس سے بھی ذرا اوپر چڑھیے ہم مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور قرآن و حدیث بھی اس پر ناطق ہیں کہ بمقابلہ آیت یا حدیث نبوی کے انبیاء سابقین کی تعلیم متروک ہے تو کیا اس میں ہم سب کے سب مسلمان انبیاء علیہم السلام کی ہتک اور توہین کرتے ہیں؟ ولم یقل به احدالا من سفه نفسه پس اسی طرح اس صورت کو سمجھ لینا چاہیے۔

ایک بڑا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اہل حدیث اگر کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتے تو آخر محدثین کی کرتے ہیں پس تقلید سے تو کوئی بھی نہ چھوٹا۔ کسی نے مجتہد کی تقلید کی تو کسی نے محدث کی۔ مگر بغور دیکھا جائے تو ایسے شبہات پیش کرنے والوں کا قصور نہیں قصور صرف یہ ہے کہ اہل حدیث کے مذہب سے ناواقف ہیں۔ جس پر یہ کہنا بے جا نہیں کہ! ''تو آشنائے حقیقت نۂ خطا ایں جاست''

تقلید اور قبول روایت میں بہت بڑا فرق ہے کوئی امام مجتہد یا محدث بلکہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی پیغمبر ﷺ سے کسی قسم کی روایت سنا دے اور وہ باقاعدہ علم حدیث سے صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا ماننا ضروری ہے۔ روایت کے قبول ہونے کے لیے مجتہد کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ یہی وجہ بھی ہے کہ راویان حدیث میں بہت سے غیر مجتہد ہیں بلکہ علماء اصول حنفیہ نے تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس جیسوں کو غیر مجتہد صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے (دیکھو نور الانوار حسامی وغیرہ) حالانکہ ان کی روایت سب کے نزدیک معتبر ہے وہی راوی جس کی حدیث کو بسر و چشم رکھا گیا تھا اگر کوئی مسئلہ اپنے فہم اور اجتہاد سے بتلاتا ہے تو اس کی سو طرح سے پڑتال ہوتی ہے پہلی تو یہ کہ آیا یہ قائل مجتہد بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس نے یہ استنباط کس حدیث سے کیا ہے۔ پھر یہ اس کا استنباط کسی نص شریعت کے خلاف یا کسی ایسی جگہ تو نہیں جس میں نص موجود ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس اگر تقلید اور قبول روایت دونوں ایک ہی ہیں تو اتنا فرق کیوں ہے؟ ہم لوگ روایت تو ہر محدث اور مجتہد کی قبول کرتے ہیں مگر روایت یعنی مجتہد اور محدث کے فہم کے پابند نہیں۔ الا انہی شرائط سے جو تمام علماء اصول نے لکھی ہیں اور اس میں ہم ہی متفرد نہیں۔ تمام علماء سلف ہمارے ساتھ ہیں۔

علاوہ اس کے اگر قبول روایت بھی تقلید ہے تو فیصلہ شد کیونکہ اہلحدیث اور مقلدین کا اس

مسئلہ میں اختلاف تھا کہ آیا ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے یا نہیں؟ مقلدین اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور اہل حدیث اس سے منکر ہیں لیکن مقلدین نے عملی طور سے ثابت کر دیا کہ وہ بھی تقلید شخصی نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ امام ابوحنیفہ کی تقلید کے علاوہ وہ امام بخاری، مسلم، ترمذی، شافعی، مالک وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی روایات کی روایت بھی تو مانتے اور قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ بقول معترضین قبول روایات اور تقلید میں کوئی فرق نہیں چنانچہ اسی بناء پر وہ اہلحدیث کو ائمہ حدیث کے مقلد سمجھتے ہیں تو پھر تقلید شخصی کہاں رہی بلکہ مقلدین نے بھی کئی ایک اماموں کی روایت قبول کر کے شخصی سے علیحدگی کا ثبوت دیا۔ فافہم

جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم ایسے معرکۃ الآراء پر از غیض وغضب مسئلہ سے حسبِ وعدہ و التزام بغیر کسی فریق یا شخص کی دلآزاری کے صاف نکل گئے ہیں تاہم اگر کوئی صاحب محض اظہار مسئلہ سے کبیدہ خاطرہ ہوئے ہوں تو معاف فرمائیں۔

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

قراءت فاتحہ خلف الامام

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ اِمام اور مقتدی دونوں پر قرأت فاتحہ فرض ہے کیونکہ آیت قرآنی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ دونوں (امام اور مقتدی) پر قرأت کا حکم لگاتی ہے چنانچہ نور الانوار میں بھی ہے فان الاول (ای ایه فاقروا) بعمومه یوجب القراة علی المقتدی (ص ۱۹۴) مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ۔ یعنی یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے مقتدی پر بھی قرأت فرض بتلاتی ہے۔

ہاں اس پر یہ شبہ باقی ہے کہ اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو عام قرأت ہے گو مقتدی پر ہی سہی۔ مگر فاتحہ کی تخصیص کا ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت موصوفہ مفروض کی تعیین میں مجمل ہے جس کا بیان حدیث نے کر کے مطلب کھول دیا ہے چنانچہ بخاری مسلم کی متفقہ روایت میں ارشاد ہے کہ۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ یعنی جو کوئی سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

بلکہ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ان معنی کی حدیث سن کر لوگوں نے کہا:

ان نکون وراء الامام یعنی ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔

تو حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا:

اقراء بها في نفسك. تو اس وقت بھی اس کو آہستہ آہستہ پڑھا کرو۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ان تمام مضامین میں حکم اور قول فیصل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَاءَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْبِهَا۔

حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پیچھے ایک روز صبح کی نماز پڑھ رہے تھے پڑھتے پڑھتے آپ قرات سے رک گئے جب فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ تم امام کے پیچھے کچھ پڑھا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کی ہاں حضرت (ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے سبح اسم اونچی آواز سے پڑھی تھی۔

(ابو داؤد' ترمذی' نسائی)

امام بیہقی نے فرمایا سوائے فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز درست نہیں۔

اس روایت پر جو سوالات کیے جاتے ہیں ان سب کا جواب اسی روایت کو دوسری سند سے دیکھنے سے مل سکتا ہے۔ جو امام بیہقی نے "کتاب القراء خلف الامام" میں اسی سند کے ساتھ اسی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَــن عُبَادَةَ ابنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب خلف الامام وهذا اسناد صحيح۔

عبادہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں (امام بیہقی کہتے ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔ (ص ۴۷)

اس حدیث سے نہ صرف اس امر کی تصریح ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا اسی طرح فرض ہے جیسا کہ سری میں' کیونکہ یہ واقعہ ہی صبح کی نماز کا ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارے پر بڑا بھاری معارضہ ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی سے پیش کیا جاتا ہے جس کا بیان مع مختصر جواب کے یہ ہے۔

آیت موصوفہ یہ ہے:

اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش رہ کر سنا کرو تا کہ تم پر رحم ہو۔

چونکہ جہری نماز میں امام بلند پڑھتا ہے تو اس آیت کے بموجب مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے اور حدیث میں ہے کہ۔

من كان له امام فقرائة الامام له قراة

یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہو اس کے امام کی قرأت بس اس کی قرأت ہے۔

پھر مقتدی کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ آیت کے خلاف باوجود قرآن سنے جانے کے بجائے خاموش رہنے کے پڑھنے سے حکم الٰہی کا خلاف کرے۔

یہ ہے معارضہ کی مختصر تقریر، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس حالت میں قرآن بطور وعظ و نصیحت کے پڑھا جائے اس وقت تم دل لگا کر سنو اور خاموش رہو کیونکہ مکہ شریف کے مشرک کہا کرتے تھے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔

یعنی مشرک اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ قرآن نہ سنا کرو بلکہ اس کے پڑھے جانے میں شور و شغب کیا کرو تا کہ تم اس کی آواز پر غالب آ جاؤ۔

جس کے جواب میں یہ ارشاد باری تعالیٰ پہنچا کہ کم بختو! جب قرآن سنو تو چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ان معنی کا ثبوت خود حنفیہ کرام کی کتابوں سے ملتا ہے۔

”ہدایہ“ میں صاف لکھا ہے کہ صبح کی نماز ہوتے ہوئے مقتدی صبح کی سنتیں مسجد کے دروازہ پر پڑھ لیا کرے حالانکہ امام کے پڑھنے کی آواز اس کے کانوں میں آتی ہوگی۔علاوہ اس کے درس گاہوں میں ایک کے پڑھتے ہوئے دوسرا بھی پڑھتا ہے اور خاموش نہیں ہوتا۔اور نہ اس سے کوئی عالم منع کرتا ہے حالانکہ اِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ صادق آتا ہے۔نیز امام کے پڑھتے ہوئے مقتدی مسبوق آکر ملتا ہے تو تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتا ہے حالانکہ قرآن کے پڑھے جانے کے وقت بالکل خاموشی چاہیئے۔جو اللہ اکبر کہنے سے کسی قدر فوت ہو گئے۔پس ان اور ان جیسی کئی ایک مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت موصوفہ کے معنی وہی صحیح ہیں جو ہم نے بتلائے ہیں یعنی جس وقت قرآن بطور وعظ ونصیحت کے پڑھا جائے تو دل لگا کر سنا کرو۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں قرآن کا پڑھنا بطور ذکر ہے نہ بطور وعظ تذکیر۔یہی وجہ ہے کہ جماعت میں خواہ تمام مقتدی جاہل ہوں جو قرآن مجید کا ایک حرف نہ سمجھتے ہوں تو بھی ان کی نماز درست ہے۔اور کسی کے نزدیک بھی امام کو اپنی قرات کا ترجمہ کر کے سمجھانا ضروری نہیں۔پس مدعا صاف ہے کہ امام بحالت امامت قرآن شریف بطور ذکر پڑھتا ہے نہ بطور وعظ ایسے وقت میں مقتدی کو فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح منع نہیں خاص کر سری نمازوں (ظہر، عصر) میں تو کسی طرح ممانعت نہیں۔رہا حدیث مذکور (مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ) کی بابت۔سو یہ حدیث صحیح نہیں۔امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں کہا ہے لم یثبت (ثابت نہیں) دوسرے محدثین بھی قریب قریب اسی کے حکم لگا گئے ہیں۔ہدایہ کی تخریج میں حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس کی تصحیح نہیں کی۔اس لیے وہ احادیث صحیح کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور بر تقدیر ثبوت بھی وجوب فاتحہ کی منافی نہیں کیونکہ اس میں جو قرات کا لفظ ہے اس سے سوائے فاتحہ کے باقی قرات قرآن مراد ہے اس لیے کہ کتب اصول میں صاف لکھا ہے کہ عام اور خاص مقابلہ کے وقت عام اتنے حصے میں مخصوص ہو جائے گا جتنے حصے کو عام اور خاص دونوں شامل ہیں۔نور الانوار میں ہے:

اذا اوصى بخاتم للانسان ثم بالفص منه للأخوان الحلقة للاول

والفص بينهما بخلاف ما اذا اوصى بالفص بكلام موصول فانه يكون بيانا لان المراد بالخاتم فيما سبق الحلقة فقط فتكون الحلقة للاول والفص للثان۔ (ص ۶۹ ۔ مطبوعه انوار محمدى لكهنؤ)

چونکہ ادلہ شرعیہ کے حکم میں تقدم تاخر معلوم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے لامحالہ اتصال پر حمل ہوں گی پس نتیجہ یہ ہے کہ من کان له امام والی حدیث میں قرأت سے مراد سوائے سورہ فاتحہ کے ہے یہ معنی امام بیہقی وغیرہ نے بھی کیے ہیں اور یہی راجح ہیں۔ جمعا بين الادلة اور یہی ہمارا مذہب ہے کہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے باقی میں امام کی قرات کافی ہے اس سے کسی قدر باقاعدہ تفصیل سے دیکھنا ہو تو تفسیر ثنائی جلد دوم میں حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ ہو۔ ○

رفع الیدین

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ۔ (متفق عليه)

نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے ہیں تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ کے رفع یدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں۔ حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رفع یدین عندالرکوع کیا۔ مگر منسوخ کہتے ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں۔ اس لیے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعوی نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

○ ثنائی ترجمہ والے قرآن مجید کے آخر میں یہ مقالہ تفصیل مزید کے ساتھ ملحق ہے۔

اس دعویٰ پر حنفیوں کی سر دفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اول اور ایک دوم درجہ ہے اول سر دفتر حدیث روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جو ترمذی میں موجود ہے جس کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں۔

قال عبدالله بن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فصلی فلم یرفع یدیه الافی اول مرة۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انہوں نے نماز پڑھی تو سوائے اول مرتبہ کے رفع یدین نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہے جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع یدین نہ کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے ابن مسعود کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہو جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک امر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایات صحیحہ ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جائے حالانکہ وہ حدیث بقول عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ثابت بھی نہیں۔ اگر بہ تحقیق امام ترمذی حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ خصوصاً جس حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے تو دعویٰ نسخ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ سَمِعْتُهٗ وَهُوَ فِیْ عَشْرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَنْ قَالَ ثُمَّ يَقْرَءُ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِیْ

ابو حمید ساعدی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعویٰ کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں ان کے کہنے پر اس نے بتلائی تو رکوع کرتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے دونوں وقت رفع یدین کی اور ان دس صحابہ کرام

بِهِمَا مَنكِبَيهِ ثُمَّ يَرْكَعُ إِلَى ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّي۔ (رواہ ابوداوٗد دارمی، ترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح)

نے تصدیق کی کہ بے شک نبی اکرم ﷺ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔

یہ روایت اور دس صحابہؓ کی تصدیق ملانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفع یدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ضروری ارکان خصوصاً قومہ، جلسہ اعتدال وغیرہ (جن میں عموماً لوگ سستی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مسیء الصلوۃ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ارکان صلوۃ میں سستی کرتے تھے ان کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے نہ کہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر میں جو سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوۃ سے ثابت ہو۔ کسی ایک آدھ صحابی کے نہ کرنے سے نسخ ہو سکتا ہے تو یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق [1] کرتے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے تھے تو لامحالہ اس وقت جب کہ انہوں نے رفع یدین نہ کی ہوگی۔ زانوؤں پر ہاتھ بھی نہ رکھے ہوں گے۔ کیونکہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیے کہ رکوع کے وقت زانوؤں پر ہاتھ رکھنے بھی منع ہوں حالانکہ کسی کا مذہب نہیں اور تو کسی کا کیا ہوتا۔ خود حنفیہ کا بھی نہیں بلکہ اگر اس قسم کی روایات خود نبی اکرم ﷺ سے بھی ثابت ہوں کہ حضور ﷺ نے سوائے اول دفعہ کے رفع یدین نہیں کی۔ تو بھی نسخ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سنت خاص کی مستحب امر کے لیے تو دوام فعل ضروری نہیں۔ دوام تو موجب وجوب ہے۔ سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے کہ

فعل مرۃ وترک اخری [2] کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو۔

جس کو اہل معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ کی

[1] تطبیق کے معنی ہیں رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں دونوں زانوؤں کے اندر دینا۔

[2] دیکھو کتب اصول۔

نقیض مطلقہ عامہ نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل نسخ پر جسے آج کل بڑے زور سے بیان کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کے الفاظ مع مطلب یہ ہیں:

مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس۔ (مسلم)

رسول پاک ﷺ نے صحابہؓ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کیا سبب ہے کہ تم اسی طرح ہاتھ اٹھاتے ہو۔ گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے رفع یدین کا نسخ ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضور نے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے تو ہر قسم کی رفع یدین جو نماز کے اندر ہوگی منع ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مجمل ہے مفصل خود اس شبہ کا جواب دیتی ہے چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَيْدِيْنَا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَنَظَرَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاشَأْنُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اِذَا سَلَّمَ اَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ اِلٰى صَاحِبِه وَلَا يُوْمِيْ بِيَدِهٖ۔ (مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوۃ)

میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم اخیر نماز کے سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے السلام علیکم کہا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ ہاتھوں سے ایسے اشارے کرتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں جب کوئی سلام دیا کرے تو اپنے ساتھی کی طرف صرف دیکھا کرے اور اشارہ نہ کیا کرے۔

پس یہ مفصل روایت ہی جواب کافی دے رہی ہے کہ بات کچھ اور ہے حضور ﷺ نے اس بے محل رفع یدین سے منع فرمایا ہے۔ جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے نہ کہ عندالرکوع والی رفع یدین کو۔ علاوہ اس کے نسخ میں تقدم تاخر کا علم قطعی ہونا چاہئے۔ جو یہاں پر نہیں بھلا اگر کوئی یوں

کہہ دے کہ یہ روایت (بشرطیکہ اس کو رفع یدین عندالرکوع سے تعلق ہو) خود ابن عمر کی روایت مذکورہ سے منسوخ ہے کیونکہ ابن عمر اور دیگر صحابہ کرامؓ رفع یدین پر بعد انتقال نبی اکرم ﷺ بھی عمل کرتے رہے تو اس کا جواب شاید قائلین نسخ پر ہم سے زیادہ مشکل ہو۔ خیر میں اپنے بھائیوں کو فخر المتاخرین استاد الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ سنا کر بحث ختم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْ یَرْفَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّنْ لَا یَرْفَعُ فَاِنَّ اَحَادِیْثَ الرَّفْعِ اَکْثَرُ وَ اَثْبَتُ۔
(حجة الله البالغه اذ کار وهئیات)

یعنی جو لوگ رکوع کو جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں سے مجھے زیادہ پیارے ہیں کیونکہ رفع یدین کی حدیثیں تعداد میں زیادہ اور ثبوت میں بھی پختہ۔

مزید بحث رفع یدین کی دیکھنی ہو تو رسالہ تنویر العینین مصنفہ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید قدس سرہ ملاحظہ ہو یا ہمارا رسالہ آمین رفع یدین مطالعہ کریں۔

آمین بالجہر

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ امام جب اونچی آواز سے پڑھے تو بعد ولا الضالین کے مقتدی باواز بلند آمین کہیں کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَلَا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ آمین حَتّٰی یَسْمَعَ مَنْ یَّلِیْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه) وَقَالَ حَتّٰی یَسْمَعَهَا اَهْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَیَرْتَجُّ

"روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہتے تو آمین کہتے اتنی بلند کہ پہلی صف والے سن لیتے۔ پھر سب لوگ بیک آواز میں کہتے۔ تو تمام مسجد آواز سے گونج اٹھتی۔" (المنتقی)

بِهَا الْمَسْجِدُ۔ (المنتقی)

اس مسئلہ نے اپنی قوت ثبوت کی وجہ سے بعض محققین علماء حنفیہ کو بھی اپنا قائل بنالیا چنانچہ مولانا عبدالحئی مرحوم لکھنوی شرح وقایہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

قد ثبت الجهر عن رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ باسانيد متعددة يقوى بعضها بعضا فى سنن ابن ماجه والنسائى وابى داوٗد و جامع الترمذى و صحيح ابن حبان و كتاب الام للشافعى و غيرها وعن جمع من اصحابه بروايت ابن حبان فى كتاب الثقات وغيره ولهذا اشار بعض اصحابنا كابن الهمام فى فتح القدير وتلميذه ابن امير الحاج فى حلية المحلى شرح منية المصلى الى قوته رواية۔

نبی اکرم ﷺ سے متعدد سندوں کے ساتھ آمین بالجہر کہنا ثابت ہے دو ایسی سندیں ہیں کہ ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں ابن ماجہ' نسائی' ابی داوٗد' ترمذی' صحیح ابن حبان' امام شافعی کی کتاب الام وغیرہ میں موجود ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ سے بھی ابن حبان کی روایت سے ثابت ہے اسی واسطے ہمارے بعض علماء مثل ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آمین بالجہر کا ثبوت باعتبار روایات کے قوی ہے۔" (حاشیہ شرح وقایہ ص ۱۶۷)

صاحب ہدایہ نے ہمارے مذہب کے خلاف یا یوں کہیے کہ اپنے مذہب کے ثبوت کے لیے دو دلیلیں لکھی ہیں ایک تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ چار چیزیں امام آہستہ کہے ان میں سے ایک آمین بھی ہے اربع يخفيهن الامام وذكر من جملتها التعوذ والتسمية و آمين۔ (هدايه)

اس کا جواب بھی وہی ہے جو رفع یدین کے مسئلہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ کوئی فعل جو رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہو۔ کسی صحابی کے عدم فعل سے رد یا منسوخ نہیں ہو سکتا جب کہ آمین بالجہر

نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے تو پھر کسی طرح کسی صحابی کے نہ کرنے یا منع کرنے سے منع نہیں ہوسکتی۔ البتہ صحابی کو معذور سمجھنے کے لیے کوئی تاویل کرنی پڑے گی۔ سو جو تاویل باقی مسائل میں حنفیہ کرام کریں گے وہی اس مسئلہ میں کریں گے کہ اس صحابی سے یہ فعل نبوی مخفی رہا۔ ہاں اگر کسی کو یہ تاویل پسند نہ ہو وہ انہی ابن مسعود کی رکوع کے وقت تطبیق کرنے وغیرہ مسائل خلافیہ متعلق عبادات وغیرہ کی کوئی معقول توجیہ بتادیں تو ہم بھی اسی پر دستخط کردیں گے۔

دوسری دلیل صاحب ہدایہ نے یہ دی ہے۔

وَلِاَنَّهُ دُعَاءٌ فَيَكُوْنُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَاءِ۔ (هدايه) آمین دعا ہے پس یہ مخفی ہونی چاہیے۔

اس دلیل میں آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اپنے پروردگار کو عاجزی سے اور خفیہ پکارا کرو۔

لیکن بڑے ادب سے عرض ہے کہ آمین اصل دعا نہیں بلکہ استجابت دعا ہے جو اگر ہے تو حکماً دعا ہے یعنی جو دعا امام نے کی ہے اس کی قبولیت کی درخواست ہے پس جب اصل دعا جو امام کر رہا ہے یعنی سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہے اسے آہستہ پڑھنے کا حکم نہیں دیتے اور جو اسی دعا کی استجابت (قبولیت) کی درخواست کرے۔ اس استجابت کو اس آیت سے منع کریں۔ لعمری ان هذا الاعجب العجاب۔ پس جب امام اونچی آواز سے دعا کرے گا تو مقتدی بھی بلند آواز سے استجابت کرے گا اور جس وقت آہستہ دعا کرے گا مقتدی بھی آہستہ استجابت کرے گا سارا مدار امام پر ہے پہلے امام کو روکنا چاہیے۔ فافهم

اخیر میں محققین حنفیہ کا فیصلہ متعلق مسئلہ ہذا بتلا کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام شارح ہدایہ فتح القدیر میں مسئلہ ہذا (آمین بالجہر) میں بالکل اہلحدیث کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لو كان الى فى هذا شىء لو فقت بان رواية الخفض يراد ها عدم اگر مجھے اس امر میں اختیار ہو (یعنی میری رائے کوئی سنے) تو میں اس میں موافقت

القرع العنیف و روایة الجهر بمعنی قولها فی زبر الصوت و ذیله یدل علی هذا ما فی ابن ماجه کان رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذا تلا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من الصف الاول فیرتج بها المسجد۔ الخ (جلد اص ۷ا نولکشوری)

کروں کہ جو روایت آہستہ والی ہے اس سے تو مراد ہے کہ بہت زور سے نہ چلاتے تھے اور جہر کی آواز سے مراد گونجتی ہوئی آواز ہے میری اس توجیہ پر ابن ماجہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے ایسی کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے (پھر دوسرے لوگوں کی آواز ملنے سے مسجد گونج جاتی تھی۔"

اظہار تشکر

اہلحدیث کو فخر ہے کہ ان کے مسائل قرآن وحدیث سے ثابت ہو کر ائمہ سلف کے معمول بہ ہونے کے علاوہ صوفیاء کرام میں سے مخدوم جہانی محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز بھی ان کی تائید میں ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب غنیۃ الطالبین کے دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ حضرت ممدوح نے آمین اور رفع یدین کو کس وضاحت سے لکھا ہے زہے قسمت۔

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہاں باماست امروز

پس صوفیائے کرام کی خدمت میں عموماً اور خاندان قادریہ کی جناب میں خصوصاً بڑے ادب سے عرض ہے کہ وہ ان دونوں سنتوں کے رواج دینے میں دل وجان سے سعی کریں اور اگر خود نہ کریں تو ان کے رواج دینے والے فرقہ اہلحدیث سے دلی محبت اور اخلاص رکھیں کیونکہ

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ این چہ بود ایں سگے در کوئے لیلیٰ گاہے گاہے رفتہ بود

سینہ پر ہاتھ باندھنے

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں کیونکہ صحیح حدیث میں آیا

ہے:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ۔ (ابن حزيمه)

''رسول اکرم ﷺ نماز کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہ مسئلہ قرآن شریف ہی سے بتلایا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ قَالَ وَضَعَ الْيَمِيْنَ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ النَّحْرِ۔ (معالم التنزيل)

آپ آیت وانحر کے معنی کرتے ہیں کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر سینہ پر رکھو۔

اور جو حدیث حضرت علی والی مصنف ہدایہ نے ناف سے نیچے باندھنے کی نقل کی ہے وہ صحیح نہیں (دیکھو تخریجات ہدایہ) امام نووی نے شرح مسلم میں اس حدیث کی بابت لکھا ہے کہ تمام حفاظ حدیث اس کے ضعف پر متفق ہیں۔

وجوب جمعہ اور ظہر احتیاطی

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ جمعہ علی الاطلاق واجب ہے۔ حنفیہ اور دیگر علماء کے نزدیک بھی وجوب جمعہ مسلم ہے مگر وہ چند شرائط ایسی لگاتے ہیں جو اہلحدیث کے نزدیک ثابت نہیں اس لیے مناسب ہے کہ ثبوت فرضیت سے درگزر کر کے ان شرائط ہی پر بحث کی جائے۔ حنفیہ کرام کا مذہب ہے کہ جمعہ کے واسطے شہر اور قاضی کا ہونا ضروری ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

لَا يَصِحُّ الْجُمُعَةَ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْفِيْ مُصَلَّى الْمِصْرِ وَلَا تَجُوْزُ فِي الْقُرٰى لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيْقَ وَلَا فِطْرَ وَلَا اَضْحٰى اِلَّا

جمعہ صرف شہر یا اس کے مضافات (عیدگاہ وغیرہ) میں ہوگا کیونکہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے نماز جمعہ اور نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ سوائے شہر کے نہیں چاہئیں۔''

فِي مِصْرٍ جَامِعٍ وَالْمِصْرُ الْجَامِعُ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاضٍ يَنفُذُ الْأَحْكَامَ وَيُقِيمُ الْحُدُودَ. (هدايه باب الجمعته)

یہ روایت نقل کرنے کے بعد مصنف ہدایہ شہر کی تعریف بتلاتے ہیں کہ جہاں حاکم ہو۔ جو احکام اور حدود قائم کرے۔

پس یہی ایک حدیث ہے جس سے اس امر کا ثبوت دیا جاتا ہے کہ جمعہ کے لیے شہر اور قاضی وغیرہ کا ہونا ضروری ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں۔ امام نووی نے کہا ہے: متفق علی ضعفه (یعنی سب محدث اس کے ضعف پر متفق ہیں) بیہقی نے کہا ہے اس مضمون کی کوئی حدیث صحیح نہیں آئی۔ تخریجات ہدایہ' زیلعی' اور عسقلانی نے اس کو ضعیف بتلایا ہے ہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے سو بموجب اصول حدیث وفقہ مسائل اجتہادیہ میں صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا خاص کر ایسے مسائل میں جہاں اور صحابہ اس کے خلاف پر بھی ہوں۔ امام بیہقی نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ مصر اور اس کے مضافات والے جو دریا کے کنارے کنارے رہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے جہاں ہوتے جمعہ پڑھ لیتے۔ عبدالرزاق نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان لوگوں کو اپنے اپنے پانی کے جوہڑوں پر جمعہ پڑھتے دیکھتے تو منع نہ کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بحرین والوں کو حکم بھیجا تھا کہ تم جہاں ہو جمعہ پڑھ لیا کرو۔ علماء اصول فقہ حنفیہ نے صاف لکھا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال باہمی مختلف ہوں ان میں ہم کو اختیار ہے۔ کسی کی پیروی کر لیں (دیکھو نور الانوار بحث تقلید الصحابی) جب تک کوئی مرفوع حدیث نہ ہو وجوب نہیں ہوتا۔

پس جب کسی حدیث صحیح یا آیت قرآنی سے شرطیت ثابت نہیں ہوتی تو بحکم حضور علیہ السلام ذروني ما تركتكم [1] جمعہ بلاشرط فرض رہے گا۔ الا وہی شرط معتبر ہوگی۔ جس کا ثبوت شرع میں ہو۔ اسی لیے اہل حدیث کا مذہب ہے کہ ہر ایک جگہ جمعہ واجب ہے شہر ہو یا گاؤں جہاں پر دو

[1] جب تک میں تم کو حکم نہ دوں تم بھی کرید نہ کیا کرو۔ (متفق علیہ)

یا دو سے زیادہ آدمی ہوں گے بحکم الاثنان فما فوقھما جماعۃ جمعہ پڑھیں گے۔ فمن ادعی غیر ذلك فعلیه البیان و البرھان۔

اس مختصری گفتگو کے بعد طویل الذیل بحث ظہر احتیاطی کی ہے جس پر آج کل بہت سی رائے زنیاں ہو رہی ہیں مگر ہمارے نزدیک بلکہ ہر ایک محقق کے نزدیک یہ رائے زنیاں محض بے بنیاد ہیں اس لیے کہ یہ مسئلہ بھی فقہائے حنفیہ شکر اللہ سعیھم نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہوا ہے۔ اصل وجہ اور بناء ظہر احتیاطی کی (جیسا کہ طحاوی کی آئندہ عبارت سے معلوم ہو گی) یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ جائز نہیں اس لیے جس جگہ متعدد مقامات پر جمعہ پڑھنے والوں کو ایسے علماء نے ظہر احتیاطی کا حکم دیا ہے گو اہلحدیث کے نزدیک تو کوئی مسئلہ بھی جو قرآن و حدیث سے مدلل نہ ہو۔ قابل پذیرائی نہیں اس لیے ان کو تو ایسے اقوال کیا ہی اثر کر سکتے تھے مگر شکر ہے کہ محققین علماء حنفیہ نے بھی ایسی ایسی روایات سے صریح انکار کیا۔ در مختار میں صاف مرقوم ہے:

وَتُوَدِّی فِی مِصْرٍ وَاحِدٍ بِمَوَاضِعَ کَثِیْرَۃٍ مُطْلَقًا عَلَی الْمَذْھَبِ وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی (در مختار) قَوْلُهٗ مُطْلَقًا سَوَاءٌ کَانَ هُنَالِكَ ضَرُوْرَۃٌ اَمْ لَا فَصَلَ بَیْنَ جَانِبَیِ الْبَلَدِ نَھْرٌ اَمْ لَا قوله عَلَی الْمَذْھَبِ لِاِطْلَاقِ الْخَبَرِ وَهُوَ لَا جُمُعَةَ اِلَّا فِی مِصْرٍ فَشَرْطُ الْمِصْرِ فَقَطْ۔

ایک ہی شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا ہو سکتا ہے اور یہ مذہب صحیح اور اسی پر فتوی ہے اس میں علامہ طحطاوی حاشیہ لکھتے ہیں کہ بے شک ایک شہر میں متعدد جگہ ہو سکتا ہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ شہر کے درمیان کسی نہر وغیرہ کا فاصلہ ہو یا نہ ہو۔ ہر صورت میں جائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں صرف شہر کی شرط ہے اور بس۔" (طحطاوی)

(ہمارے نزدیک تو شہر کی شرط بھی نہیں۔ چنانچہ اس کی بحث پہلے آ چکی ہے۔)

اس فیصلہ کے بعد کہ ایک ہی بستی میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے۔ صاحب در مختار اور طحطاوی کا فیصلہ خاص در بارہ ظہر احتیاطی بتلاتے ہیں۔ مصنف در مختار صاحب بحر سے نقل کرتے ہیں کہ:

قد افتیت مرارا بعدم صلوۃ الاربع

میں نے کئی دفعہ ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کا

بعد ھا بنية الظھر خوف عدم فرضيتھا وھو بالاحتياط في زماننا (درمختار) قوله قد افتيت الخ ھذا كلام مرتبط بكلام قبله للكمال فإنه قال وانما اكثر نافيه اى فرض الجمعة نوعا من الاكثار لما نسمع من بعض الجھلة انھم ينسبون الى مذھب الامام عدم افتراضھا قال صاحب البحر وقد كثر ذلك من جھلة زماننا ايضا ومنشاء جھلھم صلوة الاربع بعد الجمعة بنية الظھر وانما وضعھا بعض المتاخرين عندالشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددھا في مصروا حد وليست ھذه الرواية بالمختار وليس ھذا القول اعني اختيار الاربع بعدھا مرويا عن الامام وصاحبيه حتى وقع لي اني افتيت مرارا بعدم صلوتھا خوفا على اعتقاد الجھلة انھا الفرض وان الجمعة ليست بفرض۔ (ديكھو طحطاری)

فتویٰ دیا ہے کیوں کہ خوف تھا کہ لوگ جمعہ کی فرضیت ہی نہ بھول جائیں اور ہمارے زمانے میں مناسب اور احتیاط یہی ہے کہ ظہر احتیاطی نہ پڑھی جائے (اس پر علامہ طحطاوی نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی ہے کہتے ہیں ہم نے اس لیے ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کے متعلق طول کلامی سے کام لیا ہے کہ بعض جاہلوں سے ہم نے سنا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں صاحب البحر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے جاہلوں میں بھی عام طور پر یہ خیال شائع ہوا ہے جمعہ فرض نہیں اور اس کے اس خیال کی وجہ صرف ظہر احتیاطی ہے اور بعض متاخرین علماء نے ظہر احتیاطی کو صرف اس لیے تجویز کیا تھا کہ ایک روایت کے مطابق ایک ہی شہر میں چند جگہ جمعہ جائز نہ تھا حالانکہ یہ روایت ہی ٹھیک نہیں اور نہ ہی یہ قول کہ ظہر احتیاطی کی چار رکعتیں پڑھنی چاہیں امام ابو حنیفہ صاحب اور نہ صاحبین سے منقول ہے حتیٰ کہ مجھے بھی کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے کہ میں نے خود ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو فرض جان لیتے ہیں

اور جمعہ کو فرض نہیں جانتے۔

ان روایات فقہیہ معتبرہ نے ظہر احتیاطی کے مسئلہ کا جہاں فیصلہ کیا ہے اس کی بنا اور وجہ تجویز بھی بتلادی کہ اصل وجہ ظہر احتیاطی کی یہ ہوئی ہے کہ بعض متاخرین نے (جن کا نام بھی شاید معلوم نہیں) ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ کا پڑھنا بعض روایات فقہیہ سے ناجائز سمجھا جس پر ظہر احتیاطی کا حکم لگایا پھر اس بنیاد کا ابطال بھی صاف لفظوں میں کر دیا کہ یہ روایت کہ ایک ہی مقام میں متعدد جگہ جمعہ ناجائز ہے پسندیدہ اور مختار نہیں بلکہ پسندیدہ اور قابل فتویٰ یہی بات ہے کہ ایک بستی میں متعدد جگہ بلاشبہ جمعہ جائز ہے پس اب ظہر احتیاطی کا قائل ہونا صریح بناء فاسد علی الفاسد نہیں تو کیا ہے افسوس کہ اہلحدیث پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کتب فقہ کو نہیں مانتے حالانکہ وہ جس طریق سے مانتے ہیں سب سلف صالحین اسی طرح مانتے تھے مگر جب اپنے خلاف کوئی روایت ہو۔ تو باوجود تسلیم صحت اس کتاب کے ہمارے بھائی کانوں پر ہاتھ رکھ کر صاف نکل جاتے ہیں۔ ہمارے پاس موجودہ علماء محققین علماء حنفیہ شکر اللہ سعیہم کے انکاری فتویٰ بھی اس امر میں موجود ہیں مگر ہم ان کو پیش کرنا نہیں چاہتے تا کہ کسی صاحب کو انکار کی گنجائش نہ ہو۔ علاوہ اس کے موجودہ علماء محققین کی تحقیق کی بنا بھی انہی متقدمین فقہا کے اقوال پر ہے اس لیے بحکم الفضل للمتقدم انہی متقدمین کے اقوال کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

خطبہ میں وعظ

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ خطبہ میں خطیب قرآن شریف پڑھ کر اس کا مطلب دیسی زبان میں بتلاتا جائے اور مناسب موقع پر تفسیر یا تشریح آیات اور تذکیر حاضرین بھی کرے اتنے مطلب کے لیے کسی آیت یا حدیث کے ثبوت دینے کی حاجت نہیں۔ خطیب کی ہیئت کذائی اور شکل ظاہری حاضرین کی طرف منہ کر کے بلند مکان پر کھڑا ہونا اور بصیغہ ھائے خطاب ان کو مخاطب کرنا اور ایها الناس ایها الاخوان کہہ کہہ کر پکارنا یہی دلیل کافی ہے کہ ایسی صورت میں اس کو کھڑا کرنے سے شریعت کا یہی مقصود ہے کہ لوگ اس کے کلام کو بغور سنیں اور مستفید ہوں

میری یہ رائے وجدانی رائے ہے کہ خطیب کی شکل اور ہیئت کذائی ہی دیکھنے سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس سے مقصود شریعت کا یہی ہے کہ لوگوں کو پند و نصائح سنائے اور لوگ اس سے مستفید ہوں۔ اس صوری دلیل کے علاوہ قرآن و حدیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اقوال علماء و فقہاء بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

کچھ شک نہیں کہ خطبہ خطاب سے ماخوذ ہے اور خطاب میں جب تک ہم زبانی نہ ہو خطاب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ فرماتا ہے۔

مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔

”جو رسول اللہ کی طرف سے آتا رہا وہ اپنی قوم کے محاورہ ہی پر بولتا ہے تاکہ ان کو بیان کر کے مطالب سمجھائے۔“

احادیث اس بارے میں کثرت سے آتی ہیں جن سے یہ مطلب بدیہی اور روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کی وضع شریعت میں اسی غرض کے لیے ہے کہ خطیب حاضرین کو اپنے مافی الضمیر سے اطلاع دے اور وہ بگوش دل اس کی باتوں کو سنیں چنانچہ ہر ایک حدیث کی کتاب میں یہ مضمون مل سکتا ہے کہ اصحاب کہتے ہیں فلاں کام پیش آیا (خطبنا رسول الله ﷺ) تو نبی اکرم ﷺ نے ہم کو خطبہ سنایا اور وہ مطلب سمجھایا۔ ان بیرونی شہادتوں کے علاوہ خاص جمعہ میں خطبہ نبویہ کی کیفیت حدیثوں میں یوں آتی ہے:

كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ۔ (صحيح مسلم)

نبی کریم ﷺ کے خطبے کے دو حصے ہوتے تھے (جیسا کہ آج کل بھی دستور ہے) درمیان ان دونوں کے بیٹھتے تھے۔ قرآن ان میں پڑھتے تھے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

یہ حدیث اپنا مضمون بتلانے میں بالکل صاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے خطبہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ نہ صرف قرآن ہی پڑھا کرتے تھے بلکہ يقرء القران کے ساتھ يذكر الناس بھی موجود ہے جس کو راوی نے اسی لیے ساتھ ملایا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرلے کہ

صرف قرآن کا پڑھنا ہی آپ کا وعظ تھا جیسا کہ آج کل کے مانعین وعظ کہتے ہیں۔

ایک حدیث کے الفاظ اور ترجمہ یہ ہے:

فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَ اَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ وَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا۔ (مسلم)

نماز کو لمبا اور خطبہ کو چھوٹا کیا کرو کیونکہ بعض بیان تاثیر کرنے میں جادو کی طرح ہوتے ہیں۔"

اس حدیث میں حضور ﷺ نے خطبہ کو "بیان" فرمایا ہے جس میں اتحاد لسان یعنی خطیب اور سامعین کا ہم زبان اور ہم محاورہ ہونا بحکم عرف اور بفحوائے آیت مرقومہ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ضروری ہے۔

ایک حدیث میں راوی آپ کا خطبہ کی کیفیت یوں بتلاتا ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ وَ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ جب خطبہ پڑھتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہوتی اور غصہ سخت ہوتا۔ گویا آپ کسی دشمن کی فوج سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ ابھی صبح، شام دشمن تم پر آنے والا ہے۔"

ایک حدیث میں آیا ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَ لْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ جو کوئی امام کے خطبہ پڑھتے ہوئے آئے وہ خفیف سی دو رکعتیں پڑھ لیا کرے۔" (مسلم)

ایک روایت ہے:

بَيْنَمَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی وقت ایک صحابی مسجد میں داخل ہوا

النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اٰيَةُ سَاعَةٍ هٰذِهٖ فَقَالَ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ النِّدَآءَ وَمَا زِدْتُ عَلٰى اَنْ تَوَضَّاْتُ قَالَ الْوُضُوْءُ اَيْضًا وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِالْغُسْلِ۔ (ترمذی)

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ہی میں کہا کہ یہ کون سا وقت آنے کا ہے اس نے کہا میں تو اذان سنتے ہی وضو کر کے آگیا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا صرف وضو ہی پر تو نے قناعت کی ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہانے کا حکم فرمایا ہوا ہے۔

عید کے خطبہ کی کیفیت یوں آتی ہے:

فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ يَاْمُرَ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔ (متفق علیہ)

بعد نماز رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے پس ان کو وعظ کرتے اور وصیت فرماتے اور حکم کرتے اور کسی فوج کو تیار کرنا ہوتا تو اسی خطبہ ہی میں تیار کر دیتے پھر چلے جاتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو کر دیتے۔"

ان روایات سے اس شبہ کا جواب بھی آجاتا ہے جو عموماً اس مسئلہ کے خلاف پر کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ نے غیر ملکوں میں جا کر عجمی زبانوں میں خطبہ کا ترجمہ نہیں سنایا تو معلوم ہوا کہ سوائے عربی کے اور زبانوں میں ترجمہ نہ چاہیے۔ اس کا جواب ان روایات سے یوں پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عین خطبہ پڑھتے ہوئے جو یہ فرمایا اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صحابی کو دیر کرنے پر ٹوکا۔ اب بھی خطیب کو ایسی حاجت پیش آئے تو کیا عربی ہی میں کہے؟ اور بس کر دے یا ان الفاظ کا مطلب سامعین کو سمجھا بھی دے؟ کچھ شک نہیں کہ عربی ہی میں کہنے کو کافی کہنے والا دنیا بھر میں کوئی نہ ہوگا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک شخص پنجابی جو عربی زبان سے بالکل ناآشنا ہے مسجد میں آئے تو امام اسے تنبیہ کرنے کو یوں کہے کہ ایۃ ساعۃ ھذہ الوضوء ایضا وقد علمت ان رسول اللہ ﷺ یا اگر امیر کو فوج تیار کرنی ہو تو پنجابی یا

ہندی حاضرین کو عربی میں فرمان دے کر بغیر مطلب سمجھائے چل دے۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں یہ بات کوئی نہ کہے گا حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے یہ سب امور خطبات میں ثابت ہیں پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ صحابہ نے اس اصول (تفہیم) کو غیر ملکوں میں ملحوظ نہ رکھا ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ بوجہ اس کے کہ فتح کرتے ہی حاضرین صرف اپنی فوج ہوتی تھی یا جو نومسلم ہوتے وہ بہت ہی قلیل ہوتے اس لیے بحکم کثرت عربی ہی میں خطبہ سناتے ہوں گے اور خطیب کا عجمی زبان سے ناواقف ہونا بھی ایک سبب ہو تو اغلب ہے۔ علاوہ اس کے اس بات کی نسبت کیوں کر یقین ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عجمی زبانوں میں خطبہ کا ترجمہ یا مطلب نہیں سنایا۔ غایت مافی الباب اس کا عدم علم ہے اور عدم علم مقتضی عدم شے کو نہیں ہوتا۔ خاص کر اس صورت میں کہ سرور کائنات سے ایک فعل ثابت ہو پھر اس کے معمول بہ ہونے کے لیے کسی صحابی یا امام کی تائید کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ اس فعل نبوی کے چھوڑنے پر ان کے حق میں عذر تلاش ہوتا ہے نہ کہ فعل نبوی میں کسی طرح کا ضعف۔ کتب فقہ میں بھی یہ مسئلہ (خطبہ میں وعظ کرنا) مصرح ملتا ہے۔ درالمختار میں ہے۔

(وَيَبْدَاءُ) قَبْلَ الْخُطْبَةِ الْأُولٰى بِالتَّعَوُّذِ سِرًّا ثُمَّ بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالثَّنَاءَ عَلَيْهِ وَالشَّهَادَتَيْنِ وَالصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعِظَةِ وَالتَّذْكِيرِ وَالْقِرَاةِ۔

خطبہ سے پہلے پوشیدہ اعوذ پڑھے پھر حمد اور ثنا کرے اور کلمہ شہادت اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اور وعظ و نصیحت کرے اور قرآن پڑھے۔ (درالمختار ذکر جمعہ)

درمختار میں ہے:

وَيُكْرَهُ تَكَلُّمُهُ فِيهَا اِلَّا الْأَمْرُ بِمَعْرُوفٍ لِاَنَّهُ مِنْهَا۔ (الدر المختار)

امام کو سوائے امر معروف کرنے کے اور بات کرنی منع ہے امر معروف اس لئے مکروہ نہیں کہ وہ تو خطبہ میں ہے۔

ہدایہ میں ہے اگر خطیب بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ پڑھے تو جائز ہے۔

وَلَوْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الْوَعْظُ وَالتَّذْكِيرُ۔

کیونکہ مقصود بے وضو سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ (الھدایہ)

مقصود کی تشریح کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ملتی ہے کہ مقصود خطبہ سے وعظ و نصیحت ہے:

لکن لا یخلوا الاقتصار علی ھذا من الکراھة کما فی الدّر المختار و جامع الرّموز لکونہ خلاف السّنّة فان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یخطب خطبتین ویجلس بینھما جلسة خفیفة و کان یثنی علی اللہ فیھا و یعظ و یذکرو یبین الاحکام المناسبة ویقرأ آیات من القرآن۔

مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی مرحوم نے کہا ہے کہ ایک دو تسبیح پر خطبہ میں کفایت کرنا مکروہ ہے جیسا کہ درمختار اور جامع رموز میں لکھا ہے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے اس لیے کہ نبی ﷺ ہمیشہ دو خطبے پڑھتے تھے جن میں وعظ و نصیحت کرتے اور احکام مناسب بیان فرماتے اور قرآن پڑھتے۔ (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ)

مالابد میں ہے:

''نزد صاحبین فرض آنست کہ ذکر طویل باشد و دو خطبہ خواندن مشتمل بر حمد و صلوۃ و تلاوت قرآن وصیت مر مسلمانان راو استغفار برائے نفس خود و برائے مسلماناں نزد اکثر ائمہ فرض ست ونزد امام اعظم سنت ست ترک آن مکروہ۔''

بغرض اختصار انہی حوالجات پر قناعت کی جاتی ہے ورنہ فقہ کی ہر ایک کتاب میں مسئلہ مصرح مل سکتا ہے ان تمام حوالجات میں بتصریح مذکور ہے کہ خطیب وعظ و تذکیر خطبہ میں کرے اور دلیل ان سب کی وہی احادیث ہیں جو ہم نے نقل کی ہیں اور مولانا عبدالحیٔ مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ کی منقولہ عبارت میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

افسوس کہ اسلام کا ایک ایسا مسئلہ جو تمام کتب احادیث اور فقہ میں بتصریح تام ملتا ہے اس زمانہ میں ایسا متروک ہے کہ بعض لوگ خطیب کو وعظ کہتے ہوئے سنتے ہیں تو منتظر رہتے ہیں کہ اس وعظ کے بعد خطبہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک خطبہ اسی کا نام ہے جس میں وعظ وغیرہ کا نام نہ ہو۔

صرف عربی زبان میں چند کلمات پڑھ دیے جائیں۔ انا للہ

اس سے بڑھ کر افسوس اس طریق پر ہے کہ جو بعض مانعین علماء کا ایجاد ہے کہ خطبہ سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر دیسی زبان میں وعظ کہتے رہتے ہیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو کھڑے ہو کر عربی زبان میں خطبہ سنا دیتے ہیں جس میں کوئی کلمہ دیسی زبان کا نہیں بولتے نہیں معلوم وہ کس مطلب کے لیے ہوتا ہے۔ یا للعجب

مسئلہ تراویح

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعت مع وتر گیارہ رکعت تراویح با جماعت اول شب پڑھنی سنت ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کئی روز پڑھی ہیں۔ چنانچہ حدیث مندرجہ اس امر پر صریح دلیل ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَقُمْ بِنَا شَیْئًا مِنَ الشَّھْرِ حَتّٰی بَقِیَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰی ذَھَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ فَلَمَّا کَانَتِ السَّادِسَۃُ لَمْ یَقُمْ بِنَا حَتّٰی ذَھَبَ شَطْرُ اللَّیْلِ ۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ابو ذر کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھے تو کسی روز بھی تراویح پڑھنے کو ہمارے ساتھ کھڑے نہ ہوئے یہاں تک کہ سات روز ماہ رمضان کے باقی رہ گئے تو ایک رات یعنی چوبیسویں رات ہمیں تراویح کی نماز ثلث رات تک پڑھائی پھر پچیسویں رات پڑھائی پھر جب چھبیسویں رات آئی تو نصف شب تک نماز تراویح پڑھائی۔

چونکہ نبی کریم ﷺ کے تراویح پڑھنے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں اس لیے اس امر کے ثبوت پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں البتہ آج کل اس مسئلہ میں ایک طرز سے بحث پیدا ہو گئی ہے جس طرح ہمارے حنفی بھائی رفع یدین کی نسبت مصر ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے رفع یدین تو کی ہے مگر پھر منسوخ ہو گئی تھی۔ اس طرح آج کل ایک آدھ کا خیال ہے کہ تراویح تو حضور ﷺ نے

پڑھی ہیں مگر پھر جب لوگوں کو گھروں میں چلے جانے کا حکم صادر فرمایا تو نماز تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنی منسوخ ہوگئی۔[1]

تو ایسے صاحبوں سے فیصلہ آسان ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فعل تو ان کو بھی مسلم ہے۔ رہا منع کا دعویٰ سو دلیل کا محتاج ہے آپ اس مسئلہ پر اس حدیث کو دلیل لاتے ہیں جو خوش قسمتی سے ان کے مخالف لایا کرتے ہیں بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جس کا مضمون ہے کہ صحابہ نے چند روز حضور اقدس کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آخر حضور ﷺ اپنے حجرہ سے باہر نہ نکلے اور فرمایا۔

خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ

یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اگر فرض ہوگئی تو تم اس کو نباہ نہ سکو گے۔ پس تم گھروں میں نماز پڑھو۔

پس صاف معلوم ہوا کہ قیام لیل باجماعت مسجد میں منسوخ ہے۔

اس کے جوابات تو کئی طرح سے ہو سکتے ہیں مگر جن صاحب سے ہمارا روئے سخن ہے چونکہ ان سے ہمیں ذاتی طور پر بھی نیاز حاصل ہے جس سے ہم ان کی طبیعت سے واقف ہیں اس لیے صرف ایک ہی جواب جو ان کی طبیعت کے مناسب ہے دیتے ہیں کہ جس نماز کی سنیت کے ہم مدعی ہیں اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ یہ حدیث نماز تہجد کے متعلق ہے چنانچہ بخاری میں صاف لفظ ہیں: خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ یعنی رسول اللہ ﷺ ایک روز نصف رات کو نکلے اور نماز پڑھی تو چند لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کیا۔ آہستہ آہستہ سب کو خبر ہوگئی کہ حضور ﷺ رات کو جماعت کراتے ہیں یہاں تک کہ لوگوں کا اتنا ازدحام ہوا کہ مسجد میں نہ سما سکتے تھے۔ چوتھی رات آپ تشریف نہ لائے۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی خواہش پر آپ نے وہ ارشاد فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

---

[1] دیکھو رسالہ "البیان الصریح لاثبات کراھة التراویح مولف مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی ص ۲۶ اس رسالہ کا مصنف اب خود اس رسالہ کو غلط جانتا ہے کیونکہ رسالہ مذکورہ میں احادیث کے مضامین پر بحث ہے۔ مگر اب تو مصنف یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ احادیث کو معاذ اللہ شیطانی خیالات کہتا ہے۔ علیہ ما یستحقہ

اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ نبی ﷺ نے صحابہ کو نماز تہجد کے با جماعت مسجد میں ادا کرنے سے منع فرمایا ہے جس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرما دی کہ مجھے اس کی فرضیت کا خوف ہے۔ جسے ہمارے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہمارے دعوی تو اول شب کی جماعت کے سنت ہونے کا ہے جس کے ثبوت میں ہم نے حدیث بھی نقل کی ہے جو ان صاحب کو بھی مسلم ہے پس ایسے ویسے احتمالات سے اگر نسخ ثابت ہوگا تو کوئی مسئلہ شریعت کا ثابت نہ ہوگا۔ ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جوابات میں بہت کوشش کی ہے جس ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی ایک ہی ہے دو نہیں۔ یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہیں تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی ہیں نیند سے اٹھ کر نماز کا پڑھنا۔

قاموس میں ہے تَهَجَّدَ اِسْتَيْقَظَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے یہ امر ثابت ہوتا کہ ہے اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ نے اول شب تراویح پڑھی تھیں ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی۔ یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئیں اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو فرمان الٰہی فتهجد کی تعمیل نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی۔ اس لیے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عام طور پر نفی کر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور نے اسی اول شب کی نماز کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز کے کر کے نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ایسی ہیں جو ظہر کے لیے نہیں۔ حاصل کلام یہ

کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح اول رات تین روز پڑھی ہے جس سے اس فعل کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے چونکہ نسخ ثابت نہیں اس لیے تراویح کا اول شب پڑھنا بدستور سنت ہے۔ رہا تعداد رکعت کا سوال سو اس میں اہلحدیث کا کسی سے اختلاف نہیں کیونکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تراویح مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ بیس پڑھنے کی روایت آنحضرت ﷺ سے جو آئی ہے خود محققین حنفیہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس روایت کی بابت لکھا ہے **متفق علی ضعفہ مع مخالفته للصحیح** (یعنی اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے باوجود اس اجماع کے وہ صحیح روایت یعنی گیارہ رکعت والی کے خلاف ہے)

ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتوں کا ثبوت یزید بن رومان کی روایت سے ثابت ہوتا ہے سو اگر وہ روایت صحیح ہو تو بھی ہمارے مذہب کے خلاف نہیں کیونکہ ہمارا مذہب یہ نہیں کہ بیس رکعت حرام ہیں بلکہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں معہ وتر گیارہ بوجہ اس کے کہ خود آنحضرت ﷺ کا فعل ہے۔ سنت ہیں اور بیس رکعتیں درصورت ثبوت کے مستحب ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھی ہیں۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے چنانچہ شیخ ابن الہمام حنفی فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

فَحَصَلَ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ فِي جَمَاعَةٍ فَعَلَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ تَرَكَهٗ لِعُذْرٍ وَكَوْنُهَا عِشْرِيْنَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ. (فتح القدیر)

قیام رمضان میں سنت تو گیارہ ہی رکعتیں ہیں جو نبی ﷺ نے پڑھی ہیں اور بیس خلفاء کا فعل ہے۔

چونکہ ہم ہر ایک امر میں عدل کرنے کے لیے مامور ہیں اس لیے پیغمبر علیہ السلام کے فعل اور رتبہ کے برابر کسی کے فعل اور رتبہ کو مساوی جاننا بے ادبی سمجھتے ہیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں تو سنت ہیں، ہاں اگر کسی سے ہو سکے کہ باطمینان خاطر بیس پڑھے تو آٹھ سے زیادہ نوافل کے حکم میں ہو کر موجب ثواب ہوں گی، لیکن جس طریق سے ہمارے بھائی بیس پڑھتے ہیں کہ نہ تو قاری کی قرأت ترتیل سے ہوتی ہے نہ رکوع و سجود باطمینان ہوتا ہے، نہ قعدہ و قومہ درست۔ سو اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں۔ ع

محتسب را درون خانہ چہ کار؟

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے جیسا کہ آج کل دستور ہے ایک ہی طلاق ہوتی ہے یعنی عورت مطلقہ خاوند پر حرام نہیں ہوتی بلکہ اگر رجوع کرے تو کرسکتا ہے کیوں کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِيْ بَكْرٍ وَ سُنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِيْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ اِنَاةٌ فَلَوْا مَضَيْنَا ٥ عَلَيْهِمْ فَاَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ۔ (صحیح المسلم)

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک بھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیتے ہیں (جو شرع میں ناپسند ہے) کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے کام میں جلدی کی ہے جس میں شرع کی طرف سے ان کیلئے ڈھیل منظور رکھی گئی تھی۔ پس اگر ہم ان پر یہ حکم جاری کردیں تو مناسب ہے پس انہوں نے جاری کر دیا (جو کوئی ایک مجلس میں تین طلاقیں دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی)۔

اہلحدیث کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد ہدایت میں لوگ تین طلاقیں اگر ایک مجلس میں دیتے تھے تو ایک ہی گنی جاتی تھی اور یہ تو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ایسے عظیم احکام اپنے پاس سے ایجاد نہ کرلیا کرتے تھے بلکہ نبی ﷺ کے ارشاد سے کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ حکم بدستور رہا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسال تک بھی یہی حکم تھا۔ پھر جو لوگوں نے ایک ہی مجلس میں متعدد طلاقیں دینے کی عادت کرلی جو اگرچہ ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ مگر شرع شریف میں متعدد طلاقیں ایک ہی مجلس میں

دینی ناپسند کی گئی تھیں۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو روکنے کے لئے حکم جاری کر دیا کہ جو کوئی تین طلاق دے گا تین ہی شمار ہوں گی۔ جس سے یہ غرض تھی کہ لوگ یہ دھمکی سن کر ایسی ناشائستہ حرکت سے باز آجائیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا تمام دنیا میں بھی سوائے پیغمبر علیہ السلام کے کسی کو منصب شریعت نہیں چنانچہ ہم اس رسالہ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کر آئے ہیں۔ [1] پس اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم شرعی ہے؟ کچھ شک نہیں کہ شرعی یعنی ایسا نہیں کہ یہ حکم شریعت کا مسئلہ قرار دیا جائے بلکہ ایک سیاسی حکم ہے جو حاکم وقت کسی مصلحت سے یا کسی بدنظمی کے بند کرنے کو جاری کر دے یا کوئی سزا بڑھا دے جیسے حنفیوں کے نزدیک زانی کو جلا وطن کرنا جو صریح حدیثوں میں آتا ہے حد زنا سے زائد سیاسی حکم ہے شرعی نہیں۔ یعنی حاکم کی طرف سے بغرض دفع فساد ہے جو فساد عظیم اگر نہ ہو تو اس کا کرنا بھی چنداں ضروری نہیں۔

اسی حدیث کی تائید آیت قرآنی سے بھی ہوتی ہے جس میں طلاق کا ذکر ہے ارشاد ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی طلاق رجعی دو دفعہ ہے پھر اس کے بعد یا تو خاوند روک لے یا احسان اور سلوک سے چھوڑ دے۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ دو طلاقوں کے بعد خاوند کو دو باتوں میں ایک کر لینے کا اختیار ہے۔ یعنی وہ عورت کو روک بھی سکتا ہے اور چھوڑ بھی سکتا ہے۔ لیکن درصورت تین طلاقوں کو تین کہنے کے یہ اختیار نہیں رکھ سکتا کیونکہ جب کسی شخص نے ایک ہی مجلس میں

انت طالق ثلاثا۔ تجھے تین طلاق۔

کہہ دیا اور تینوں نے اس پر واقعہ ہو کر عورت کو مغلظہ یعنی حرام کر دیا ایسا وقت تو کوئی نہ نکلا جس میں خاوند کو اختیار ہو کہ اس کو روک سکے کیونکہ لفظ تو ایک ہی دفعہ منہ سے نکلا ہے۔

گو یہ تقریر اس صورت پر منطبق نہ ہو۔ جس میں

انت طالق ۔ انت طالق۔ انت طالق۔ تجھے طلاق۔ تجھے طلاق۔ تجھے طلاق۔

الگ الگ کہے۔ مگر چونکہ تین کے قائلین دونوں صورتوں میں برابر حکم لگاتے ہیں اس لیے یہ

---

[1] پچھلے صفحات پر بہ ذیل بحث تقلید شخصی ملاحظہ ہو۔

آیت فی الجملہ ہماری تائید اور ان کی تردید کرتی ہیں۔ (تفسیر کبیر ملاحظہ ہو)

صحیح مسلم والی حدیث سے جس کو ہم نے نقل کیا ہے ان تمام حدیثوں اور روایتوں کا جواب ہو سکتا ہے جو تین کے ثبوت کے لیے پیش کی جاتی ہیں جن میں سے بعض تو امامان دین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول ہیں جو مرفوع حدیث نبوی کے مقابلہ پر حجت تو کیا؟ پیش کرنا بھی بے ادبی ہے اور بعض مرفوع احادیث بھی ہیں لیکن نہ تو صحت میں اس حدیث کے برابر ہیں نہ ہی دلالت میں یہ حدیث صحت میں پکی ہے اور اس کی دلالت عبارت النص ہے جو تمام قسم کی دلالتوں سے مقدم ہے۔

اس حدیث پر اور تو جو کچھ سوالات وارد ہوتے تھے وہ تھے ہی۔ لیکن فاضل بہاری مصنف الغیاث نے جو سوال کیا ہے وہ بے شک اس قابل ہے کہ سارا نقل کیا جائے وہ یہ ہے۔

اس حدیث میں مطلقاً تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق بفم واحد یا بجلسة واحدة یا جلسات متفرق دینے کو لوگ ایک شمار کرتے تھے۔ تین برس خلافت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تو طلاق مغلظہ کی بیخ و بنیاد ہی کٹ جاتی ہے۔ طلاق مغلظہ کوئی باقی نہیں رہتی ہے۔ اور جب تک اس حدیث مذکورہ سے صاف لفظوں میں لفظ بفم واحد یا جلسہ واحد یا رجعی کا بتلایا نہیں جائے گا دلیل دعویٰ کے ساتھ منطبق نہ ہوگی دلیل عام سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہوسکتا ہے دعویٰ تو یہ ہے کہ تین طلاق بفم واحد یا بجلسہ واحد ایک رجعی ہوگی اور دلیل یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ ایک طلاق ہوتی تھی۔ ہرگز دلیل عام سے نتیجہ خاص نہیں نکلنے کا۔ ہاں اگر اس دلیل کو خاص کر دیجیے اور الفاظ محذوف و مقدر مان کر زبردستی نتیجہ خاص نکالنے پر کوئی آستین چڑھائے تو اس کا جواب کیا ہے مگر اہل بصیرت کے نزدیک دلیل کافی نہ ہوگی۔''

(ص ۴۶)

پورا مطلب اس عبارت کا تو مصنف موصوف ہی نے سمجھا ہوگا۔ مگر جہاں تک ہماری سمجھ رہنمائی کرتی ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کون سی تین طلاقیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شمار ہوتی تھیں۔ یعنی انت طالق ثلاثا والیں یا انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق والیں۔ یا تین طہروں والیں جو الگ الگ دی جاتی تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیسری شق چھوڑ کر باقی دونوں صورتوں والیں۔ کیونکہ تیسری شق یعنی

ایسی صورت میں تین طلاقیں جو الگ الگ صورتوں میں ایک ہوتی۔ کیونکہ تیسری شق یعنی ایسی صورت میں تین طلاقیں جو الگ الگ طہروں میں دی جائیں۔ یہ تو قرآن مجید کی صریح آیت سے سمجھ میں آتی ہیں۔ پھر ان کو بھی حدیث مذکور میں داخل کرنا یا داخل سمجھنا گویا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جناب میں بلکہ خود سرور کائنات کے حضور میں بے ادبی ہے کیوں کہ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس حکم قرآنی کو نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ تمام عمر اس کے خلاف کر کے طلاق مغلظہ کی بیخ و بنیاد ہی اٹھا دی تھی۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ توجہ نہ کرتے تو شاید طلاق مغلظہ جو قرآن شریف میں موجود تھی۔ دنیا میں وجود پذیر ہی نہ ہوتی۔ (چہ خوش) حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود قائل ہیں کہ لوگوں نے ایک ایسے امر میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے ڈھیل مدنظر رکھی گئی تھی۔ یعنی تین طلاقیں متفرق طور پر واقع کرنے کا ان کو حکم تھا جو یہ ایک ہی مجلس میں دے دیتے ہیں۔

علاوہ اس کے مصنف موصوف کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ دلیل عام سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ عام کے دو معنی ہیں ایک معقولی عام ہوتا ہے جسے کلی کہتے ہیں ایک اصولی عام ہوتا ہے معقولی عام سے تو مخصوص جزئی کا تحقق ضروری نہیں مگر اصولی عام مستلزم خاص کو ہوتا ہے۔ خاص کر حنفیوں کے مذہب میں جو عام اور خاص کو دلالت میں مساوی الاقدام مانتے ہیں۔ یہاں اگر عام ہے تو اصولی عام ہے جو خاص کو مستلزم ہے جیسا کہ اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ زید مشرک کو بھی شامل ہے۔ فافهم ولا تعجل اسی قسم کے اور بھی کئی ایک سوال ہیں جن کے جوابات مع مزید تحقیق اس مسئلہ کے زاد المعاد اور نیل الاوطار وغیرہ میں مل سکتے ہیں رسالہ ہذا کے مناسب شان جس قدر تھا وہ ادا کیا گیا۔

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم!

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ مفقود الخبر (جس کی کوئی خبر نہ ہو کہ کہاں ہے زندہ ہے یا مردہ) کی بیوی چار سال کے بعد چار ماہ دس روز عدت گزار کر نکاح ثانی کر لے۔ یہی مذہب امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی حکم صادر فرمایا تھا چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے۔

اِمْرَاۃُ الْمَفْقُوْدِ تَرَبَّصُ اَرْبَعَ سِنِیْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا۔

یعنی مفقود الخبر کی بیوی چار سال کے بعد چار ماہ دس روز عدت گزار کر نکاح کر لے۔ (موطا امام مالک رحمہ اللہ)

جمہور حنفیہ اس کے خلاف پر ہیں پھر ان میں کوئی تو اس کی میعاد نوے برس بتلاتا ہے کوئی ایک سو بیس برس۔ کوئی کہتا ہے جب اس کے خاوند کے ہم عمر عموماً مر جائیں تو نکاح کرنا جائز ہے مگر اس مسئلہ کی قوت ثبوت اور عورت مذکورہ کی قابل رحم حالت نے بہت سے محققین حنفیہ کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ اہلحدیث وغیرہ کے ہمصفیر اور متفق الرائے ہوں۔

صاحب در المختار جو فقہ حنفیہ میں ایک مشہور اور معتبر فتاویٰ ہے باب المفقود میں صاف اقراری ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیا جاوے ہندوستان کے علماء حنفیہ کے فخر مولانا عبدالحیٔ لکھنوی مرحوم نے بڑے ہی زور سے اس بات کا اظہار کیا ہے چونکہ آپ کی ساری تقریر دلپذیر ہے اسی لیے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ سے نقل کی جاتی ہے۔ مولانا موصوف بعد ذکر کرنے دلائل فریقین کے اور قابل ردکو رد کر کے فرماتے ہیں:

وبعد اللتیا والتی نقول قد صرح جمع من اصحابنا کصاحب جامع الرموز و صاحب الدر المنتقی شرح الملتقی و صاحب رد المختار وغیر هم بانه لو افتی حنفی فی ھذہ المسئلة بقول مالك عند الضرورة لا باس به و علی ھذا علی حیث افتیت غیر مرة بقول مالك ظنا منی انه قوی من حیث الدلیل ومع قطع

ہمارے اصحاب (حنفیوں) میں سے ایک جماعت جیسے مصنف جامع الرموز اور مصنف در المنتقی اور مصنف رد المختار وغیرہ نے صاف لکھا ہے کہ اس مسئلہ (مفقود الخبر) میں اگر امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر ضرورت کے وقت فتویٰ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتے ہیں میرا عمل بھی اسی پر ہے میں نے کئی ایک دفعہ امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کی دلیل قوی ہے۔ اور قطع

النظر عنه تقليد مذهب الغير جائز عند الضرورة اتفاقا ولست بمتفرد فى ذلك بل وافقته فيه جمعا من الحنفية ولقد عارضنى فيه جمع من افاضل عصرى فدفعت شبهات بعضهم وسكت عن جواب بعضهم علماء منى انهم لم يصلوا الى ما واصلت فهم معذورون وفى بحار جمود التقليد والتعصب مغمورون۔ (عمدہ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ)

نظر اس کے غیر امام کے مذہب کی تقلید ضرورت کے وقت سب کے نزدیک جائز ہے پھر فرماتے ہیں میں ہی تو اس میں اکیلا نہیں بلکہ حنفیوں میں سے ایک جماعت میرے ساتھ موافق ہے پھر فرمایا میرے زمانہ کے بعض علماء نے اس امر میں مجھ سے کچھ تکرار کی تو میں نے بعض کے شبہات تو رفع کر دیے اور بعض سے میں خود ہی خاموش رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کا مبلغ علم اتنا نہیں اور یہ وہاں تک نہیں پہنچے جہاں میں پہنچا ہوں۔ پس وہ معذور ہیں اور تقلید کے بھنور میں گرفتار۔

اہلحدیث کے خلاف ایک حدیث اور ایک قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقل کیا جا سکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: امراة المفقود امراته حتى ياتيها البيان۔ (یعنی مفقود الخبر کی عورت کو جب تک خاوند کی خبر نہ آئے اسی کی عورت ہے) یعنی نکاح ثانی نہیں کر سکتی۔ مگر اس حدیث کو تمام محدثین نے ضعیف بلکہ اضعف لکھا ہے (دیکھو تخریجات' ہدایہ' زیلعی' عسقلانی وغیرہ) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا جواب یہ ہے کہ اول تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں صحابی کا قول جو قیاس کے موافق ہو حجت نہیں۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ خلیفہ دوم جیسے جلیل القدر صحابی کا فیصلہ اس کے خلاف ہو۔ دوم یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس قول سے رجوع کیا۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر عمل کیا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطا)

علاوہ اس کے علمی طور سے اس پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے جو مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم کے لفظوں میں لکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ومما يرد فى هذا المقام اصحابنا ان قول الصحابى فيما لا

یعقل بالرائی فی حکم المرفوع فیقدم علی غیرہ و من المعلوم ان اثر عمر وغیرہ یخالف القیاس فیکون مرفوعا حکما فلا بد ان یوخذبه ویقدم علی الاثار الموافقة للقیاس وعلی القیاس۔ (حاشیه شرح وقایه کتاب المفقود)

ہمارے اصحاب (حنفیوں) پر یہ اعتراض ہے کہ صحابی کا قول کسی ایسے امر میں جو عقل اور اجتہاد سے نہ سمجھا جائے بلکہ شریعت کی تفہیم پر موقوف ہو حکماً مرفوع ہوتا ہے یعنی اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمایا ہے پس وہ دوسرے اقوال پر (جو ایسے نہ ہوں یعنی قیاس سمجھے جاسکتے ہوں) مقدم کیا جائے گا جب یہ اصول مقرر ہے تو اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول (کہ مفقود الخبر کی عورت چار سال تک انتظار کرے) قیاس کے خلاف ہے جو یقیناً مرفوع کے حکم میں ہوگا پس واجب ہے کہ اسی پر عمل کیا جائے اور جو اقوال صحابہ کے اس بارے میں قیاس کے موافق ہیں (کہ عورت مذکورہ ہمیشہ اس کی بیوی ہے) ان کو بھی اور قیاس کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

ہندوستان کے فخر الحنفیہ حضرت مولانا رشید احمد مرحوم گنگوہی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ جو درج ذیل ہے (یہ فتویٰ کارڈ پر ہمارے پاس بھی مہر زدہ موجود ہے)

فتویٰ

زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں بے شک علماء حنفیہ نے بوجہ ضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور عمل کیا ہے اور بندہ بھی بنا بر ضرورت اس مذہب پر عمل کرنا جائز جانتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ)

یہی مذہب اہل حدیث کا ہے اللہ تعالیٰ مولانا مرحومین کو اس رحم کی جزائے خیر دے۔ جو انہوں نے اس بے کس اور مظلوم عورت پر کیا آئندہ بھی جو علماء اس میں شریک ہوں۔ ان پر بھی اللہ تعالیٰ رحم کرے یرحم اللہ عبدا قال امینا۔

اہلحدیث کیوں اہلحدیث ہیں؟

''اہلحدیث'' لقب چونکہ پسندیدہ ہے۔ اس لیے ہمارے بھائی مقلدین اس لفظ کے سنتے ہی کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم ''اہلحدیث'' نہیں؟ تم ہی اہلحدیث ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن معنی میں اہلحدیث اور مقلدین کے طریق عمل بالحدیث الگ الگ ہیں اہلحدیث تو بموجب اصول مسلمہ حدیث کو دوم [1] درجہ قرآن سمجھ کر اور قرآن کے بعد تلاش مسائل کے وقت پہلی نظر حدیث پر ڈالتے ہیں۔ پس اگر باقاعدہ حدیث سے وہ مسئلہ مل گیا تو پھر انہیں اس بات کی پرواہ نہیں رہتی کہ اس مسئلہ میں کسی کا کیا مذہب ہے۔

اور کسی کا کیا خیال زید کیا کہتا ہے اور عمرو کیا فرماتا ہے بلکہ وہ بے کھٹکا اس پر عمل کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فتوں میں مقدم قرآن وحدیث لکھ کر پھر اگر کسی کا قول لکھتے ہیں۔ تو بطور تائید کے لکھتے ہیں نہ بطور اثبات مدعا کے ان کے دلائل میں سوائے قرآن وحدیث کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور یہی طریقہ تمام سلف صالحین کا تھا۔ مگر ہمارے بھائیوں (مقلدین) کا یہ طریق نہیں۔ بلکہ وہ اپنی دلیل میں اپنے امام کا قول نقل کر کے اکثر تو اسی پر قانع ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی مخالف کا خوف ہوا تو اس قول کی محض تائید کے لیے کسی حدیث کی تلاش کریں گے۔ ملی تو فبہا ورنہ اتنا ہی کافی ہے کہ ھی روایۃ عن الامام۔ (یہی روایت امام صاحب سے ہے) اور اگر کوئی حدیث امام کے مذہب کے خلاف ملی تو یہ تو ان سے ہو ہی نہ سکے گا کہ امام کے قول کو بحسن ظن سردست چھوڑ دیں۔ اور حدیث مصطفیٰ فداہ ابی و امی علیہ الصلوۃ والسلام پر عمل کریں نہیں۔ بلکہ سردست حدیث رسول اللہ ﷺ کو بایں تاویل چھوڑ دیں گے کہ اللہ جانے یہ حدیث کیسی ہے صحیح

---

[1] مرزا قادیانی اپنے معمولی دروغ بے فروغ سے کام لیتا ہوا اہلحدیث پر بہتان لگاتا ہے کہ اہلحدیث حدیث کو قرآن سے مقدم سمجھتے ہیں۔

(دیکھو ان کا رسالہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مباحثہ پر محاکمہ) یہ بہتان اس کا کچھ تو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے علم حدیث نہ تو کسی محدث سے پڑھا اور نہ اہل حدیث کے اصول سے واقف ہوا۔ کچھ اس لیے بھی کہ اہلحدیث ہی اس کی نبوت کی ٹانگ توڑنے کے زیادہ درپے ہیں) اللھم اخذل من خذل دینک وانصرنا علیہ یا خیر الناصرین۔ (۱۲ منہ)

ہے یا غیر صحیح۔ پھر اگر صحیح ہے تو منسوخ ہے یا غیر منسوخ و غیر ذلك من العذرات البارده مگر ''اہلحدیث'' کو ان باتوں کا خیال تک بھی نہ آئے گا۔ پس وہ یہی بناء ہے جس کی وجہ سے اہل حدیث تو اہلحدیث کہلانے کے مستحق ہیں۔ لیکن مقلدین نہیں اور غالباً یہ وجہ بالکل نمایاں ہے جس کی تسلیم میں کسی کو چون و چرا نہ ہوگی۔ میں نے ایک بڑے حنفی عالم سے جو شیخ العلماء حضرت مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ یہ اپنے کانوں سنا کہ ہم لوگ تو حدیث اس لیے پڑھتے ہیں کہ تم لوگ جو ہمیں تنگ کرتے ہو جواب دے سکیں ورنہ عمل کے لیے ہمیں کیا حاجت ہے۔ میں نے جب حیرانی سے ان کا یہ کلام سنا تو فرمانے لگے آپ حیرانی سے سنتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جب ہم مقلد ہیں تو ہمیں اپنے امام کی تحقیق سے کس کی تحقیق اچھی ہے؟ پس جو کچھ وہ تحقیق کر گئے ہیں ہمارے لیے تو وہی شاہراہ ہے۔ پس یہی وہ فرق ہے جس پر یہ پیارا نام مبنی ہے ورنہ یوں تو کون ہے جو یہ لقب اپنے حق میں نہ چاہتا ہو۔

کل یدعی وصلا لیلی ❶ ولیلی لا تقر لھم بذاکا

اور اگر کوئی مقلد ایسا ہی سعید ہو کہ ہمیشہ اس بات کی فکر میں رہے کہ کوئی مسئلہ بغیر ثبوت قرآن وحدیث کے نہ مانے اور ہر مسئلہ میں اہل حدیث کی طرح مقدم قرآن وحدیث ہی سے استدلال کرے جس مسئلہ کی گواہی یہ دو عادل گواہ دیں اس کو واجب التسلیم جانے اور جس کی بابت یہ گواہی نہ دیں۔ اسے متروک سمجھے تو ایسے صاحب بھی اہلحدیث کے محاورے میں اہلحدیث ہی ہیں گو ان کے نام کے ساتھ حنفی، شافعی وغیرہ ان کی طرف سے یا پچھلوں کی طرف سے ملائے گئے ہوں لیکن قلیل ماھم۔

اس بیان سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اہل حدیث کی غرض و غایت گروہ بندی سے نہیں تھی اور نہ ہے بلکہ ان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک محقق کو شامل ہے۔ جو شخص اپنی تحقیق کا دارومدار آزادانہ قرآن وحدیث پر رکھے وہ اہلحدیث ہے گو اس کی تحقیق کسی مسئلہ میں کسی امام یا محدث کی رائے کے خلاف بھی کیوں نہ ہو۔ جو لوگ اہلحدیث کہلا کر اپنی یا کسی دوسرے کی تحقیق کو کسی دائرہ میں محدود کرتے ہیں۔ ان کی رائے صحیح نہیں بلکہ حجرت واسعا کی مصداق ہے فافھم اس

---

❶ ہر ایک لیلیٰ کے وصال کا دعویدار ہے مگر لیلیٰ کسی کے حق میں اقراری نہیں ہے۔

مسئلہ کی مفصل بحث دیکھنی ہو تو حضرت حجۃ الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائے یا ہمارا رسالہ ''اجتہاد و تقلید'' دیکھیے۔ علاوہ اس کے وجہ تسمیہ میں اطراد ضروری نہیں فتفکروا یا اولی الالباب۔

اہلحدیث کے مذہب کا بانی کون ہے؟

اہلحدیث کے مذہب کے بانی سید الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ فخر آدم افتخار نبی آدم فداہ ابی و امی علیہ افضل الصلوۃ والسلام ہیں۔ چنانچہ اہلحدیث کے مسائل دیکھنے والوں پر یہ امر ذرہ بھر مخفی نہ ہوگا۔ کہ اہلحدیث ہر ایک مسئلہ پر قرآن شریف کی آیت یا حضور اقدس کی حدیث ہی سے مقدم استدلال کرتے ہیں۔ جہلا میں مشہور ہے کہ اہل حدیث کے مذہب کا بانی عبدالوہاب نجدی ہوا ہے مگر حاشا وکلا ہمیں اس سے کوئی بھی نسبت نہیں۔ یہ تو صاف بات ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنے بانی مذہب کے اقوال اپنے فتوؤں میں نقل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ہمارے بھائی حنفیہ' شافعیہ' امامیہ وغیرہم کے طریق عمل اس امر پر شاہد عدل ہیں۔ لیکن آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ کہ اہلحدیث نے کبھی بھولے سے بھی عبدالوہاب نجدی کے اقوال کو سنداً پیش کیا ہو۔ اور کہا ہو کہ ھذا قول امامنا عبدالوھاب وبہ ناخذ۔ (یہ قول ہمارے امام عبدالوہاب کا ہے) بلکہ اہلحدیث کے بہت سے افراد کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عبدالوہاب کون تھا؟ اس کی بود و باش کیا تھی؟ ہاں تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بھائیوں کی طرح وہ بھی ایک مقلد تھا۔ چنانچہ رسالہ جواہر الاتقان مطبوعہ افضل المطابع دہلی کے مصنف کو باوجودیکہ اہلحدیث سے سخت للّٰہی بغض ہے ایسا کہ بات بات میں ان پر متعدد افترا اور اتہام لگاتے ہیں اور سطر سطر میں ان کا نام وہابی اور نجدی رکھا ہے تاہم اس امر کا اقراری ہیں کہ عبدالوہاب نجدی حنبلی مذہب کا مقلد تھا (دیکھو رسالہ مذکورہ صفحہ ۱۱ سطر ۴) اور ردالمختار باب البغات میں صاف لکھا ہے۔

کانوا (ای عبدالوھاب واتباعہ) ینتحلون مذھب الحنابلۃ۔ یعنی عبدالوہاب نجدی اور اس کے اتباع حنبلی مذہب کے مقلد تھے۔

مولانا رشید احمد صاحب حنفی گنگوہی مرحوم کے فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ مراد آباد کے ص ۸ پر لکھا

ہے کہ ”عبدالوہاب نجدی بڑا خوش اعتقاد تھا اور حنبلی مذہب کا مقلد تھا۔“

اور ہمارے نزدیک تقلید کا وہی حال ہے جو ہم اس رسالے میں لکھ آئے ہیں پس باوجود اس بے تعلقی کے ہم کو عبدالوہاب کے پیرو یا اس کو ہمارے مذہب کا بانی بتلانا صریح جھوٹ اور دل آزاری نہیں تو کیا ہے؟ دراصل یہ ناپسندیدہ القاب اسی عشق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کرشمے ہیں جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عرب کے لوگوں سے صابی کا لقب دلایا تھا۔ آہ

بجرم عشق توام مے کشند و غوغا یست تو نیز برسر بام آ عجب تماشا نیست!

خلاصہ مذہب اہل حدیث

اہلحدیث کے مذہب کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی جو تعلیم سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ قرآن اور حدیث صحیحہ کے مخلوق کو فرمائی ہے۔ اس کا اتباع کرنا ہمارا مذہب ہے اور بس۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سرکاری دفتروں میں اہلحدیث کو وہابی لکھنے کی ممانعت

بعض دوست دریافت کیا کرتے ہیں کہ اہل حدیث کو سرکاری کاغذات میں وہابی لکھنے کی ممانعت کب ہوئی تھی اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ لہٰذا عام اطلاع کے لیے لکھا جاتا ہے کہ اہلحدیث کو سرکاری دفتروں میں وہابی لکھنے کی ممانعت ہے۔ ملاحظہ ہو چٹھی گورنر ہند بنام گورنمنٹ پنجاب مورخہ ۳ دسمبر ۱۸۸۹ء نمبر ۱۷۵۸

اتباع حدیث کی تاکید

(از مولوی خرم علی صاحب مرحوم)

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے — دردانہ درج مصطفیٰ ہے
صوفی و عالم و حکیم دینی — کرتے رہے اسی کو خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا؟ — جس نے پایا یہیں سے پایا
یہ شاہرہِ محمدی ہے — گنجینہ راز احمدی ہے
مشعل افروز راہ سنت — برہم زن بیخ و شاخ بدعت
ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول و کردار
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے — یاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے
اب زیادہ تو مجھ سے کر نہ کل کل — خورشید کے آگے کیا ہے مشعل
بالفرض فلاں ہے مرد کامل — اس نے تھا کیا کہاں سے حاصل
وہ بھی اسی در کا اک گدا تھا — گو غوث و امام و مقتدا تھا
مکتوب بہت ہیں تو نے دیکھے — ملفوظ محمدی کو اب لے
ناحق تجھے اور کچھ ہوس ہے — قرآن وحدیث تجھ کو بس ہے

حق ہو گا حدیث خواں سے خرم
اور شاد رسول فخر عالم

محدثین کرام

گروہ ایک جویا تھا علم نبی ﷺ کا لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازنِ علم دین جس بشر کو لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر
(حالیؔ)
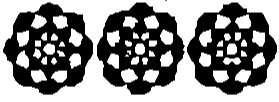
شمع توحید

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمع توحید

وجہ تالیف

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ امابعد!

۴ نومبر ۱۹۳۷ء ہندوستان میں عموماً اور امرتسر میں خصوصاً ایک، تاریخی دن ہے جس میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب پر واقعہ ہائلہ حملہ قاتلانہ ہوا' جس کی وجہ یہ ہوئی کہ یکم' سے تین نومبر تک پیر جماعت علی شاہ صاحب سے ارادت رکھنے والے امرتسر کے بعض حنفیوں نے جلسہ کیا، جلسے کا نام عُرس امام اعظم رکھا مگر حملہ سارا اہل توحید (جماعت اہل حدیث اور دیوبندیوں) پر تھا اور مسائل اعتقادیہ وہ بیان کئے جو بالکل قرآن وحدیث واقوال فقہاء کے خلاف تھے۔

(۱) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں۔ (۲) رسول صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔

(۳) حاجت روا ہیں۔ (۴) مشکل کشا ہیں۔

جوشیلے واعظوں نے یہ بھی کہا کہ وہابی کو مارنے سے نجات ہوتی ہے، ایک جوتا مارنے سے ایک حور ملتی ہے۔ وغیر ذالك من الخرافات۔

ان غلط خیالات کے جوابات کے لیے جماعت اہل حدیث نے مورخہ ۴ نومبر کو جلسے کا اعلان کیا جس کی منادی میں مولانا موصوف کا نام خصوصیت سے لیا گیا، چنانچہ مولانا ممدوح وقت مقررہ پر جلسہ گاہ (مسجد مبارک کٹڑہ مہاں سنگھ) پہنچ کر سواری سے اترے ہی تھے، کہ جلسۂ عُرس کے وعظ سے متاثر ہو کر ایک نوجوان مسمی قمر ولد نعمت بیگ نے حضرت مولانا پر ایک تیز دھار ہتھیار سے یارسول اللہ کا نعرہ لگاتے ہوئے حملہ کیا، جس سے مولانا کے سر پر سخت زخم آیا، اور ایک کاری زخم ناک پر بائیں آنکھ کو بچاتے ہوئے لگا۔ حملہ آور سے ہتھیار چھین لیا گیا جبکہ حملہ آور اپنے ہمراہیوں کی کوشش سے فرار ہو گیا اور اس کے متعلق قانونی کاروائی عدالت میں کی گئی۔

جمعیۃ تبلیغ اہل حدیث نے تجویز کیا ہے، کہ اس واقعہ کی یاد میں ایک ایسا رسالہ لکھا جائے، جو

ان عقائد فاسدہ کی تردید اور عقائد صحیحہ کی تعلیم پر مشتمل ہو، مولانا ممدوح نے یہ کام خود اپنے ذمہ لیا اور جماعت اہل حدیث نے اس کے اخراجات کے لیے چندہ دیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

چنانچہ یہ رسالہ آج ناظرین کے ہاتھ میں پہنچ رہا ہے۔ جمعیۃ کے زیر غور یہ امر بھی ہے چونکہ ایسے واعظ عموماً قصبات و دیہات میں پھر کر لوگوں کو اصل اسلام سے ہٹا کر غلط خیالات میں پھنساتے ہیں اس لیے اس رسالے کو کلاً یا جزءً پنجابی اور اردو زبان میں نظم کرا کر شائع کیا جائے جو صاحب نظم لکھنے پر قادر ہوں وہ اطلاع دیں کہ بلا معاوضہ لکھیں گے یا بالمعاوضہ۔ پنجابی زبان سے مراد ملتانی زبان ہے۔ کیونکہ ملتان تک شہر و دیہات میں سب لوگ اردو پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں جبکہ ملتان اور اس سے آگے اردو گویا اجنبی زبان خیال کی جاتی ہے۔ پس ملتان اور اس کے اردگرد کے احباب جمعیۃ کی مدد کریں۔ اور ایسے شاعروں کے متعلق معلومات فراہم کریں کہ جو یہ کام کر سکیں، اگر ہو سکے تو نظم کا نمونہ بھی بھیج دیں اور یہ کام جلدی کرنے کا ہے۔ آج کل لوگ دنیاداری کے امور میں جس قدر منہمک نظر آتے ہیں جماعت اہل حدیث کو اس سے زیادہ اشاعت توحید و سنت میں انہماک چاہیے۔ کیونکہ یہ جماعت اس کی ذمہ دار ہے۔

راقم محمد عبداللہ ثانی (رحمہ اللہ)

ناظم تبلیغ اہل حدیث پنجاب دفتر ڈھاب کھٹیکاں امرتسر

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمد الله و نستعینه

مقدمہ

سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب

ہمدردانِ اسلام کے لیے یہ دور کیسا نازک آ گیا ہے کہ ایک طرف اسلام اور ہادیٔ اسلام علیہ السلام کے منکروں کا زور ہے، وہ اپنی ساری زور آزمائی قرآن و رسالت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰة والتحیه کی تکذیب پر کر رہے ہیں۔ ان کی تصنیفات کے نام ہی ان کے مضامین کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مثلاً عدم ضرورتِ قرآن، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے کرامت، ترکِ اسلام اور رنگیلا رسول وغیرہ، اس قسم کی تصنیفات سے ان مصنفوں اور مبلغوں کا مدعا ایک اور صرف ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے دین اسلام کا نام دنیا سے مٹ جائے اور دنیا کے لوگ سید الانبیاء علیہ السلام کو (خاک بدہن اعداد) معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ بلکہ اور بھی کچھ سمجھیں۔

دوسری طرف یہ حالت ہے کہ اسلام قرآن اور رسالت محمدیہ کے ماننے والے اسلام اور رسالت کو ایسی شکل میں دکھاتے ہیں جو مخالفین کی پیش کردہ تصویر سے زیادہ بھیانک ہے، مثلاً وہ دنیا کے سامنے اسلام کی تعلیم اور اسلام کا کلمۂ توحید لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو یوں پیش کرتے ہیں۔

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

(الفقیہ امرتسر ۵ جنوری ۱۹۳۱ء)

وہ یہ بھی کہتے ہیں۔

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

ان سب خیالات کا ملخص ہم ایک مستند تحریر سے دکھاتے ہیں جو کسی شخص کی انفرادی رائے نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مرکزی جماعت کی شائع کردہ رائے ہے' جس سے ہماری مراد ''مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند'' ہے۔ انجمن مذکور نے ایک رسالہ متعلقہ عقائد موسومہ ''العقائد'' شائع کیا ہے جس کے مؤلف کا نام سرورق پر یوں لکھا ہے۔

''حضرت علامہ حکیم ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور۔''

رسالہ مذکورہ میں عقیدہ متعلقہ رسالت محمدیہ یوں لکھا ہے کہ:

حضور انور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں تمام جہان حضور کے زیر حکومت وتصرف ہے جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہان ان کا محکوم وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں۔ (ص ۳۵)

اس قسم کے اور عقائد بھی ہیں جو آج اسلام کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں' مثلاً رسول اللہ ﷺ کو بشر کہنا کفر ہے اور رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہیں اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں (رسالہ مذکور ص ۲۴) اس قسم کے عقائد سے اسلام کی بڑی بدنامی ہوتی ہے اور اسلام کے منکروں کو رکاوٹ اور ٹھوکر کا باعث ہوتے ہیں جو کسی سے مخفی نہیں' وہ دیکھتے ہیں کہ ایسی ذات جو تاریخی صفحات پر ہمارے سامنے کسی کا بیٹا ہے اور کسی کا باپ ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد کیسے ہوا' ایسے ہی موقع کے لیے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عیسائی مذہب جو حسب تعلیم قرآن اللہ کا نازل کردہ مذہب تھا عیسائیوں کی غلط فہمی اور غلط گوئی سے دوسری شکل اختیار کر گیا جس سے ہر ذی فہم انسان نفرت کر کے اس کو نا قابل قبول جانتا ہے۔ قرآن مجید نے اس پر بڑا سنگین فتویٰ لگایا ہے' ارشاد ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ: ۱۷)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مسیح ہے۔''

کیونکہ ایسے خیالات اسلامی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایک طرف منکرین اسلام

کے لیے رکاوٹ ہیں تو وہ دوسری طرف قائلین اسلام کے حق میں بھی موجب ضلالت، اس لیے یہ مختصر رسالہ لکھا گیا کہ فریقین کی غلط فہمی دور ہو سکے۔

وما توفیقی الا باللہ

خادم دین اللہ

ابوالوفاء ثناء اللہ (رحمہ اللہ)

امرتسر جنوری ۱۹۳۸ء ذیقعد ۱۲۵۶ھ

اصل مقصود

آج جس مسئلہ پر ہم قلم اٹھا رہے ہیں اس کے متعلق قرآن، حدیث اور کتب فقہ میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں ہے مگر مسلمانوں کی شومی قسمت سے یا جدت پسندی سے اس مسئلہ میں بھی ایسا اختلاف پیدا ہوا ہے کہ وہ جائز اور ناجائز یا راجح مرجوح سے گزر کر کفر (شرک کی حد تک پہنچ گیا ہے) یعنی ایک فریق دوسرے کو کافر اور مشرک کہتے سنے جاتے ہیں۔

یا للعجب و ضیعة الادب۔

غلو اور تنقیص

اس نزاع کے متعلق ایک فریق دوسرے کو غالی کہتا ہے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو توہین و تنقیص کنندہ اور بے ادب قرار دیتا ہے' اس لیے ہر فریق دوسرے فریق کو کافر کہنے میں خود کو حق پر جانتا ہے' اس مضمون میں ہم انہی دو لفظوں (غلو اور تنقیص) کی تشریح ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ناظرین کرام:

واضح رہے کہ غلو اور تنقیص کے معنی سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس شخص کا اصل مرتبہ ثابت اور مبرہن کیا جائے اس سے پہلے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق ذکر کروں، مطلب سمجھانے کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

کوئی شخص انٹر میں پاس ہے، جس کی سند اس کے پاس ہے اور وہ خود بھی اپنے کو میٹرک پاس کہتا ہے اور ایسے شخص کو پرائمری یا مڈل کہنا اس کی تنقیص ہے اور ایف اے یا بی اے کہنا غلو ہے۔ پس تنقیص کے معنی یہ ہوئے کہ کسی کے اصل رتبے سے اس کو کم کرنا اور غلو کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اصل رتبے سے بڑھانا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں رسول نبی اور وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فرمایا، جو لوگ ان کو اس رتبے سے ترقی دے کر اللہ تعالیٰ کی ابنیت (اولاد) تک پہنچاتے تھے، ان کے حق میں فرمایا:

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ط (المائدہ:۷۷)

اے کتاب والو! مسیح کے حق میں ناحق غلو نہ کرو۔

اسی طرح سید الانبیاء جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عالی ان لفظوں میں مقرر فرمایا:۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی سرائیل: ۹۳)

اے پیغمبر۔ صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دیجیے کہ اللہ پاک ہے اور میں بشر ہوں۔

پس ذات رسالت پناہ کا اصل منصب بشر اور رسول ہے اس سے کمی کرنا یعنی بشریت مان کر رسالت کا انکار کرنا تنقیصِ شان ہے جو شریعت کی اصطلاح میں کفر ہے۔ اور اس سے مزید ترقی دینا یعنی بشر اور رسول کے سوا کوئی اور لقب تجویز کرنا جو الوہیت کی شان تک پہنچتا ہو غلو ہے۔ پس ہمارے سامنے مسلمانوں کے دو گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو حسبِ اعلان الٰہی منصب رسالت و بشریت محمدیہ پر اعتقاد رکھتے ہیں' اس گروہ کا نام ہم اپنی اصطلاح میں فرقہ عادلہ تجویز کرتے ہیں اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اعلان الٰہی سے تجاوز کر کے ذات رسالت کو بزعم خود ترقی دے کر غلو کے درجہ پر پہنچتے ہیں' اس گروہ کا نام ہم اپنی اصطلاح میں فرقہ غالیہ تجویز کرتے ہیں چونکہ ہمارے نزدیک عادلہ گروہ حق پر ہے اس لیے ہم اس گروہ کی تائید میں آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

بشریت کے معنی کوئی تفصیل نہیں چاہتے بلکہ بشریت کے مختصر معنی آدم زاد ہیں یا بالفاظ دیگر انسان ہیں۔

پہلی دلیل:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ آپ کا حسب نسب سب دنیا جانتی ہے' یعنی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب اور آپ کے بشر ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

دوسری دلیل:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ۔

اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں کو کہہ دیجیے۔

بیوی کا ہونا بشریت اور انسانیت کا اعلیٰ ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (الانعام:١٠٢)

اور نہ ہی اس کی بیوی ہے۔

تیسری دلیل:

نبی ﷺ کا صاحب اولاد ہونا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ۔ (الاحزاب:٥٩)

اے ہمارے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو کہہ دیجیے

اولاد کا ہونا آپ کی بشریت اور انسانیت کا کافی ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۝ (الاخلاص:٣)

اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں جنا اور نہ ہی اس کو کسی نے جنا

چوتھی دلیل:

نبی ﷺ کھانا نوش فرماتے تھے۔

اسی لیے کفار مخالفین کہتے تھے

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ (الفرقان:٧)

کیا وجہ ہے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے۔

یہ مقولہ کفار کا قرآن مجید سے نقل ہوا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد الٰہی جو آیا ہے، اس میں نبی ﷺ کے کھانا کھانے کو تسلیم کر کے جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اس وصف میں شریک گردانا

ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝ (الانبیاء:۸)

اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا جو کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ زندہ نہیں رہے۔

ہم نے جو رسول بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے۔ہم یہی کھانا کھانے کا وصف اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کی الوہیت باطل کرنے اور انسانیت ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:۔

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائدہ:۷۵)

مسیح اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھایا کرتے۔

اس لیے یہ دلیل تمام دلائل سے قوی تر ہے۔

دلیل پنجم:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دیگر انسانوں کی طرح موت کا وارد ہونا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ (الزمر:۳۰)

اے نبی تم بھی وفات پا جاؤ گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے۔

وفات رسول کے بعد کے واقعات بتانے کی ضرورت نہیں قبہ خضرا جس کی زیارت حاجی لوگ کر کے آتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بین ثبوت ہے اور جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے موت نہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ (الفرقان:۵۸)

اس زندہ اللہ پر بھروسہ کرو جو کبھی نہیں مرے گا۔

اور جبکہ وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور انسانیت کا ثبوت ہے۔

چھٹی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف:۱۱۰)

اے رسول ان کو کہہ دو کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔

اس آیت میں نبی ﷺ کی شان بشر کے ساتھ "مثل" کا لفظ بھی بڑھا دیا گیا، اور یہ قرآن مجید کی نص صریح ہے کہ نبی ﷺ انسانوں کی طرح انسان تھے کس امر میں، آدم زاد ہونے میں کھانے پینے، صاحب اولاد ہونے اور بھول چوک میں، چنانچہ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

اَنَا بَشَرٌ اَنْسیٰ كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ (الحدیث)

میں بشر ہوں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو اور جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد کرا دینا۔

یہ آیات محکمات اور بینات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ اپنے دلائل میں ایسی واضح اور زبردست ہیں کہ انجمن حزب الاحناف ہند کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔

"نبی وہ بشر ہے جو اللہ کی طرف سے آئے اور احکام الٰہی اس پر بذریعہ وحی آتے ہوں جس قدر انبیاء گزرے سب بشر تھے۔" (العقائد ص۱۵، ۱۶ شائع کردہ مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور)

یہی عقیدہ سب مسلمانوں کا متفقہ ہے اور قرآن وحدیث اس پر ناطق ہیں۔

نوٹ:۔ اہل منطق کا قول ہے لَا تَشْكِيْكَ فِي الْمَاهِيَةِ جس کو وہ فخریہ بیان کیا کرتے ہیں اور اس پر وہ دلائل بھی دیتے ہیں یعنی ماہیت مقررہ نوعیہ کے افراد میں بحیثیت ماہیت فرق نہیں ہوتا۔ جن طالب علموں نے سلّم اور اس کی شرح ملا حسن قاضی مبارک وغیرہ پڑھی ہیں، اور جن اساتذہ نے یہ پڑھائی ہیں ان سے یہ حقیقت مخفی نہیں۔ عالم الغیب اللہ تعالیٰ نے بشر کے ساتھ مثلکم کا لفظ بھی اسی لیے بڑھایا تاکہ یونانی منطق اور ان کا اتباع کرنے والے اپنے اصول کے موافق قرآن کو پا کر ایمان لائیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بشریت کے بعض افراد میں خاص وصف زائد علی البشریت ہوتا ہے قرب اور خطاب الٰہی اسی کا نام ہے اس کا بیان يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں فرمایا گیا۔

پس مقام مسرت ہے کہ انجمن حزب الاحناف اور جماعت اہلِ توحید دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ نبی ﷺ بشر رسول اور صاحب الوحی تھے۔ (ﷺ)

شکر للہ کہ میان من و او صلح فتاد   صلح جویان بخوشی سجدۂ شکرانہ زدند

اس کے مخالف عقیدہ

باوجودیکہ یہ عقیدہ سب مسلمانوں میں متفقہ ہے اور شرح عقائد وکتب اسلامیہ میں بھی رسول کی تعریف میں بشر کا لفظ داخل کیا گیا ہے۔

هو بشر بعثه الله لتبليغ الاحكام

مگر اس کے باوجود بعض اطراف سے یہ آواز آتی ہے جس کا اظہار پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے اپنی تقریروں میں بارہا کیا' اسی کے اثر سے جلسہ عرس امام امرتسر میں تقریریں کی گئیں کہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ میں فرق کرنا اور آپ کو بشر جاننا کفر ہے۔

پیر صاحب مذکور اپنی تقریروں میں یہ آیت پڑھا کرتے ہیں:۔

قَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا۔ (التغابن:٦)

''کافروں کا مقولہ'' کیا بشر ہم کو ہدایت کرتے ہیں پس وہ کافر ہو گئے۔''

پیر صاحب موصوف نے اس آیت قرآنیہ کا مطلب یہ سمجھا اور اپنے مریدوں کو سمجھایا ہے کہ کفروا کی تفریع بشر کہنے پر ہے' حالانکہ کفار کا استفہام ''یهدون'' پر تھا۔ اور وہ اسی کو مستبعد سمجھتے تھے' اس لیے بشر پر استفہام نہیں ہو سکتا کیونکہ بشریت کی تسلیم خود انبیاء کرام علیہم السلام نے کفار کے جواب میں فرما دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (ابراهيم:١١)

''رسولوں نے کفار کے جواب میں کہا یقیناً ہم تمہارے جیسے بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے، یعنی وحی نازل کرتا ہے۔''

یہ آیت بصراحت النص دلالت کرتی ہے کہ پیر صاحب کا مطلب جو وہ سمجھے اور سمجھایا بالکل غلط اور تعلیم انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے۔

اِس طُرفے پر طُرّہ:

پیر صاحب اور ان کے مریدین نصوص قرآنیہ سے جب مجبور ہو جاتے ہیں اور اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اہل توحید کے منہ سے سنتے ہیں تو وہ گھبراہٹ میں یا اپنے علم و دیانت میں یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ "یہ حکم الٰہی ہے اللہ جس طرح چاہے بولے' باپ اپنے عالم فاضل بیٹے کو نام لے کر بلائے تو عوام کو لائق نہیں کہ اسی طرح سے اسے بلائیں' اس لیے اس آیت سے بقول پیر صاحب یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ کو بشر کہنا جائز ہے۔"

ہم پیر صاحب کے اس مجتہدانہ جواب کی قدر کرتے ہیں، مگر نہایت افسوس بلکہ محبت سے عرض کرتے ہیں کہ پیر صاحب! اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ اور مقولہ الٰہی ہے اللہ کے جملہ اسمیہ خبریہ میں صداقت ضروری ہے، (خاص کر آپ کے نزدیک کیونکہ آپ عقیدہ امکان کذب باری کو کفر سمجھتے ہیں) پس اس جملہ خبریہ کی نسبت جو اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے، صدق کا اعتقاد رکھنا چاہیے، یا کذب کا، یعنی یہ اعتقاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ جملہ فرمایا صحیح ہے یا یہ سمجھیں کہ غلط ہے' اگر صحیح ہے تو ہمارا آپ کا اتفاق اور اگر غلط ہے تو امکان کذب باری کیا یہاں تو اطلاق کذب باری ہو گیا۔ اور یاد رہے کہ ہمارا سوال قول پر نہیں بلکہ عقیدہ پر ہے ہم آپ کی خاطر مان لیتے ہیں کہ کوئی شخص ساری عمر رسول اللہ کو بشر نہ کہے بلکہ حسب فتویٰ آپ کے تراویح میں جب حافظ قرآن اس آیت پر آئے تو اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ آیت بھی چھوڑ دے۔ اور آپ اگر حکم جاری کر دیں کہ آپ کے مریدین جو قرآن مجید چھپوائیں تو یہ آیت بھی متن میں درج نہ کریں بلکہ حاشیہ پر لکھ دیں تاکہ قول کی نوبت نہ آئے۔ مگر بلحاظ اخبار الٰہی عقیدہ ضرور رکھنا ہو گا ورنہ یہ کہنا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے غلط کہا ہے۔

لطیفہ:

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ شیعہ میں ایک گروہ ایسا گزرا ہے جن کا عقیدہ تھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے خیانت سے علی رضی اللہ عنہ کی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی۔ اس مجرمانہ خیانت پر علامہ موصوف لکھتے ہیں فکفروہ یعنی اس فرقہ رافضہ نے اس پر کفر کا فتویٰ

لگایا ہے۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نزدیک رسول کو بشر کہنا جب کفر ہوا تو اب منطقی شکل کا صغریٰ کبریٰ یوں بنے گا۔

صغریٰ:۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کو بشر کہا۔

کبریٰ:۔ جو رسول کو بشر کہے وہ کافر ہے۔

نتیجہ:۔ اگر گویم زباں سوزد۔ (اگر میں کہتا ہوں تو زبان جلتی ہے)

مختصر یہ ہے کہ نبی ﷺ بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام نوع بشر سے تھے' مخاطبین الٰہی اور مقبولان بارگاہ تھے' اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے بولتے تھے۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النجم)

ان کی شان میں نازل ہوا' چونکہ یہ عقیدہ ہر مسلم بلکہ غیر مسلم میں بھی متفقہ ہے اس لیے ہم اس کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے اور گروہ غالیہ کی توہمات کے جوابات دیتے ہوئے اس کے دوسرے فروعات پر توجہ کرتے ہیں۔

توہمات اور ان کے جوابات:

ہم شروع میں کہہ آئے ہیں کہ رسالت کے متعلق غلو کرنے والے غالی گروہ ہیں، اور قرآن مجید نے لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ کا ارشاد فرمایا۔ گروہ غالیہ بھی اپنی سند قرآن مجید سے دیتے ہیں جو دراصل ان کا استدلال نہیں بلکہ توہم ہے' وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جو ارشاد ہے وہ ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے اور جو آیت وہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:١٧)

غالیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کے فعل رمی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے' لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور نبی (ﷺ) ایک ہیں۔

جواب:

ان کا یہ وہم اور شبہ قرآن مجید کی اصطلاحات اور اسلوب بیان سے ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہے حقیقت یہ ہے کہ فعل کا صیغہ جیسے کسی کام کی ابتدا پر بولا جاتا ہے اسی طرح اس کی تکمیل پر بھی

وہی صیغہ بولا جاتا ہے اور اسی آیت کے پہلے الفاظ ہی ان کے اس وہم کے دور کرنے کے لیے کافی ہیں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال:١٧)

یعنی تم مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔

یعنی تمہارے فعل قتل کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے کی یہ بالکل صحیح ہے اور بقول طائفہ غالیہ لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے متحد ہو گئے ہوں کیونکہ ان کے فعل قتل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔

ہمارے دعویٰ کی دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (الواقعة: ٦٣- ٦٤)

یعنی اے کھیتی کرنے والے زمیندارو! بتاؤ کہ جو کھیتی باڑی تم کرتے ہو اس کی زراعت تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں۔

حرث اور زراعت دونوں مترادف لفظ ہیں' مقامِ غور ہے کہ جس فعل ''حرث'' کو مخاطبوں کی طرف منسوب کیا ہے پھر اسی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کر دیا' تو کیا زراعت پیشہ زمیندار عبداللہ، رام دتا، اور نتھا سنگھ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں' ہرگز نہیں بلکہ اصول وہی ہے کہ انسان کسی فعل کی ابتدا کرتا ہے اس کی اتنی ہی طاقت ہے کہ کام کی ابتدا کر سکے اور جبکہ اس کام کی تکمیل اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر کنکریاں پھینکیں تو کفار کی آنکھوں میں پہنچا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا' اسی لیے فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں ان کی آنکھوں میں پہنچائیں۔

بیرونی قرائن سے قطع نظر خود اسی آیت وَمَا رَمَيْتَ (الآیہ) پر غور سے نظر کی جائے تو طائفہ غالیہ کا جواب کافی مل سکتا ہے' اس آیت کے سارے الفاظ پر غور کیجیے۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ۔ اذ رمیت میں اثبات ہے اس بات کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں ماریں اور اس سے پہلے رمیت کے ساتھ نفی ہے' پس اگر یہ نفی اور اثبات ایک ہی چیز کے متعلق ہیں تو یہ صریح اختلاف ہے جو

قرآن مجید کی شان کے خلاف ہے اور ہاں ہمارے پیش کردہ اصول کے مطابق معنی آیت کے یہ ہیں۔

اے نبی (ﷺ)! جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو تم نے ان کو کفار کی آنکھوں تک نہیں پہنچایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہنچا کر اس فعل کی تکمیل کی اور یہ بالکل صحیح ہے، جیسے:

لَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔

اور اس سے قبل کی آیت اپنے معنی میں صحیح ہے۔ مختصر یہ کہ طائفہ غالیہ کے استدلال پر ہماری طرف سے نقض اجمالی یہ ہے کہ ان کے استدلال سے نہ صرف رسول اللہ کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات سے متحد ہوئی بلکہ تمام مسلمانان جمیع، زمیندار (نتھا سنگھ اور رام دتا) کا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہونا لازم آئے گا اور یہ بالکل وہی سناتن دھرمی عقیدہ ہے جس کو وہ ان لفظوں میں بیان کیا کرتے ہیں ۔

رام راجا. رام پرجا رام ساہوکار ہے   بسے نگری جیوے راجا دھرم کا اوپکار ہے

دوسرا اوہام:

طائفہ غالیہ اپنے عقیدہ پر ایک اور آیت پیش کیا کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:١٠)

اے رسول جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے تو وحدت ثابت ہوگئی؟

جواب:

یہ دلیل بھی قرآن مجید کی اصطلاحات نہ سمجھنے پر مبنی ہے کیونکہ قرآن شریف کی اصطلاح میں رسولوں کے ساتھ معاملہ کرنا تصدیق ہو یا تکذیب، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النسا:٨٠)

جس نے رسول کا کہا مانا پس اس نے اللہ تعالیٰ کا کہا مانا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ (الانعام: ۳۳)

اے نبی (ﷺ) کفار تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں۔

یعنی دراصل معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔

اس آیت کو بخوبی سمجھانے کے لیے ہم ایک دوسری آیت پیش کرتے ہیں جو گروہ غالیہ کے تمام شبہات دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ۔ الآیہ (آل عمران: ۱۴۴)

محمد ﷺ (ابن عبداللہ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں' بھلا اگر وہ مر جائیں یا قتل کیے جائیں تو تم لوگ دین سے پھر جاؤ گے؟

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محل موت قرار دیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر صحیح بخاری میں یوں ملتی ہے کہ جب نبی علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ازراہِ محبت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں اضطراب پیدا ہوا جو کہ ہونا لازمی تھا' تو اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں خطبہ پڑھا جس میں یہ الفاظ بھی تھے:

من کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قدمات و من کان منکم یعبداللہ فان اللہ حیٌّ لا یموت۔ قال اللہ تعالیٰ ما محمد الارسول قد خلت من قبلہ الرسل (الآیہ)

"جو شخص تم میں سے محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا (وہ نہ کرے) کیونکہ محمد (ﷺ) فوت ہو چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (وہ کرتا رہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں) فرماتا ہے محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں (اور جبکہ) ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے۔"

یہ آیت اور روایت، رسالت اور الوہیت میں موت اور حیات کا تقابل بتا رہی ہے، یعنی ذات رسالت کو محل موت اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو دائم الحیات ثابت کرتی ہیں اور یہی معنی ارشاد الٰہی:

هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (وہی اللہ دائم زندہ ہے اور کوئی نہیں) کے ہیں۔

وہم نمبر ۳:

طائفہ غالیہ کی طرف سے یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے:۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔

(الانفال: ۲۴)

یعنی ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور رسول کا، جب وہ تمہیں بلائے اس کام کے لیے جو تمہیں روحانی زندگی بخشے۔

اس آیت سے ان کا استدلال اس طرح ہے کہ دعا صیغہ مفرد ہے، حالانکہ اس کا مرجع تثنیہ (اللہ اور رسول) ہے۔ اس مفرد صیغہ سے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ایک ہیں۔

جواب نمبر ۳:

یہ بھی ایک وہم اور عدم فہم قرآن کریم کے نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔ دعا کی ضمیر صرف رسول کی طرف ہے اور آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بذات خود استجابت کا حقدار ہے، اس کے لیے **اذا دعاکم لما یحییکم** کی شرط اس میں نہیں۔ رسول کی دو حیثیتیں ہیں، پہلی بشریت کی اور دوسری رسالت کی اور اسی لیے رسول کی استجابت کے لیے **اذا دعاکم لما یحییکم** کی شرط لگائی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات ہر حال میں مانو اور رسول کا وہ حکم تم پر واجب العمل ہے جو رسالت کی حیثیت میں ہو۔ اس کی منطقی اصطلاح سمجھنا اور سمجھانا بالکل آسان ہے۔ **استجیبوا الله** قضیہ ضروریہ (۱) مطلقہ اور **استجیبوا الرسول** قضیہ مشروطہ عامہ کا مادہ ہے۔

فافهم ولا تکن من القاصرين۔

چنانچہ نبی ﷺ نے خود فرمایا ہے۔

---

(۱) منطق کے اس استدلال پر بریلویہ نے اعتراض کیا، اور مولانا نے اس کا جواب نور توحید میں دیا ہے۔

''جب میں تم کو دین کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو، اور جب دنیا کا کوئی کام بتاؤں تو تمہیں اختیار ہے، کیونکہ تم دنیا کے کام مجھ سے بہتر جانتے ہو۔'' (مشکوٰۃ)

سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئیں تو نبی ﷺ نے اس کو مغیث کے ساتھ نکاح باقی رکھنے کی بابت فرمایا تو اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ آپ حکم فرمارہے ہیں یا مشورہ دے رہے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ (یہ میرا حکم نہیں بلکہ) مشورہ ہے، بریرہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اگر یہ آپ کا مشورہ ہے تو پھر میں اس مشورہ پر عمل نہیں کرسکتی۔ (مشکوٰۃ)

سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا اور نبی ﷺ کے اس مکالمہ سے صاف ثابت ہے کہ ہم نے مندرجہ بالا آیت کی جو تشریح کی وہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر وہ معنی ہوتے جو غالیہ کہتے ہیں تو بریرہ کی یہ عرض معروض نہ صرف بیجا ہوتی بلکہ موجب عذاب اور باعث عتاب ہوتی۔

وہم نمبر ۴:

غالیہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ اور رسول کی وحدت پر یہ آیت پیش ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبۃ:۶۲)

کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مرجع اللہ تعالیٰ اور رسول تثنیہ ہے اور جبکہ ضمیر (ہ) مفرد ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ایک ہیں۔

جواب نمبر ۴:

اس آیت کے سمجھنے میں بھی ان پر وہم کا اثر ہے علم نحو کے مطابق تقدیر کلام پاک یوں ہے:۔

واللہ احق ان یرضوہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔

آیت موصوفہ میں دراصل دو جملے ہیں، اَحَقُّ پہلے جملہ میں اللہ کی خبر ہے اور دوسرے میں بھی محذوف منوی ہو کر رسول کی خبر ہے۔ اس آیت کی مثال میں ہم دوسری آیت پیش کرتے ہیں۔

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ (التوبۃ:۳)

اس آیت میں بھی بریءٌ، رسولہ کی خبر ہے جو محذوف معنوی ہے، بلکہ اگر اسی آیت (پیش کردہ طائفہ غالیہ) پر غور کیا جائے تو وہم دور ہوسکتا ہے، وہ اس طرح کہ رسولہ مرکب اضافی

ہے اور مرکب اضافی میں مضاف اور مضاف الیہ الگ الگ ہوتے ہیں خاص کر اس صورت میں کہ جس میں مضاف بذاتہٖ ذو اضافت لفظ ہو، جیسے ابن اور رسول وغیرہ' ورنہ اضافت الشیء الی نفسہٖ لازم آئے گی' پس ثابت ہوا کہ غالیہ کا وہم مضمون آیت سے بالکل بعید ہے۔

آسان راستہ:

کون مسلمان نہیں جانتا کہ نماز کے قعدہ میں کلمۂ شہادت کے یہ الفاظ ہر مسلمان کے منہ سے نکلتے ہیں جن کو وہ راہِ نجات سمجھتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

پہلا حصہ الوہیت کا ہے' دوسرا رسالت کا اور رسالت کے ساتھ عبدیت کو بھی جوڑ دیا گیا ہے، اور عبد اور مالک میں جو فرق ہے وہ سب جانتے ہیں' پس معنی اس کلمہ شریف کے یہ ہیں کہ الوہیت کی جملہ صفات اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہیں اور جملہ صفات عبدیت جناب محمد (ﷺ) بن عبداللہ میں موجود ہیں تو پھر الوہیت سے رسالت کی وحدت کیسے

اللّٰهم صل علیٰ محمّد و علیٰ ال محمد و اصحاب محمد و بارك وسلم۔

تکمیل:

نبی ﷺ کی زندگی کے دو حصے ہیں ایک نبوت سے قبل اور دوسرا نبوت کے بعد اور قبل نبوت حصہ زیر بحث نہیں ہے۔ اس میں گروہ عادلہ و غالیہ غالباً دونوں متفق ہونگے کہ نبی ﷺ بشر تھے اور طائفہ غالیہ کو غلطی نبوت کے بعد والے حصہ میں لگی ہے۔ اس تکمیل میں مختصر طور پر ہم ان کے شبہ کا ازالہ کرتے ہیں پس غور سے سنئے کہ نبوت کی ابتدا نزول قرآن سے ہوگی اور نزول قرآن کے لیے یہ الفاظ ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکھف:1)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابتداء نبوت کے وقت نبی ﷺ کو اپنے بندے کے لقب سے ملقب کیا ہے جو بشر کی حدود میں اعلیٰ بشر ہوتا ہے۔ بعد نبوت شب معراج میں جو قرب الٰہی نبی

ﷺ کو حاصل ہوا وہ سب قربوں سے بلند تر تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (بنی اسرائیل:۱)

پاک ہے وہ ذات کہ جس نے اپنے بندے (1) کو رات کے وقت سیر کرائی۔

باوجود شب معراج میں اعلیٰ قرب ہونے کے عبد سے زیادہ نہیں کہا گیا کیونکہ اس سے اوپر بشر کے لیے کوئی درجہ نہیں۔

ملاحظہ ہو انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ارشاد الٰہی:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ (ص:۴۵)

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب علیہم السلام کے احوال سنا جو بڑی بینائی اور معرفت الٰہی رکھتے تھے۔ اَللّٰھم صلِّ علیھم اجمعین۔

وہم پنجم:

ان کے اس وہم کی بنا اس حدیث پر ہے جس میں نبی ﷺ کی دعا کے الفاظ یوں آئے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّعَصَبِیْ نُوْرًا وَّلَحْمِیْ نُوْرًا وَّدَمِیْ نُوْرًا وَّشَعْرِیْ نُوْرًا وَّ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔

ترجمہ: "اے اللہ میرے دل میں نور کر دے اور میری آنکھ میں نور کر دے اور میرے کان میں نور کر دے اور میرے دائیں نور کر دے اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور

(1) احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں عبد روح مع الجسد کا نام ہے۔ ملفوظات حصہ سوم ص ۴۴ طبع بریلی۔

میرے پیچھے نور کر دے اور میرے واسطے نور پیدا کر دے اور میری زبان میں نور کر دے اور میرے پٹھوں میں نور کر دے اور میرے گوشت میں نور کر دے اور میرے خون میں نور کر دے اور میرے بالوں میں نور کر دے اور میرے بدن میں نور کر دے اور کر میری جان میں نور کر دے اور بڑا کر واسطے میرے نور، اے اللہ اور بخش مجھ کو نور۔"

اس دعا سے وہ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ بلحاظ قبولیت دعا کے نور ہی نور ہو گئے تو پھر بشر کہاں رہے؟

اسی کو کہتے ہیں "الغريق يتشبت بالحشيش" یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

جواب نمبر ۵:

حدیث میں ہے کہ جو نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے وہی سب مسلمانوں کو دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔

قرآن مجید میں فرمان:

يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید:۲۸)

اللہ تعالیٰ تم کو نور دے گا جس کے ساتھ تم چلو گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خاص کر پہلے طبقہ کو حسب وعدہ نور بخشا تو وہ سب نور میں مل کر ایک ہو گئے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (الکہف:۵)

تصویر:

طائفہ غالیہ کی تصویر مولانا حالی مرحوم نے خوب دکھائی ہے۔

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں ۔۔۔ اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں ۔۔۔ شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے ۔۔۔ نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

معذرت:

نبی ﷺ بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے باپوں کی اولاد اور اپنی اولادوں کے باپ تھے جس کا نتیجہ صاف ہے کہ ان کی بشریت بدیہی ہے۔ اور اہل منطق کہا کرتے ہیں کہ بدیہی کسی علم کا مسئلہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہم نے اتنے دلائل کیوں دیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کوئی منطقی اہل علم ہمارے فعل کو عبث قرار دے کر ہمیں موردِ عتاب ٹھہرائے اور یہ کہے کہ آپ نے اصول "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کو ملحوظ نہیں رکھا۔ تو ایسے اہل علم کی خدمت میں ہماری معذرت ہے کہ بدیہی کو اہل عبادت جب پردہ جہالت میں اس درجے تک چھپا دیں جس کا اظہار مولانا حالی نے بڑے دردِ دل سے کیا ہے تو اس پر تنبیہ کا لانا لازم ہے اور اساطین منطق نے اس کی اجازت دی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت اعلیٰ بدیہات سے ہے مگر چونکہ دہریہ غالیہ منکر ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے لیے تنبیہات کا بیان کرنا جائز ہے اور اسی لیے ہم نے کیا۔

والعذر عند کرام الناس مقبول۔

طائفہ غالیہ کی بلند پروازی:

یہاں تک تو ہم الوہیت اور رسالت کا ذکر کرتے آئے ہیں اب ہم بتاتے ہیں کہ غالیہ کا ایک گروہ اس سے بھی ترقی کر گیا' اس کی تعریف اور تعارف ہم نہیں کرا سکتے بلکہ ان کے عقیدہ کے الفاظ ہی نقل کر دیتے ہیں' جو یہ ہیں:

"عقائد قادریہ ایں است"

اول محی الدین	آخر محی الدین	ظاہر محی الدین
باطن محی الدین	حاضر محی الدین	ناظر محی الدین
قادر محی الدین	میراں محی الدین	شنوا محی الدین
بینا محی الدین	گویا محی الدین	زندہ محی الدین

ذات محی الدین	صفات محی الدین	صورت محی الدین
معنی محی الدین	جان محی الدین	جہان محی الدین
ایں جہاں محی الدین	آنجہان محی الدین	ہردم محی الدین
ہے بھی محی الدین	ہوسی محی الدین	المحی الدین
ہوالمحی الدین	یامحی	یامحی
یامحی	فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ	

رسالہ درود شریف ''کبریت احمر'' مصنفہ میاں صاحب سید محی الدین شاہ سجادہ نشین بٹالہ (پنجاب)

دوستو!

اگر یہی اسلام کی تعلیم ہے تو یہ تعلیم تو اسلام سے قبل عرب، ہند وغیرہ سارے ممالک میں جاری ساری تھی۔

ناظرین! ہم نے یہ الفاظ جواب دینے کے لیے نقل نہیں کیے بلکہ اس لیے نقل کیے ہیں کہ امت مسلمہ کے افراد غور کریں کہ اسلام کا کیا حال ہو رہا ہے۔ آہ! ؎

فلیبك علی الاسلام من کان باکیا

جو رونا چاہے وہ اسلام کی حالت پر روئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

علم غیب

مسئلہ علم غیب بھی مسلم فرقوں میں متفق علیہ ہے' اس کے پہلے کہ اس کے دلائل بیان کیے جائیں موضوع کے مسئلے کا بتانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا ذکر جن لفظوں میں کیا گیا ہے، اس کو سامنے رکھنا لازم ہے تا کہ موضوع مسئلہ سامنے آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانعام:۵۹)

علم غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا' اس (اللہ تعالیٰ) کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ جنگلوں اور سمندروں کی چیزوں کو بھی جانتا ہے' کوئی پتا بھی گرے تو اس کو بھی وہ جانتا ہے' کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں ہو اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی بھی پتا تر ہو یا خشک (وہ تمام) اس کے روشن علم میں ہو کر لوح محفوظ میں ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ:۲۵۵)

اللہ تعالیٰ مخلوق کے آگے اور پیچھے کی سب چیزیں اور واقعات جانتا ہے اور انسان بلکہ جملہ مخلوقات اس کے علم سے اسی قدر جان سکتے ہیں جتنا وہ چاہے۔

اس آیت کی تفسیر بتانے کے لیے بطور مثال ایک چیونٹی کو سامنے رکھ لو' اس کے اعضاء کو دیکھو اس کی ٹانگیں کتنی ہیں' آنکھیں کس مقدار میں ہیں، دل جگر پھیپھڑا کس قدر ہے' اس کے توالد و تناسل کیا کیا انتظام ہے' اس کی نانی دادی کون تھی۔ ما خلفهم کو سامنے رکھ کر پیچھے کو چلے جاؤ اس کے جملہ حسب ونسب ددھیال ونھیال کو سوچو' پھر اس کے مابین ایدیهم کو سامنے رکھ کر سوچو

کہ اس کی بیٹی کون ہوگی، اس کی پوتی کون ہوگی، اور پھر اس سے آگے کیا ہوگی، فنائے دنیا۔ اسی طرح کھیتی باڑی والی زمین میں سے ایک گز بھر زمین سامنے رکھ لو اور سوچو کہ آج اس میں کتنی بالیں ہیں، اس میں کتنے دانے ہیں اور ما خلفھم کو سامنے رکھ کر پیچھے کو چلے جاؤ اور سوچو کہ پچھلے موسم میں اتنی زمین میں سے کیا کچھ پیدا ہوا تھا اور اس سے پہلے کیا تھا ابتدائے آفرینش۔ اسی طرح ما بین ایدیھم کو سامنے رکھو اور سوچو کہ آئندہ موسم میں اس میں کیا پیدا ہوگا، اس کے بعد کیا ہوگا اور پھر تا فنائے دنیا کیا ہوگا اور اسی طرح ہر جاندار کے بارے میں غور کرو۔

آج سائنس کی تحقیق ہے کہ ایک انچ مربع بھر پانی میں دس دس کروڑ کیڑے چلتے پھرتے ہیں۔ تو ان سب کا علم اور ان کے پہلوں اور پچھلوں کا علم یہ سب خاصۂ الٰہی ہے، یہ چند مثالیں بطور تمثیل بیان کی ہیں ورنہ ہم اس کی تفصیل سے قاصر ہیں، کلام اللہ ہمارے قصور علم کو خود ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:۳۱)

اپنی مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ان سب کائنات گزشتہ اور آئندہ کو جاننا علم غیب الٰہی کہلاتا ہے، یہ مسئلہ علم غیب کا موضوع ہے جس کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ علم غیب خاصہ الٰہی ہے، کوئی نبی، کوئی ولی، کوئی فرشتہ، اس صفت سے موصوف نہیں اور جو شخص کسی نبی یا ولی کو علم غیب سے موصوف سمجھے تو قرآن وحدیث کی تصریحات کی رو سے وہ شخص منکر قرآن اور منکر حدیث ہے اور حسب فتویٰ فقہائے حنفیہ وہ شخص کافر ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زبان سے ان کے حق میں علم غیب کی نفی دو طرح سے کرائی ہے۔ منطقی اصطلاح میں قیاس (استدلال) دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اقترانی اور دوسرا استثنائی۔ قیاس اقترانی کی صورت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ (الانعام:۵۰)

(اے ہمارے رسول ﷺ دنیا کے لوگوں کو) کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ

کے خزانے میرے پاس ہیں نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔"

یہ بیان قیاس اقترانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ، نبی ﷺ سے صاف علم غیب کی نفی کراتا ہے، یہ نہیں کہ خود نے اپنی طرف سے بطور تواضع نفی کی ہو، بلکہ ارشاد الٰہی کے ماتحت اعلان نفی ہے تو لہٰذا کسی کلمہ گو کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس آیت کو سن کر سمجھ کر آنحضرت ﷺ کے حق میں بجائے غیب کی نفی کرنے کے الٹا اثبات علم غیب کا عقیدہ رکھے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو وہ سمجھ لے کہ وہ ان لوگوں میں ہو جائے گا جن کا قول قرآن شریف میں مذکور ہے کہ انہوں نے کلام اللہ سن کر کہا تھا، سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے سن لیا اور نہیں مانا۔

ناظرین کرام!

کس قدر صفائی سے بیان ہے کہ میں غیب نہیں جانتا' یہ کس نے کہا ہے؟ صادق مصدوق اللہ تعالیٰ کے رسول بلکہ سید الرسل علیہم السلام نے اور کہلانے والا کون ہے؟ وہ اللہ عَلَّامُ الْغُيُوْبُ حَيٌّ قَيُّوْمُ اور جَلَّ مَجْدُهٗ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اٰمَنَّا بِكَ وَبِكَلَامِكَ وَبِرَسُوْلِكَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ۔

طلبائے مدارس عربیہ منتظر ہوں گے کہ آیت مذکورہ میں قیاس اقترانی کیونکر بن سکتا ہے' لہٰذا وہ سنیں اور غور کریں' صورت قیاس یہ ہے کہ لا اعلم الغیب (دعویٰ) لَآ نَبِیٍ بَشَرٌ (صغریٰ) وَكُلُّ بَشَرٍ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ تو نتیجہ وہی ہوا جو بصورت دعویٰ مذکور ہے۔

قیاس استثنائی:

ہم نے ذکر کیا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کرنے میں قیاس استثنائی سے بھی کام لیا ہے، جو اہل منطق کے نزدیک اعلیٰ درجے کی دلیل ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا اسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ (الاعراف ۱۸۸)

اہل علم جانتے ہیں لَوْ کا استعمال لا نتفاء التالی لا نتفاء المقدم ہوتا ہے، یعنی اس میں

ظاہر کیا جاتا ہے کہ پہلا حصہ کلام کا واقعہ نہیں۔ اس لیے دوسرا بھی نہیں۔

عرب کا شاعر کہتا ہے۔

لو کنت من مازن لم تستبح ابلی

اگر میں قبیلہ مازن سے ہوتا تو میرے اونٹ چھینے نہ جاتے۔

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ قبیلہ مازن چونکہ زبردست اور باغیرت ہے، اس لیے وہ اپنے کسی آدمی پر ایسا ظلم نہیں ہونے دیتے۔

پس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو مجھے کسی طرح تکلیف نہ پہنچتی اور میں ہر قسم کی بھلائی اپنے لیے جمع کر لیتا۔

اس آیت میں لو کنت اعلم الغیب باصطلاح اہل منطق مقدم ہے اس کا اگلا حصہ تالی ہے اور یہ تالی دو جزؤں سے مرکب ہے۔ پہلا جز لا ستکثرت مثبت ہے اور دوسرا جز ما مسنی السوء منفی ہے اور با قاعدہ علوم عربیہ اور حسبِ قانون منطق مثبت منفی ہوگا اور منفی مثبت پس معنی یہ ہوئے کہ چونکہ میں علم غیب نہیں جانتا اس لیے میں اپنے لیے بہت سی بھلائیاں جمع نہیں کر سکا اور مجھے تکلیف بھی ہوئی اور ہوتی ہے۔ تو لہذا یہاں قیاس استثنائی کی صورت نہ ہوگی۔

لو کنت اعلم الغیب (مقدم)

لا ستکثرت۔ الخ (تالی)

لکن } لم استکثر۔ الخ (ارفع تالی)

نتیجہ:۔ رفع مقدم

لان رفع التالی ینتج رفع المقدم۔

اسی مضمون کی تائید وہ حدیث ہے جو واقعہ حدیبیہ میں نبی ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب کفار نے عمرہ کرنے اور مکہ شریف میں داخلہ سے روک دیا تھا‘ تو آپ نے فرمایا:

لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الھدی (بخاری)

اگر میں (رسول) پہلے (بوقت روانگی از مدینہ) جانتا جو بعد میں مکہ شریف آ کر مجھے معلوم ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔

یہ حدیث بھی آیت مرقومہ کی طرح قیاس استثنائی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وقوعہ سے پہلے نبی ﷺ کو علم نہ تھا کہ آگے چل کر کیا پیش آئے گا۔

نوٹ: ہم نے اس آیت اور حدیث کا مطلب منطقی اصطلاح میں اس لیے بیان کیا ہے کہ ہمارے مخاطب کہا کرتے ہیں کہ اس آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے، نہ وہبی کی' اور جبکہ ہم تو علم وہبی کے قائل ہیں نہ کہ ذاتی کے' اور منطقی اصطلاح جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ عذر غلط ہے کیونکہ جس حصے (استکثار خیر اور عدم مس سوء) کو اس مقدم کی تالی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے وہ ذاتی علم سے مخصوص نہیں بلکہ وہبی عطائی اور کسی کو بھی شامل ہے۔

مثلاً ایک شخص خود کہیں جا کر دیکھے کہ وہاں شیر پھر رہا ہے تو وہ دوبارہ اس راستے نہیں جائے گا یہ اس کا علم ذاتی ہے اور دوسرا شخص اگر کسی معتبر شخص سے یہ خبر سن لے تو وہ بھی نہیں جائے گا۔ جس طرح شیر سے بچنا علم ذاتی اور سماعی دونوں پر متفرع ہے اسی طرح استکثار خیر مقدم اور عدم مس سوء دونوں صورتوں کو لازم ہے۔

قرآن مجید کی بلاغت اور اس کے وقائق پر بھی نظر کی جائے تو اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ عذر مدعیان علم غیب کا علم الٰہی میں عذر لنگ تھا اسی لیے اس کا جواب اس نے خود ہی دے دیا کیونکہ قرآن مجید میں لو کنت اعلم الغیب کے الفاظ ہیں، جو دونوں قسم کے علم غیب کو شامل ہیں۔

مزید تفصیل:

اب ہم مزید تفصیل کے لیے کچھ اور بھی عرض کرتے ہیں۔

آیت موصوفہ لو کنت اعلم الغیب الآیہ قضیہ مرکبہ کو انفکاک ترکیب کی شکل میں دکھاتے ہیں۔

اوّل:

لو کنت اعلم الغیب علماً ذاتیاً لا ستکثرت من الخیر۔

یہ قضیہ بالکل صحیح اور مسلم فریقین ہے۔

دوم:

لو کنت اعلم الغیب علماً وھبیاً لا ستکثرت من الخیر۔

یہ بھی بالکل صحیح اور مسلمہ فریقین ہونا چاہیے کیونکہ استکثار خیر علم پر متفرع ہے جس میں ذاتی اور وہبی کی کوئی تفریق نہیں، تو ثابت ہوا کہ قضیہ شرطیہ مذکورہ کی تالی دونوں صورتوں کو لازم ہے، اسی لیے عالم الغیب مُنزِلِ قُرآن جَلَّ مَجْدُہٗ نے بصیغہ فعل مضارع بیان فرمایا جو دونوں قسم کے علوم کو شامل ہے۔

عام لوگوں کے سمجھنے کیلئے:

یہاں تک تو ہمارا روبے سخن طلبائے مدارس عربیہ کی طرف تھا۔ اب ہم عام لوگوں کی تفہیم کے لیے کچھ عرض کرتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ باتباع قرآن حدیث یہ ہے، کہ نبی ﷺ علم غیب نہیں جانتے تھے جس کا ثبوت قرآن مجید کے الفاظ میں صاف ملتا ہے کہ **لا اعلم الغیب** میں غیب نہیں جانتا' پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی' کیونکہ تکلیف پہنچنے سے پہلے مجھے علم ہوتا اور میں اس سے بچ جاتا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی' سر مبارک میں زخم آیا' دانت مبارک شہید ہوئے اور دشمن نے کھانے میں زہر ملا دیا جس کا اثر بھی ہوا۔

مثال: کسی عالم فاضل محدث فقیہ کے سامنے کوئی شخص انگریزی چٹھی پیش کر کے سوال کرے کہ اس میں کیا لکھا ہے' اور جواب میں مولوی صاحب فرمائیں کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ اب کیا مولوی صاحب کے کسی معتقد کا حق ہے کہ وہ مولوی صاحب کے اس کلام کی تشریح یوں کرے کہ مولوی صاحب انگریزی کے بڑے عالم ہیں اور مولوی صاحب کا انکار ان معنی میں ہے کہ میں پیدائشی انگریز نہیں ہوں' یہ نہیں کہ میں انگریزی جانتا ہی نہیں۔

ناظرین کرام!

ایسا اعتقاد اور یہ تشریح کسی طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ **الی اللہ المشتکی!**

قرآن شریف اور حدیث شریف سے ہم نے اپنے دعوے کا بالوضاحت ثبوت دے دیا۔

جوابات توہمات

اپنے دعوے کا ثبوت قرآنی آیات صریحہ واحادیث صحیحہ سے دینے کے بعد اب ضرورت ہے کہ طائفہ غالیہ کے توہمات کا ازالہ بھی کیا جائے۔ طائفہ غالیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کے قائل ہیں وہ نصوص صریحہ کے مقابلہ میں غیر صریحہ محتملہ کو پیش کرتے ہیں' حالانکہ طریق انصاف اور قاعدہ علم کلام یہ ہے کہ محتمل کو مصرح کے ماتحت کیا جاتا ہے' جبکہ یہ گروہ مصرحہ کو محتمل کے نیچے لاکر اپنے توہمات کو ثابت کرتا ہے۔

نفی علم غیب رسالت کی آیات صریحہ بکثرت ہیں ان میں سے چند بطور نمونہ ہم نے لکھ دی ہیں، اب ہم طائفہ غالیہ کی سردفتر دلیل کو لکھ کر جواب دیتے ہیں' ارشاد الٰہی ہے:

وہم اوّل:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًاo اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن۔۲۷۔۲۶)

''اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر رسولوں کو اطلاع دیتا ہے''

اس آیت کو اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں اظہار غیب کے لیے رسولوں کو مستثنیٰ کیا ہے اور جبکہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسولوں کو علم غیب کی اطلاع ہوتی ہے۔

جواب:۔ قرآن مجید میں ماسوی اللہ سے علم کی نفی کر کے دو طرح کا استثنیٰ آیا ہے' ملاحظہ ہو'

نمبر اوّل:

لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ۔ ۲۵۵)

''تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے علم سے کچھ نہیں جان سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔''

نمبر دوم:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًاo اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ'

يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ○ (الجن ۲۸۔۲۷۔۲۶)

''اللہ عالم الغیب اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر وہ صرف اپنے پسندیدہ رسولوں کو مطلع کرتا ہے اور اس غیب کی حفاظت کے لیے آگے پیچھے محافظ بھیجتا ہے۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ (علم ظہور کے طور پر) جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ نے علمی احاطہ کیا ہوا اور گنا شمار کیا ہوا ہے۔''

پہلی آیت میں مستثنیٰ مفعول ثانی ''علم'' ہے، دوسری میں مستثنیٰ مفعول اول ''رسول'' ہے اور غیب معنوی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں غیب (مستثنیٰ) سے کیا مراد ہے کیوں کہ اس کی تحقیق ہو جانے سے آیت موصوفہ کے معنی صاف سمجھ آ سکتے ہیں۔ پس سنیئے کہ پہلی آیت مومن، کافر، بالغ اور نابالغ سب کو شامل ہے۔

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ جس قدر علوم دنیا کے لوگوں کو حاصل ہو رہے ہیں عام اس سے کہ عقلی ہوں، یا صنعتی اس کے جاننے والے مومن ہوں یا کافر، وہ سب اِلَّا بِمَا شَآءَ کے ماتحت اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں اور ان علوم کے جاننے والوں کی تخصیص نبوت یا رسالت، بلکہ ایمان یا کفر سے بھی نہیں ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر دوسری آیت کی تفسیر سنیئے، دوسری آیت میں غیب سے مراد ''وحی الٰہی'' ہے، جو انبیاء کرام علیہم السلام پر اترا کرتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت کا مضمون یہ ہے کہ علوم شرعیہ یعنی احکام متعلقہ عقائد و فرائض وغیرہ پر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ مطلع کرتا ہے کسی اور کو نہیں۔

چنانچہ ایک اور آیت ان معنی کی صاف تصریح کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (آل عمران۔۱۷۹)

''یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تمہیں غیب پر اطلاع دے، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو اس کام (اطلاع علی الغیب) کے لیے چن لیتا ہے، اور پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔''

ناظرین متدبرین!

غور وتدبر سے کام لیں تو مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور صرف اتنی بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پہلی آیت میں مستثنیٰ مطلعین علی العلم عام ہیں۔

چاہے مومن ہوں یا کافر، اللہ تعالیٰ کے قائل ہوں یا منکر۔

دوسری آیت رسولوں سے مخصوص ہے، پھر یہ استثناء اگر ایک ہی قسم کا ہو تو یہ صریح تناقض ہے، کیونکہ ان دو استثناؤں کے قضایا یوں ہوں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کو (مومن ہو یا کافر) جتنا چاہے اپنے علم سے مستفیض کر دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے علم سے مستفیض نہیں کرتا بلکہ خاص رسولوں کو کرتا ہے۔

یہ دو متضاد قضایا صریح متناقض ہیں' اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان دونوں آیات پر غور کر کے اس تناقض کو رفع کریں، نہ یہ کہ کوشش کر کے تناقض پیدا کریں۔

پس ہماری کوشش یہ ہے کہ سورہ جن کی آیت "الامن ارتضی" میں جس غیب کی اطلاع کا ذکر ہے اس غیب سے مراد وہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام پر بصورت وحی نازل ہو' وہ خواہ بصیغۂ حکم ہو، جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) اور خواہ بصورت خبر ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ٥ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ٥

(الروم:۳۰۔۲)

رومی مغلوب ہو کر غالب ہوں گے۔

زیر بحث آیت پر غور کیا جائے تو وہ مطلب واضح کر کے بتاتی ہے کیونکہ اس کے آخر میں ذکر ہے۔

لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (الجن۔۲۸)

اللہ تعالیٰ کو (علم ظہور سے) معلوم ہو جائے کہ ان ملائکہ محافظین نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے۔

آیت کے اس حصہ کلام سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جو غیب دیا جاتا تھا، وہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے تھا، نہ کہ چھپائے رکھنے کے لیے۔

پس ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کو یہی غیب ملا تھا جو انہوں نے بذریعہ قرآن وحدیث امت تک پہنچا دیا، اس سے زیادہ نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ۔۶۷)

اے رسول ﷺ! جو کچھ تم پر اترا ہے وہ سب لوگوں کو پہنچا دو۔

اس ارشاد الٰہی کی تعمیل نبی ﷺ نے ایسی کی کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح تصدیق پہنچی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ٥ (التکویر۔۲۴)

ہمارا رسول غیب (کی وحی) بتانے میں بخیل نہیں۔

مطلب یہ کہ جتنا غیب ہم نے اپنے رسول کو بتایا ہے' اس نے وہ تمام لوگوں تک پہنچا دیا اور اس میں سے کچھ بھی چھپا کر نہیں رکھا نہیں۔

نتیجہ صاف ہے کہ اشیاء بریہ اور بحریہ اور واقعات یومیہ جو قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہیں ان کا علم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ تھا اور نہ ہے' اس لیے فقہاء حنفیہ نے بالاتفاق لکھا ہے، کہ نبی ﷺ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر ہے' حنفی جماعت کے عقائد کی معتبر کتاب ''مسائرہ'' مصنفہ شیخ زین الدین حنفی اور اس کی شرح مصنفہ شیخ ابن الہمام میں اس طرح مرقوم ہے۔ متن اور شرح کی عبارت یکجا ملاحظہ ہو:

ذكر الحنفية فى فروعهم تصريحًا بالتكفير باعتقاد ان النبى يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔﴾ والله اعلم (مسائرہ مع شرحہ مطبوعہ مصر ص۲۰۳)

علمائے حنفیہ نے صاف لکھا ہے کہ جو کوئی نبی ﷺ کے بارے میں علم غیب کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

یہی عبارت ملا علی قاری نے ''شرح فقہ اکبر میں لکھی ہے اور اسی کو عقیدہ صافیہ مقبولہ حنفیہ بتایا ہے۔ ''فتاوٰی قاضی خان' جو فقہ حنفیہ کی مستند اور معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے:

رجل تزوج بغير شهود فقال الرجل والمرأة خدا ورسول راگواه

کردیم قَالُوا یکون کفرًا لانه اعتقدان رسول الله ﷺ یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت (جلد ۴ ص ۸۸۳)

یعنی جو شخص اپنے نکاح وغیرہ میں اللہ و رسول کو گواہ کرے فقہاء حنفیہ اس کو کافر کہتے ہیں، کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ غیب جانتے تھے حالانکہ رسول اللہ جب زندہ تھے اس وقت غیب نہیں جانتے تھے، تو وفات کے بعد وہ کیسے جان سکتے ہیں۔

(نیز ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۴۱۲، جلد ۲، بحر الرائق ص ۱۶، جلد ۵)

فقہ حنفیہ کی مختصر اور معتبر کتاب مصنفہ قاضی صاحب پانی پتی میں مرقوم ہے:۔

اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود (مَالَابُدَّ مِنْہُ)

وجہ اس کفر کی وہی ہے جو قاضی خاں کی عبارت میں مذکور ہے۔

اسی طرح دیگر کتب عقائد میں بھی صاف صاف لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ ملاحظہ ہو کتاب " شرح فقه اکبر " مصنفہ مّلا علی قاری مرحوم۔ وغیرہ۔

صدق الله العلی العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علیٰ ذلك من الشاھدین۔

وہم دوم:

باوجود قرآن کریم کے نصوص اور احادیث کی تصریحات کے مقابلے میں طائفہ غالیہ تنکے کا سہارا لیتا ہوا قرآن مجید کی آیات مرقومہ کے بعد چند احادیث سے بھی استدلال کیا کرتا ہے، ان احادیث میں اصرح اور واضح روایت وہ حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

توضأت وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلٰوتی فرایته وضع کفه بین کتفی حتّٰی وجدت بردانا مله فی ثدی فتجلّٰی لی کل شیءٍ وعرفت۔

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فی المساجد)

میں نماز پڑھتے ہوئے سو گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا اور میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی پس ہر چیز میرے سامنے روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔

کہتے ہیں، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ نبی ﷺ کو سب کچھ معلوم ہو گیا تھا اور جب ایک دفعہ معلوم ہو چکا تھا تو پھر آپ کا علم ہمیشہ تک رہے گا۔

جواب وہم دوم:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک خاص وقت کے جواب کا ذکر ہے، یعنی قضیہ وقتیہ مطلقہ دائمہ مطلقہ نہیں ہوتا اس کا ثبوت خود احادیث ہی میں ملتا ہے، جن میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

عن سهل بن سعد ان رجلا اطلع فی حجرفی باب رسول الله صلی الله علیه وسلم رجع رسول الله صلی الله علیه وسلم مدری یحك به راسه فقال لو اعلم انك تنظرنی لطعنت فی عینیك۔ (بخاری' مسلم۔ ومشکوٰۃ۔ باب مالایضمن)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص پردہ اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارک میں نظر کر رہا تھا اور آپ ﷺ دروازہ کی طرف پیٹھ پھیرے ہوئے لوہے کے پنجہ سے پیٹھ کو کھجلا رہے تھے' پنجہ ہاتھ سے رکھ دیا اور پیٹھ پھیر کر جو دیکھا تو فرمایا کہ اگر پہلے میں جانتا کہ تو اندر دیکھ رہا ہے تو میں یہ آہنی پنجہ تیری آنکھ پر مارتا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو اسے دیکھنے سے پہلے اس کے نظر ڈالنے کا علم نہ تھا۔ مزید ایک حدیث سنیئے!

عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم كان یهریق الماء فیتیمم بتراب فاقول یا رسول الله ان الماء منك قریب یقول ما یدرینی لعلی لا ابلغه۔ (مشکوٰۃ باب المال والعمر)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی شہر سے باہر جاتے اور پیشاب کر کے تیمم کر لیتے، میں عرض کرتا اے اللہ کے رسول پانی آپ سے قریب ہی ہے، آپ فرماتے مجھے کیا معلوم کہ میں وہاں پہنچ سکوں یا نہ۔

یہ حدیث بھی صاف بتا رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا ورنہ آپ ایسا نہ فرماتے۔

مدینہ شریف کے واقعات میں سے دو بڑے واقعات ایک ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان اور دوسرا افک کا تھا، جن کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کئی دنوں تک متفکر رہے، (ان معاملات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کبھی کسی سے دریافت کرتے اور کبھی کسی سے، یہاں تک کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی پیاری بیوی سے کشیدہ خاطر رہنے کے باعث اس کی بیماری کا حال بھی خندہ پیشانی سے نہ پوچھتے۔

اسی طرح حدیبیہ کا واقعہ بھی ہمارے عقیدے کی تائید ہے، کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا تھا، جب کہ کفار مکہ نے آپ کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے روک دیا تھا۔

لو استقبلت من امری ما استدبرتُ ما سقت الهدى۔

فرمایا مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا۔

اس کے علاوہ اسی قسم کے بے شمار واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں طائفہ غالیہ کا عقیدہ دوبارہ علم کلی صحیح نہیں ہے، بلکہ بقول ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محض کذب اور افترا ہے۔

پس طائفہ دغالیہ کی پیش کردہ حدیث ایک تو خواب کا واقعہ ہے اور دوسرا وہ وقتی ہے دائمی نہیں۔

اس مضمون کو شیخ سعدی رحمہ اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں خوب لکھا

کسے پرسید زاں گم کردہ فرزند　　که اے روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوئے پیراہن شنیدی　　چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ مابرق جہان است　　دمے پیدا ودم دیگر نہان است
گہے برطارم اعلیٰ نیشنیم　　گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینیم

استعانت اور اعانت من غیر اللہ

چونکہ ایاک نستعین خوانی پس چرا غیر را معین دانی

یہ تیسرا مسئلہ توحید کا جز و اعظم ہے' اس مسئلہ میں فرقہ عادلہ اور غالیہ خاص طور پر میں شدید اختلاف ہے' اگر بغور دیکھا جائے تو طائفہ عادلہ کا دعویٰ غالیہ کو نا منظور' اور غالیہ کا دعویٰ عادلہ کو مسلم نہیں۔ اس لیے دلیل پیش کرنا طائفہ غالیہ کا فرض ہے' اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ توحید الٰہی مسلمہ نصاریٰ اور اہل اسلام ہے' مگر توحید کے ساتھ تثلیث کا اعتقاد اہل اسلام کو مسلم نہیں' لہٰذا تثلیث کا ثبوت دینا نصاریٰ پر فرض ہے' اسی طرح فرقہ غالیہ تسلیم کرتا ہے کہ دنیا کا مالک و متصرف اللہ تعالیٰ ہے اس عقیدہ کے باوجود یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ:

"نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں' تمام جہان آپ کے زیر حکومت و تصرف ہے' جو چاہیں کریں' جسے جو چاہیں دیں اور جس سے جو چاہیں واپس لیں۔"

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

پس یہ زیادتی بھی تثلیث والی زیادتی کی طرح ہے جس کا ثبوت دینا طائفہ غالیہ کا فرض ہے' حق تو یہ ہے کہ طائفہ عادلہ بالکل خاموش ہے' اگر خاموشی میں غالیہ سے اس کے اس عقیدے پر دلیل طلب کرنے پر کفایت کرے' تو حسب قانون علم کلام اس پر کوئی عتاب یا سوال نہیں ہو سکتا' لیکن جس طرح قرآن مجید میں الوہیت مسیح پر نصاریٰ سے دلیل مانگنے کے علاوہ اس کے ابطال پر خود دلیل بلکہ دلائل پیش کیے ہیں' اسی طرح ہم بھی سبقت کر کے فرقہ غالیہ کے غلط خیالات کا ابطال کرتے ہیں۔ پس وہ سنیں۔

قرآن مجید کی رو سے بعض کام ایسے ہیں جن میں ایک انسان دوسرے کی مدد کر سکتا ہے' مثلاً (۱) بیمار کے لیے معالج کا بلانا (۲) دوائی لا کر دینا (۳) روپیہ پیسہ سے کسی کی مدد کر آنا (۴) کسی کے کام میں سعی و سفارش وغیرہ کرنا تو ایسے کاموں میں ایک دوسرے سے مدد مانگنا' اور مدد کرنا جائز بلکہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. (المائدة:۲)

نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

ان کاموں کے علاوہ ایسے کام بھی ہیں جو قدرت کاملہ الٰہیہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے: (۱) اولاد بخشنا (۲) بیمار کو صحت دینا (۳) رزق فراخ کرنا وغیرہ' یہ تمام کام انسانی قدرت سے بالاتر ہیں' اور ان میں کسی مخلوق سے مدد مانگنا جائز نہیں اور یہی ہمارا عقیدہ ہے' اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں بالفاظ صریحہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. اے اللہ! ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ا۔ پہلے دعویٰ کا ثبوت یہ آیت ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ (الشورىٰ ۵۰۔۴۹)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جسے چاہے لڑکیاں دے' جسے چاہے لڑکے بخشے' جسے چاہے دونوں دے اور جسے چاہے بانجھ کر دے' وہ اللہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔

یہ آیت اپنا مضمون صاف بتاتی ہے کہ اولاد بخشنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں' یہ فعل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے' گو اس مضمون میں کسی تائید کی ضرورت نہیں تھی' مگر چونکہ علم الٰہی میں تھا' اور ہے کہ مشرک لوگ بزرگوں سے اولاد مانگا کرتے تھے اور مانگتے ہیں اور مانگیں گے چنانچہ ان کا نام بجائے اللہ دتا یا اللہ دیا کے پیراں دتا یا پیر بخش' نبی بخش وغیر رکھ دیتے ہیں' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے دو نبیوں کو بطور نمونہ پیش فرمایا ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے اولاد پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو ان کی بیوی نے کہا:

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا (هود:۷۲)

کیا میں (بچہ) جنوں گی! حالانکہ میں بانجھ ہوں اور یہ میرا خاوند (ابراہیم) بوڑھا ہے۔

فرشتے نے جواب میں ابراہیمی قدرت کو پیش نہیں کیا' بلکہ اللہ تعالیٰ قدرت کو پیش کرتے

ہوئے کہا:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ. (هود: ۷۳)

اے بی بی! کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے (یاد رکھ اللہ قادر و قیوم ہے، جو چاہے کر سکتا ہے)

معارضہ:

اس موقع پر غالیہ کی طرف سے بطور استدلال یا معارضہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس میں ذکر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے جو انسانی شکل میں آئے تھے اور انہوں نے مریم رضی اللہ عنہا کو کہا: فرمان الٰہی ہے:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم: ۱۹)

میں اس لیے تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے پاک لڑکا ہبہ کروں (بخشوں)۔

اس استدلال کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ جس طرح جبرئیل علیہ السلام فرشتہ لڑکا دے سکتا ہے تو اسی طرح انبیاء، اولیا بھی اولاد دے سکتے ہیں۔

جواب: اس شبہ کا جواب اسی آیت میں مذکور ہے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے جبرئیل علیہ السلام کے جواب میں کہا:

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ. (مریم۔۲۰)

مجھے لڑکا کیسے ہوگا، مجھے تو کسی بشر نے چھوا نہیں۔ (یعنی میں کنواری ہوں)۔

اس کے جواب میں فرشتے نے جو کہا وہ طائفہ عادلہ اور غالیہ میں فیصلہ کن ہے۔

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (مریم: ۹)

(سن) تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے۔

مقام غور اور محل انصاف ہے کہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے استعجاب کرنے پر جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں اصل مالک و متصرف اللہ تعالیٰ کو پیش کیا، تو اس سے ثابت ہوا کہ پہلی آیت میں جو لڑکا ہبہ کرنے کا ذکر ہے، اس کا فاعل جبرئیل علیہ السلام نہیں، بلکہ جبرئیل علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجنے والا اللہ تعالیٰ

ہے جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا:

إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ (مریم۔ ۱۹)

میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا (ایلچی) ہوں (نہ خود مالک و معطی یعنی دینے والا)

لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ طائفہ غالیہ کا خیال بنیادی سے غلط ہے۔

دوسری مثال: زکریا علیہ السلام کی ہے جو باوجود نبی اور رسول ہونے کے اپنے لیے اولاد خود پیدا نہیں کر سکے، بلکہ نہایت عاجزی اور الحاح سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ○ (العمران: ۳۸)

اے مولا! مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد بخش، یقیناً تو ہی دعا سننے والا ہے۔

دیکھیے زکریا علیہ السلام کس لجاجت، الحاح اور زاری سے دعا کرتے ہیں، تو ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی کسی کو اولاد دینے کا اختیار نہ تھا، یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت کے قبضے میں ہے، اس لیے اولاد کی طلبی کسی غیر اللہ سے (نبی ہو یا ولی) ہرگز جائز نہیں۔

یہ صرف ایک کام ہے جو إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے ماتحت ہے۔

دوسرے دعویٰ کا ثبوت:

بیماری کی شفاء، یہ دراصل خالقیت کی صفت پر متفرع ہے کیونکہ بیمار میں صحت پیدا کرنا ایک قسم کی خلق ہے، اور خلق خاصۂ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ. (الفاطر: ۳)

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خالق ہے؟

ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ○ (الرعد۔ ۱۶)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا ہی سب مخلوق پر ضابط ہے۔

اس قسم کی بے شمار آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالقیت عامہ صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے' اس کے علاوہ کسی مخلوق کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی اس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔

خاص شفاء:

مریض کی صحت اور شفاء کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اپنے خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کی زبانی اعلان کرا دیا:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (الشعراء۔۸۰)

اور جب میں کبھی بیمار ہوتا ہوں تو وہی (اللہ تعالیٰ ہی) مجھے صحت بخشتا اور شفا دیتا ہے۔

پس ہمارا یہ دعویٰ بھی بلا ریب ثابت ہے۔

تیسرا کام:

رزق کی فراخی کرتا ہے اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الروم۔۳۷)

کیا یہ مشرک غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے لیے چاہتا ہے' رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں ایمانداروں کے لیے بہت سے نشان ہیں۔

نیز ایک جامع دعا میں ایماندار بندوں کو تعلیم فرمائی کہ تم یہ کہا کرو:

وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (آل عمران۔۲۷)

اے اللہ! تو ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اس کے علاوہ واقعات زمانہ رسالت بتا رہے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر رزق کی تنگی اتنی تھی کہ بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر پتھر باندھ کر نبی ﷺ کے سامنے اپنی حالت کا اظہار کیا اور آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا' دیکھو! میرے پیٹ پر دو پتھر رکھے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

اللھم صل علٰی محمد و علٰی اٰل محمد و اصحابہ اجمعین۔
اور یہ مسئلہ بھی ایسا پختہ ہے کہ جس سے کسی مومن کو تو کیا کافر کو بھی انکار نہ ہوگا۔

متفرقات:

یہ تین اقسام ہم نے اصولاً بتائے ہیں اور باقی سب ان کی شاخیں ہیں۔ مثلاً (۱) درازی عمر (۲) ضرر کو دفع کرنا (۳) دشمن پر فتح یا دفع بلا (۴) طوفان سے نجات وغیرہ۔

قرآن مجید میں ان سب کاموں کو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں بتایا گیا ہے۔

عمر کے متعلق فرمایا ہے:

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ۝ (الرعد۔ ۳۹۔۳۸)

ہر چیز کی عمر اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھی ہوئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔

پھر کسی کی کیا مجال کہ اس کے کام میں دخل دے۔

(۲) نقصان سے بچانے اور اس کے دفع کرنے کے بارے میں بھی صاف ارشاد ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ. (یونس:۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تم کو ضرر پہنچائے تو کوئی شخص اس ضرر کو دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تمہارے حق میں خیر چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

یہ آیت بصراحت اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے قبضے کے ماتحت بتاتی ہے غور کیجئے کہ لانفی جنس کا ہے جس میں ہر ایک غیر اللہ داخل ہے' مطلب یہ ہے کہ تکلیف کو دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔

(۳) دشمن پر فتح کے بارے میں بھی صاف ارشاد ہے:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ

بَعْدِهٖ (آل عمران: ۱۶۰)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں ہوسکتا اور اگر وہ تم کو ذلیل کرنا چاہے تو کون ہے جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔

بحمد للہ یہ آیت عادلہ اور غالیہ میں فیصلہ کن ہے۔

(۴) طوفان سے نجات یہ واقعہ تو خود ہمارے ساتھ پیش آیا' ہوا یہ کہ سفر حج سے واپسی پر ہمارا جہاز طوفان میں گھر گیا' اس میں جو حاجی سوار تھے ان میں سے بعض لوگ طوفان سے نجات کیلئے خواجہ خضر سے درخواست کرتے تھے' ان کو معلوم نہ تھا کہ قرآن مجید میں اس کی بابت کیا ارشاد ہے۔

سنو! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ٥ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ٥ (یٰسین ۔۴۳)

اگر ہم (اللہ) چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہو اور نہ ہی وہ بچائے جائیں۔ ہاں ہماری رحمت دامنگیر ہو اور ان کو ایک وقت تک زندہ رکھ کر گزارہ دینا چاہیں تو بچ سکتے ہیں۔

یہ آیت بآواز بلند ظاہر کر رہی ہے کہ طوفان سے بچانا خاص اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے' کسی انسان کے بس میں نہیں۔ مولانا حالی مرحوم نے کیا ہی سچ کہا ہے:

طوفاں میں جب جہاز ہے چکر کھاتا جب قافلہ وادی میں ہے لڑکھڑاتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

المختصر قرآن مجید نے دنیا میں تصرف الٰہی کو تفصیل سے بتا کر بالاجمال یہی بتایا ہے جو سورہ یٰسین میں ارشاد ہے:

فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ٥ (یٰس: ۸۳)

اللہ تعالیٰ ہی پاک ذات ہے' ہر چیز اسی کے قبضے میں ہے اور تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

یہ سارا مضمون کلمہ اسلام لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ میں داخل ہے اور اس کی مزید تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ ''کلمہ طیبہ'' دیکھیے۔

فرقہ غالیہ کو غالباً یہ سارا مضمون مسلم ہوگا یا ہونا چاہیے' کیونکہ وہ بھی دنیا کا حقیقی اور بالذات متصرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں' اس کے ساتھ انبیاء اولیاء اور خصوصاً نبی ﷺ کو بعطاء الٰہی متصرف کہتے ہیں' بقول ان کے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنا نائب فی التصرف قاضی الحاجات بنایا ہے سو غور کیا جائے تو یہ ایک دعویٰ ہے جس کا ثبوت ان کے ذمہ ہے' پس ان کا فرض ہے کہ ہماری طرح نصوص صریحہ سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیں اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتے (اور کر بھی نہیں سکیں گے) تو پھر ہم سے اپنے دعویٰ کی تردید سن کر توحید خالص اختیار کریں۔ کیونکہ اس میں نجات پوشیدہ ہے۔ سنئے!

ہم مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ ساری دنیا میں افضل ہیں۔ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جو وصف افضل میں نہ ہو تو وہ ادنیٰ میں نہیں ہو سکتا اور افضل الناس علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے:

قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○ (الجن۔ ۲۲-۲۱)

یعنی اے ہمارے افضل الرسل ﷺ تم لوگوں کو کہہ دو کہ میں تمہارے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں یہ بھی کہہ دو کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بچا نہیں سکتا' اور میں بھی اس کے سوا کہیں پناہ نہیں پاتا۔

جلّ جلالہ!

وہ مالک ہے سب آگے اس کے لاچار نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار

☆☆☆

آوازۂ خلق

اَنْتُمْ شُهَدَاءُ لِلّٰهِ

تو اگر کشتہ شدی آہ چہ شد حالت ما

کس کے تصور سے یہ مصرع کہا کرتا ہوں؟ ہر وقت کس کے زخمی ہونے کا بیاں دل پر زخم لگایا کرتا ہے؟ کون ہے جسے یاد کر کے بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے کہ

تو اگر کشتہ شدی آہ چہ حالت ما

وہی ہے جس کی مدح وثناء اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ پھیلا دی ہے جو اس صدی کا مجدد ہے' جو اپنے زمانے کا علم دینی وفن مناظرہ میں امام ہے' وہی جو مجسم اخلاق ہے' وہی ہے جو شہرہ آفاق ہے' وہی ہے جو فراعین بدعت کے لیے جلال موسوی کو جمال محمدی کی صورت میں لایا ہے' وہی ہے جس نے دجاجلہ زماں کے لیے ضرب مسیحی کو اخلاق احمدی کی شکل میں ظاہر کیا ہے' وہی ہے جس نے جالوتی شرک پر داؤدی حربہ کو مصطفائی شیریں کلامی سے مبدل کر دیا' وہی ہے جس کے زخمی ہونے سے سارے ہندوستان کے سچے مسلمان تڑپ اٹھے ہیں وہی ہے جس کے سر کے زخم نے اس کی سرداری پر مہر صداقت لگا دی اور وہی ہے جس کے قطرہ ہائے خون نے جماعت موحدین پر زندگی کا آب حیات چھڑک دیا ہے۔ آہ! اگر وہ شہید ہو جاتا تو جماعت کی جان نکل جاتی اور اسی کو یاد کر کے منہ سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ

تو اگر کشتہ شدی آہ چہ شد حالت ما

ہماری کیا حالت ہوتی؟ اس کی فکر ہمیں ضرور ہونی چاہیے اور اس زخم کے بعد اب بھی اگر ہم نے اپنے آپ کو منظم نہ کیا تو پھر کب کریں گے اور اس روح رواں کے زخمی ہونے پر بھی ہم نے اپنی تبلیغ کو وسیع نہ کیا تو پھر کب کریں گے۔

کچھ اپنی فکر کچھ اپنی سردار کے زخمی ہونے کا ملال' کچھ مذہبی غیرت' اور کچھ دینی جوش ہم سے پرزور اپیل کر رہے ہیں کہ ہم اپنی تحریکات کو پرزور طریقہ پر چلائیں' جس کا مختصر خاکہ جو میرا مطمح

نظر ہے یہ ہے کہ

(۱) ہر شہر بلکہ گاؤں اور قصبے میں ایک انجمن اہل حدیث قائم کی جائے۔

(۲) تمام انجمنیں باہم مربوط و منظّم ہوں اور ہر ضلع کی بڑی انجمن اس ضلع کی سب انجمنوں کا مرکز ہو۔

(۳) ہر صوبہ کی ایک کانفرنس ہو جو اپنے ضلع کی انجمنوں کا مرکز ہو۔

(۴) جس دن حضرت مولانا زخمی ہوئے ہیں (۲۹۔شعبان) ہمیشہ کے لیے یوم التبلیغ بنایا جائے اور اس دن تمام اہل حدیث دن بھر سب کام چھوڑ کر مذہب اہل حدیث کی طرف اغیار کو کھلے کھلے لفظوں میں صاف صاف دعوت دیں۔

(۵) ہر جگہ یتیم خانہ قائم کریں۔

ان مقاصد نیز اپنے مدرسۃ المناظرین اور محمدی دار التصنیف کے لیے یہ بندہ ناچیز اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔

(مولوی) یوسف شمس محمدی (رحمۃ اللہ علیہ)۔فیض آباد

☆☆☆

ترانۂ توحید ونعت

سلام اس پہ جو مصطفیٰ ہو کے آیا
وہ بندوں میں بندہ بڑا ہو کے آیا

وہ خالق کا حامد وہ مالک کا ساجد
پرستار حق برملا ہو کے آیا

تذلل بدرگاہ حق کام اس کا
تواضع میں وہ بے ریا ہو کے آیا

تعبد میں ہر دم کمر بستہ قائم
غلام وکبریا ہو کے آیا

سر عجز خم تھا سدا پیش مالک
در حق پہ وہ جبہ سا ہو کے آیا

وہ عہد خدا ابن عبد خدا تھا
عبادت کا اک سلسلہ ہو کے آیا

بشر کا ہے درجہ خلائق میں اعلیٰ
وہ خیر البشر مجتبیٰ ہو کے آیا

دل اسکا سدا خوف خالق سے روشن
وہ شمع رہ ارتقا ہو کے آیا

امید اور ڈر اپنے مالک سے ہر دم
وہ پابند بیم ورجا ہو کے آیا

نظر سوئے مالک بہر رنج وراحت
وہ راضی بحکم خدا ہو کے آیا

سہے اس نے کفار کے ظلم بے حد
وہ تصویر صبر ورضا ہو کے آیا

اطاعت سے اس کی ہوا شمس روشن
وہ انوار حق کے لئے فیا ہو کے آیا

(شمس محمدی رحمۃ اللہ علیہ فیض آبادی)

☆☆☆

مولانا ثناء اللہ زندہ باد

(از حکیم مولوی محمد عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب انصاری سہارنپوری۔ جامع مسجد روڈ۔ جبل پور)

حشر کا ڈر ہے نہ کچھ انجام پر ان کی نظر
بدعتوں پر جاہلوں نے کیسی باندھی ہے کمر

شرک و بدعت اور پھر اسلام کا دعویٰ بھی ہے
حیف کیوں ہوتا نہیں اسلام کا دل پر اثر

ماحیٔ کفر و ضلالت دشمن بدعات و شرک
بوالوفا سا خادم اسلام عالم با خبر

حملے جو اسلام پر دن رات ہوتے رہتے ہیں
اک انہیں کی ذات ہی بنتی ہے جو ان کی سپر

قادیانی ہوں کی عیسائی ہوں یا ہوں آریہ
ان کے آگے سب نے آخر ڈال دی اپنی سپر

اس زمانے میں کہاں ان سا مناظر ہند میں
رہ نما اسلام کے وہ ہیں نہایت معتبر

ان پہ اک جاہل نے صرف اسواسطے حملہ کیا
شرک و بدعت کو کیے دیتے ہیں کیوں زیروزبر

پنجۂ قدرت سے بچ جائے یہ ممکن ہی نہیں
پائے گا اپنے کیے کا ایک دن وہ بھی ثمر

جانتے ہیں خدمت اسلام ایسے فعل کو
وہ تو جاہل ہے مگر ہیں اس کے ہادی فتنہ گر

دشمن اسلام ہیں اسلام کے پیرو کہاں
کرتے ہیں اسلام کو بدنام ایسے خیرہ سر

ہے دعا خالق سے تاریخ مسیحی میں عزیز
کیفر کردار پائیں تیرہ باطن کو روکر

۱۹۳۷ء

(مرقومہ ۱۸ دسمبر ۳۷ء)

☆☆☆

"نذر عقیدت"

بخدمت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب

(از مولوی ابوالخیر محمد عبدالصمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اختر مدرس مدرسہ فیض محمدی جودھ پور)

بو الوفاء مولوی ثناء اللہ — آپ پر حق کی ہو مہربانی
خدمت اسلام آپ کا ہے کام — کیوں نہ ہو آپ کی قدر دانی
آپ تو ہیں مناظر اسلام — کفر نے ہار آپ سے مانی
نام سے کفر آپ کے خائف — دبدبہ آپ کا ہے سلطانی
ذات ہے آپ کی حمیدہ صفات — اور اخلاق بھی ہیں لاثانی
ایک تقریر آپ کی شیریں — جس سے حاصل ہو نور ایمانی
ایک تحریر آپ کی مرغوب — جس کی کرتے ہیں سب مدح خوانی
شرّ اعداء سے آپ ہوں محفوظ — رب کی ہو آپ پر نگہبانی
دین ودنیا میں ہو اسے ذلت — آپ کا ہو جو دشمن جانی
آپ کے سر سے خون تھا جو بہا — راہ مولا میں تھی یہ قربانی
حملہ آور ہو آپ کا ظالم — ساتھ خواری کے جلد زندانی
جو کہ مومن پہ حملہ آور ہو — کب رہی اس کی پھر مسلمانی
کفر کی پھونک سے نہیں بجھتی — حق کی ہووے جو شمع نورانی
اختر ناتواں کی ہے یہ دعا — عمر کو آپ کے ہو طولانی

☆☆☆

تہنیت شفایابی

(از زبدۃ الحکماء حکیم خدا بخش صاحب فارانی رحمۃ اللہ علیہ پرنسپل طیبہ کالج ملتان)

بہار رفتہ پھر آئی مبارک ہو مبارک ہو
نوید خوش صبا لائی مبارک ہو مبارک ہو

کہ مولانا ثناء اللہ کو اللہ نے کامل
عطا صحت ہے فرمائی مبارک ہو مبارک ہو

بطرز ماسبق اپنی اشاعت ہفت روزہ میں
کرینگے خامہ فرسائی مبارک ہو مبارک ہو

ہوا ہے حملہ قاتل ممیز حق و باطل میں
یہ آیت حق نے دکھلائی مبارک ہو مبارک ہو

بسیل خون تن مجروح سرو آسا رہا قائم
زہے صبرو شکیبائی مبارک ہو مبارک ہو

کسوف شمس دیں کرکے ہمیں تخویف کی حق نے
کہ تا ہوں متفق بھائی مبارک ہو مبارک ہو

لگایا اور باطل نے کہ ہو معدوم حق لیکن
رہا بس حفظ مولائی مبارک ہو مبارک ہو

ہوئے نادم بد اندیش اور جملہ اہل ایمان کی
ہوئی پھر مجلس آرائی مبارک ہو مبارک ہو

رہے تادیر دنیا میں تو اے سردار اہل حق
تجھے تائید بالائی مبارک ہو مبارک ہو

تری تبلیغ تغلیظ وتشدد سے مبرّا ہے
یہ حق نے طرز سکھلائی مبارک ہو مبارک ہو

بقول لیّن وحکمت بنایا غیر کو اپنا
تری اس فن میں یکتائی مبارک ہو مبارک ہو

براہین ودلائل سے کیا قائل مخالف کو
زہے تدبیرو دانائی مبارک ہو مبارک ہو

یہ تیرے بحر ذخائر علوم دیں کی موجیں ہیں
یہ گہرائی یہ پہنائی مبارک ہو مبارک ہو

اکیلے نے شکست فاش دی افواج باطل کو
طبیعت کچھ نہ گھبرائی مبارک ہو مبارک ہو

جزاک اللہ فی الدارین خیرا اے یل نامی
تجھے یہ جنگ تنہائی مبارک ہو مبارک ہو

خدا کے دین کی خدمت غذائے روح تیری ہے
یہی لذت تجھے بھائی مبارک ہو مبارک ہو

کرے کس طور فارانی بیاں تیرے فضائل کا
تجھے خالق کی زیبائی مبارک ہو مبارک ہو

☆☆☆

مولانا ثناء اللہ زندہ شہید زندہ باد!

(از مولوی محمد یوسف شمس محمدی رحمۃ اللہ علیہ اہل الذکر فیض آباد)

اے کہ تو نے خون اپنا نذر مولا کر دیا
ہو کے زخمی سب مسلمانوں کو زندہ کر دیا

مذہب باطل کی کمزوری نمایاں ہو گئی
دین برحق کی صداقت کو ہویدا کر دیا

ہندو ازم کی کتھاؤں کا بکھیرا تار و پود
حق پرستوں نے اسے مکڑی کا جالا کر دیا

تیرے سر کے زخم نے اے سردار اہل حدیث
تیری سرداری کو عالم آشکار کر دیا

تیرا ہر اک قطرۂ خوں بن گیا آب حیات
جس نے امرتسر کو اک امرت کا دریا کر دیا

جگ میں پھیلا دی تری مدح وثناء اللہ نے
خلق میں تیری وفاداری کا شہرا کر دیا

ابن ملجم کی شقاوت پھر ہوئی ہے آشکار
شیر حق پر جس نے امرتسر میں حملہ کر دیا

وار تجھ پر کیا ہوا اے علم کے روح رواں
سارے ہندوستان میں اک حشر برپا کر دیا

تو ادھر زخمی ہوا ہے آفتاب علم دیں
ابر باراں شمس کی آنکھوں نے پیدا کر دیا

(مرسلہ انجمن انصار اللہ فیض آباد یوپی)

قاتلانہ حملہ کی مذمت

(ازقلم جناب فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ رہبر پرتاب گڈھی)

طلوع صبح ہوتے ہی فنا پائی ستاروں نے دکھائی بے بسی گلشن نے عالم کے کناروں نے
ضیا پاشی پہ اس کو کر دیا مجبور غاروں نے کہیں دامن تمنا کا اٹھایا کوہ ساروں نے

تگ ودو دیکھ یہ سورج شفق کو چیر کر نکلا
چمکتا تلملاتا اور لیے تاب شد نکلا

کرن پڑتے ہی سورج کی ہری کھیتی نکھر آئی جو شبنم برگ وبر پر مثل موتی کے نظر آئی
عنادل کی گلستانوں میں جب امید بر آئی تو کچھ بدمست جھونکے ساتھ لے بادِ سحر آئی

امیروں کے لیے گویا یہ ساعت بن کے عید آئی
غریبوں کے لیے ساعت یہ کیا آئی وعید آئی

امیروں کی شریعت ہے گہر ریزی گر بیزی غریبوں کی شریعت ہے سحر خیزی عرق ریزی
شریعت مردِ مومن کی کم آمیزی ویر ہیزی نظر میں یکساں ہے اس کی چنگیزی وپرویزی

نظام دہر کی اس کش مکش پر غور کرتا تھا
ہجوم نا امیدی سے اثر لیتا گزرتا تھا

یکا یک حالت گلشن دگرگوں سی نظر آئی اداسی گنبد نیلو فری کے بام پر آئی
خبر آئی اسی عرصے میں اور وحشت اثر آئی بڑی سرعت سے آئی اور صبا کے دوش پر آئی

شعاع مہر عالم تاب پر ابر کثیف آیا
یکا یک قادیاں کے آج فاتح پر ہوا حملہ

یہ امرت سر سے آئی اداس خبر جب تار برقی پر تعجب تھا تاسف تھا بنا ماتم کدہ گھر گھر
نظر آئیں ہویدا سرخیاں گردونِ گرداں پر دل شاعر بھی آیا جوش میں خامہ ہوا مضطر

ثناء اللہ پر حملہ قیامت ہے قیامت ہے
ہواؤں نے فضاؤں نے کہا لعنت ہے لعنت ہے

کیا حملہ یہ کس بدبخت نے عالم کے عالم پر
مسلمانون کے ناظم پر مسلمانوں کے خادم پر

یہ حملہ قاتلانہ صاحب خیرو مکارم پر
الٰہی آسماں کیوں پھٹ نہیں پڑتا ہے ظالم پر

نظیر اس کی نظر آتی نہیں اقوام عالم میں
مسلمانوا کہاں سے یہ درندے آگئے تم میں

جسے رکھے خدا زندہ مٹا سکتا نہیں کوئی
تہ گردون گرداں ابر لا سکتا نہیں کوئی

خدا کی مصلحت کا بھید پا سکتا نہیں کوئی
موحد ہے مسلماں تو مٹا سکتا نہیں کوئی

ضیائے نیر اعظم کہیں مستور ہوتی ہے
کہیں لعل بدخشاں کی چمک بھی دور ہوتی ہے

سخن سنجو مرے جذبات کی کچھ قدر فرمانا
سروں کے بل حفاظت میں ثناء اللہ کی جانا

شراب معرفت سے پُر ہے ان کے دل کا میخانہ
پیام اس حملہ آور کو بھی رہبر کا یہ پہنچانا

بہنگام طپیدن نار۔ اف آں ناسزا چہ کرد
ندا ند قصۂ بولہب۔ اوبا مصطفیٰ چہ کرد

☆☆☆

در تقریب غسل صحت مولانا ثناء اللہ صاحب مدظلہ العالی

(از مولوی ابوالوفا مصطفیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ خادم اجمیری)

تصویر شریعت ہیں مولانا ثناء اللہ
تنویر ہدایت ہیں مولانا ثناء اللہ

عالم بھی ہیں فاضل بھی ہر فن میں ہیں کامل بھی
وہ خضر طریقت ہیں مولانا ثناء اللہ

اخبار کے حافظ ہیں، مذہب کے محافظ ہیں
اک زندہ کرامت ہیں مولانا ثناء اللہ

اسلام کے خادم ہیں، مقبول اعاظم ہیں
اس وقت غنیمت ہیں مولانا ثناء اللہ

توحید کے حامی ہیں، مذہب کے پیامی ہیں
اسلام کی عزت ہیں مولانا ثناء اللہ

تکلیف میں صابر ہیں، آرام میں شاکر ہیں
وہ عاشق سنت ہیں مولانا ثناء اللہ

ہے سینۂ بے کینہ، اخلاص کا آئینہ
تفسیر محبت ہیں، مولانا ثناء اللہ

تصویر صداقت ہیں، مرآۃِ شریعت ہیں
اللہ کی رحمت ہیں، مولانا ثناء اللہ

اللہ رکھے دائم، اللہ رکھے قائم
مسلم کی حمایت ہیں، مولانا ثناء اللہ

تاریخ یہ نادم سے آخر کہی ہاتف نے
کہہ! صاحب ہمت ہیں مولانا ثناء اللہ

۱۳۵۱ھ

☆☆☆

قطعہ تاریخ اردو

برحملہ قاتلانہ

(مرقومہ جناب شاکر صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ازسرس ضلع گیا)

ایک تیرا نام ہے اللہ کی حمدوثنا — ایک تیری ذات ہے لاریب اک شمع ہدا
منتخب رب نے کیا ہے تجھ کو ملت کے لیے — گلشن اسلام کا ہے تو گل رنگین قبا
تو مفسر، تو محدث، تو مناظر، تو فقیہ — مجمع اوصاف تو ہم میں ہے بے چون وچرا
مرتبہ تیرا فزوں ہوتا نہ بے گھائل ہوئے — جو کمی تھی وہ ہوئی پوری بحکم کبریا

فکر تھی تاریخ حملہ کی یہ شاکر نے کہا
زخم کھا کر بچ رہے زندہ جناب بوالوفا

۱۳۵۶ ہجری

ایضاً فارسی

چوں شنیدم حملہ، قاتل شدہ غم ہم فزوں — بعد زآں مسرور گشتم خبر صحت بود چوں
مخزن فضل وکمالات اے جناب بو الوفا — بر تو باشد سایۂ صناعِ چرخِ نیلگوں
غازی ملت شدی چوں زخم خوردی از عدو — حق زتو گرد وعلو باطل شد از تو سرنگوں

گھف سال حملہ وصحت بہم شاکر چہ خوب
بوا لوفا مجروح بودہ گوِ بصحت شد کنوں

۱۳۵۶ ہجری

☆☆☆

تاثرات آثمی

(از نسیم آثمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل ادب جامعہ قاسمیہ مراد آباد)

قیامت تک رہے یونہی خدا کے نام کا جھنڈا
ثناء اللہ کے ہاتھوں میں رہے اسلام کا جھنڈا

گرایا ہر جگہ سے بدعت واوہام کا جھنڈا
کیا اونچا زمانے میں خدا کے نام کا جھنڈا

ہوا صادق بیانی کا مخالف ہر طرح قائل
پئے تقریر جب لیکر اٹھے اسلام کا جھنڈا

قیامت تک ثناء اللہ کے دم کو خدا رکھے
نظر آئے زمانے میں انہیں کے نام کا جھنڈا

رضا خانی نہ ٹھہرینگے مقابل میں موحد کے
وہ اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں سب اوہام کا جھنڈا

نسیم زار کی اللہ سے ہر دم دعا یہ ہے
دمِ آخر ہو اپنے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا

(مرسلہ:۔ منیجر دواخانہ انصاری۔ مئو آئمہ)

☆☆☆
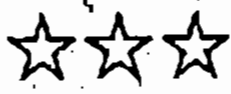
امرتسر کی بالاجمال تاریخ اہل حدیث

اور

قاتلانہ حملہ کا تذکرہ

واقعات مندرجہ ذیل کی روایات حضرت مولوی احمد اللہ صاحب مولوی طالع مند صاحب پنشنر اور ڈپٹی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنشنر متولی مسجد غزنویہ سے مسموع ہیں اور کچھ اپنے چشم دید واقعات بھی ہیں۔ (ابوالوفاء)

امرتسر میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے۔ اسی ۸۰ سال پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ عنایت ایزدی سے ایک صاحب امرتسر میں بسلسلہ ملازمت سرکاری سکول میں آئے جن کا نام نامی مولوی غلام علی صاحب قصوری تھا' مولوی صاحب بھی پہلے اسی خیال کے تھے مگر عنایت الٰہی سے توحید کی سمجھ آئی۔ آپ نے تبلیغ کا سلسلہ بصورت وعظ شروع کیا۔ سرکاری مدرسے کی ملازمت چھوڑ کر کڑہ سفید کی مسجد میں متوکلاً علی اللہ بیٹھ گئے' آپ کے توکل کی یہ شان تھی کہ کبھی کسی حاکم یا رئیس سے ملنے کو نہیں گئے۔ تبلیغ توحید کا اثر اور غلغلہ شہر میں بلند ہوا' عوام مسلمان خاص کر رؤساءِ شہر آپ پر غیظ و غضب کی نظر ڈالنے لگے۔ ایک مقدمہ توہین "چائے گیارھویں" کا بنایا گیا' ادھر حکام کے کان بھرے گئے کہ اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو شہر میں امن نہیں رہے گا' بصد کوشش دو سو روپیہ جرمانہ کرایا' مگر اس جرمانے نے مرحوم کے جوش توحید پر وہی اثر کیا جو کسی شاعر نے کہا ہے۔

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گناہ یاں سزا کے بعد

آپ نے پہلے سے زیادہ اشاعت توحید پر کمر باندھ لی آپ کی تقریر پنجابی زبان میں ہوتی تھی' جس میں اللہ تعالیٰ نے خاص اثر رکھا تھا۔ اسی اثناء میں ایک صاحب مولوی حمایت اللہ کشمیری تشریف لے آئے جو بڑے موحد' اور اشاعت توحید کے شائق تھے۔ مولوی غلام علی رحمۃ اللہ علیہ سے

ملتے جلتے اور علمی مسائل میں آپ سے مستفیض بھی ہوتے تھے۔ آپ نے کشمیریوں میں تبلیغ توحید شروع کی' ان دنوں کشمیری قوم امرتسر میں خاص عروج پر تھی اور رسوم مروجہ کی بڑی دلدادہ' اس لیے انہوں نے مولوی حمایت اللہ صاحب سے بڑی بدسلوکی کی' بہت تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ امرتسر کے سرکردہ حنفی عالم مولوی غلام رسول (عرف رسل بابا) مرحوم اور ان کے بھائی مولوی عزیز بابا مع اپنی ذریات کے مولوی حمایت اللہ کے شاگردوں اور مستفیضوں میں سے تھے' آخرکار مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرتسر سے ہجرت کر کے بھوپال اور وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔ انا للہ! اعلی اللہ درجتہ۔

مولوی غلام علی صاحب نے درس ترجمہ قرآن شروع کیا جس میں بہت سے لوگ شریک ہوتے' چونکہ یہ ابتدائی تحریک تھی' اس لیے مخالف اپنی مخالفت کے ساتھ آتے مگر خاص اثر لے کر جاتے۔ مولوی صاحب کا عقیدہ محدثانہ اور انداز بیان متکلمانہ تھا عموماً تفسیر کبیر کو مدنظر رکھتے تھے' آپ کے زمانے میں مسئلہ تحریق قرآن بھی شہرت پذیر ہوا یعنی قرآن کے بوسیدہ اوراق جلا دینے جائز ہیں۔ آپ نے تحریق اوراق پر ایک چھوٹا سا رسالہ شائع کیا۔ جس کی وجہ سے شہر میں اہل توحید پر آوازے کسے جانے لگے۔

امرتسر کے مشرق کی جانب آج کل کپڑے کی بڑی مارکیٹ ہے یہاں پہلے دکانیں تھیں' ان دکانوں میں پشمینے کا کام کرنے والے لوگ رہتے تھے اور ان دکانوں میں دو شخص قریبی رشتہ دار میاں عبدالمجید اور مولوی اسماعیل بھی اہل حدیث خیال کے تھے۔ انہوں نے ایک دن دکان صاف کر کے پرانے کاغذات حساب کتاب کے جلا دیئے' مخالفوں نے شور مچایا کہ قرآن جلایا روسا کی تحریک سے توہین قرآن کا مقدمہ بنایا گیا' نئے قرآن کا کچھ حصہ جلا کر عدالت میں پیش کیا گیا' شہادت کاذبہ سے ان کو دو سال قید کی سزا ہوئی' محکمہ اپیل سے معاف ہو کر بری کیے گئے یہاں تک تو نور توحید امرتسر میں مغرب کی جانب مولوی غلام علی صاحب کے درس سے چمک رہا تھا اور اب مشرق کی جانب بھی چمکنے لگا جس کی صورت یہ ہوئی کہ مولوی غلام علی صاحب کے شاگردوں میں سے کشمیری رئیس خاندان کے ایک صاحب مولوی احمد اللہ صاحب علم توحید لے کر مشرق میں نمودار ہوئے۔ ان کا مکان شہر کے مشرقی حصہ کڑہ اہلو والیاں میں تھا۔ مولوی احمد اللہ

صاحب دنیاوی حیثیت سے معزز خاندان کے ممبر تھے اور علمی حیثیت سے بھی اچھے عالم اور خوش بیان واعظ تھے۔ آپ نے کڑہ روغن منڈی مسجد تیلیاں میں جمعہ پڑھانا شروع کیا۔ اسی اثناء میں داروغہ محمد عمر مرحوم نے اپنے برادران حافظ محمد یوسف وغیرہ کی تحریک پر مسجد بنائی (جو آج کل "مسجد غزنویہ" کے نام سے مشہور ہے) اور جمعہ کی امامت مولوی احمد اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے سپرد کی۔ تو مولوی صاحب موصوف جمعہ پڑھاتے رہے۔

اسی اثنا میں ایک فرشتہ سیرت انسانی شکل میں اپنے اہل ملک کی بے قدری کی وجہ سے غزنی سے امرتسر میں آیا' جن کا نام مولوی عبداللہ صاحب غزنوی (رحمۃ اللہ علیہ) تھا' آپ کو اہل توحید نے اسی مسجد غزنویہ میں ٹھہرایا جو داروغہ محمد عمر مرحوم نے بنائی تھی مگر اہل شہر خاص کر اس زمانے کے رؤساعظام نے اس بزرگ کی وہی قدر کی جو عموماً دنیا ایسے لوگوں کی کیا کرتی ہے' حکام کے کان بھرے کہ یہ شخص "مجاہدین کا پیر ہے' یہاں سے ان کو مدد بھیجے گا۔ حکام اس زمانے کے مجاہدین کو "ہوا" سمجھ کر خوف زدہ ہو جاتے تھے' اس زمانہ کا ڈپٹی کمشنر ہال صاحب تھا جس کے نام سے ہال بازار بنایا گیا تھا۔ اس کے کان بھی خوب بھرے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ممدوح کو چند روز کے لیے بغیر کسی مقدمہ کی جیل میں بند کر دیا گیا اور جب جیل سے نکالے گئے تو حکم ہوا کہ شہر سے نکل جاؤ کسی گاؤں میں جا رہو۔

امرتسر سے چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں خیروی ہے وہاں کے ذیلدار چوہدری سردار خان اہل توحید تھے۔ انہوں نے مولانا عبداللہ صاحب کی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھا۔ اور وہ ان کو اپنے ہاں لے گئے۔ اتفاق حسنہ کہیے یا قدرت قدیر کا ظہور سمجھیے کہ ۵۷ء کے ایام غدر میں مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں حضرت میاں نذیر حسین دہلوی قدس سرہ کے ہاں حدیث پڑھتے تھے انہی دنوں کسی زخمی انگریز کی خدمت کرنے والوں میں مولوی صاحب بھی تھے' اس انگریز نے شکریہ کی ایک چٹھی آپ کو دی تھی جو اتفاقاً ان کے پاس سے نکل آئی۔ اس کو لے کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری' شیخ رحیم بخش صاحب لاہوری رحمھم اللہ نے گورنمنٹ تک آواز پہنچائی تو حضرت ممدوح کو امرتسر میں قیام کرنے کی اجازت مل گئی آخر کار امرتسر میں ہی آپ نے انتقال فرمایا اور آپ کی قبر بھی سلطان ونڈ کے قریب قبرستان کی معمولی قبروں میں نظر

آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ صاحب اور مولوی غلام علی صاحب وغیرہ علماء اہل حدیث اگر اہل توحید نہ ہوتے تو ان کی قبریں آج مزار مقدس کہلاتیں، جن پر بڑے بڑے گنبد ہوتے، جن کی وجہ سے ان کے پسماندگان اور متعلقین کی معشیت کا اچھا گزارہ ہو جاتا جیسا کہ ملک کی عام زیارت گاہوں کا ہو رہا ہے مگر اب وہاں کیا ہے۔ آواز آتی ہے۔

برمزار ما غریباں نے چراغ و نے گلے نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

مولوی غلام علی صاحب کی زندگی ہی میں مولوی احمد اللہ صاحب نے سلسلہ تبلیغ جاری کر رکھا تھا۔ مسجد غزنویہ میں مولانا عبداللہ صاحب کی اولاد امجاد مولوی عبداللہ ثانی غزنوی، مولوی عبدالجبار وغیرہ رحمھم اللہ نے درس قرآن اور حدیث شروع کر رکھا تھا جس کا اثر بہت کچھ ہوا جزاھم اللہ خیراً۔

شہر کے معززین کی طرف سے مولوی احمد اللہ صاحب پر ایک طوفان بدتمیزی برپا کیا گیا، یعنی ان کے مورث اعلیٰ کی بنائی ہوئی مسجد (معروف مسجد میاں محمد عمر مرحوم) میں ایک حنفی کو امام بنایا گیا، جس کی وجہ سے ہنگامہ شروع ہو گیا، یہاں تک کہ ایک بلوے کا مقدمہ بنا کر مولوی صاحب کو بھی پولیس میں طلب کرایا گیا۔ پولیس کپتان ان دنوں مسٹر وار برٹن نے (جو دراصل پشاور کے علاقے کے مسلمان زادہ عیسائی تھے بڑے دور اندیش اور بڑے منتظم تھے) مولوی احمد اللہ صاحب کو مظلوم جانتے اور کچھ دلی انس بھی رکھتے تھے، اس لیے بلوے کی تفتیش انہوں نے کسی سب انسپکٹر یا انسپکٹر کے سپرد نہ کی بلکہ خود اپنے ہاتھ میں لی۔ میرا چشم دید واقعہ ہے میں اس نظارے کو بھول نہیں سکتا کہ مسجد مذکور کے اصلی اور نقلی نمازیوں کا ایک جتھا کوتوالی میں حاضر تھا، مسٹر وار برٹن نے مولوی صاحب کو کرسی دی، مخالفوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ یہ بھی ہماری طرح کے ملزم ہیں ان کو کرسی کیوں ملی ہے، مسٹر موصوف نے جھڑکا کہ خاموش رہو۔ اللہ کی قدرت کا ظہور دیکھئے کہ ایک بہت بڑے سخت مخالف نے بیان دیا کہ لڑائی ہوتے وقت مولوی احمد اللہ نے کہا تھا۔ مارو کافروں کو شہید کر دو۔

مسٹر وار برٹن نے کہا کافر بھی شہید ہوتے ہیں؟ گواہ نے اور اس کے ساتھیوں نے بیک آواز کہا حضور ایسا ہی کہتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر وار برٹن نے مولوی صاحب کا نام بلوے کے

چالان سے خارج کر کے اور ان سب کو تنبیہ کر کے نکال دیا اور مولوی صاحب کی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ہر نماز کے وقت چار سپاہی اور ایک سارجنٹ مولوی صاحب کے مکان پر آتے اور عرض کرتے کہ چلیے صاحب نماز کا وقت ہے۔ مولوی صاحب جماعت کے ساتھ نماز پڑھ پڑھا کر فارغ ہوتے تو ان کو مکان پر پہنچا جاتے' وہ پانچوں وقت ایسا ہی کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ اہل حدیث کو اشاعت توحید کی وجہ سے امرتسر میں ہر طرح کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ آج امرتسر میں کچھ تو اہل توحید کی کثرت کی وجہ سے اور کچھ زمانے کے انقلاب سے یہ گمان نہ ہوتا تھا کہ اب بھی کوئی ایسا موقع آئے گا لیکن قدرت کے راز کو قادر علیم ہی جانے کہ اس قربانی کے لیے اس نے خاکسار کو منتخب کیا' جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

امرتسر میں چند لوگ خاص عقیدے کے ہیں جس کا اظہار ان لفظوں میں کیا جاتا ہے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

ان چند اشخاص نے ایک ''انجمن خدام عرس امام ابوحنیفہ'' بنائی ہے۔ جس کا اور تو کوئی کام سننے میں نہیں آتا ہاں البتہ سال بعد ایک جلسہ کیا کرتے ہیں' جس میں اہل توحید پر خاص توجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یکم' دو اور تین نومبر ۱۹۳۷ء کو انجمن مذکور کا جلسہ مسجد میاں محمد جان مرحوم امرتسر میں ہوا۔ واعظین میں خاص قابل ذکر مولوی محمد یار بہاولپوری' مولوی بشیر ساکن کوٹلی لوہاراں' مولوی عبدالغفور وزیر آبادی اور مولوی مسعود ساکن الہڑ ضلع سیالکوٹ وغیرہ تھے جنہوں نے جماعت اہل توحید کے حق میں عموماً اور خاکسار کے حق میں خصوصاً بہت کچھ اظہار خفگی ⓫ فرمایا۔ اس کے جواب میں جماعت اہل حدیث نے بھی ایک جلسہ مقرر کیا جس میں تقریر کرنے کیلئے میں بذریعہ تانگہ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ کڑہ مہاں سنگھ میں مسجد مبارک کے باہر پہنچ کر تانگہ سے اترا تو ایک نوجوان (قمر بیگ) نے ''یارسول اللہ'' کا نعرہ مار کر تیز کیا ہوا گنڈاسہ (ٹوکہ) زور

⓫ ان صاحبوں کی درگوہر افشانی کو بالاختصار مجلس اہل حدیث امرتسر کڑہ حکیماں نے بصورت اشتہار شائع کیا تھا جو درج ذیل ہے:

شہادات حقہ: ہمارے سامنے جلسہ انجمن خدام امام اعظم امرتسر منعقدہ ۱' ۲' ۳ نومبر (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ) ۳۷ء کو مسجد میاں محمد جان مرحوم امرتسر کی تقریروں میں مندرجہ ذیل الفاظ بھی کہے گئے۔ محمد دین دار اس وقت موجود تھا۔

ا۔ وہابی کو مارنے والا سو شہید کا ثواب پاتا ہے۔

ب۔ وہابی کو جو ایک جوتا مارے گا اس کو ایک حور ملے گی۔

ج۔ مسلمانو آج امرتسر میں کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ کل تم ماتم کرو سیاہ لباس پہنو (لوگو؟) امرتسر میں وہابیوں کی وجہ سے دین کی عزت نہیں رہی۔

د۔ یا محمد کہنے سے وہابی کو بم کا گولہ لگتا ہے۔

(۱) بقلم خود محمد بن عبداللہ بن فضل الدین پونچھی (ج)

(۲) عبدالمنان بن مولوی عبداللہ پونچھی، مسجد غزنویہ (د)

(۳) محمد مسکین ولد غلام رحمان کیمبلپوری، مسجد غزنویہ (ج)

(۴) عبدالرحمٰن پونچھی، ولد خدا بخش بقلم خود، مسجد قدس (د)

(۵) انیس الرحمٰن بنگالی ولد عبداللہ، مسجد گوہراں والی (ب)

(۶) مراد علی ولد عبدالسلام تبتی بقلم خود، مسجد مبارک (ج، د)

(۷) محمد سلیمان بنگالی، مسجد غزنویہ (ب، ج، د)

(۸) اسماعیل ولد نصیر الدین امام، مسجد لوہگڑھ (د)

(۹) محمد برکت اللہ، مسجد تیلیاں (ب)

(۱۰) محمد اسحاق ولد ریاضت اللہ، مسجد مبارک (ب)

(۱۱) محمد علی جان ولد ابراہیم، مسجد لوہاراں ہاتھی دروازہ (ج)

(۱۲) محمد اسحاق حنیف مدیر مبلغ، امرتسر لوہگڑھ (ج، د)

(۱۳) بقلم خود جلال صابر کرموں ڈیوڑھی (د)

(۱۴) محمد علی ولد عبدالواحد، مسجد تیلیاں (ب)

(۱۵) عبدالرحیم ولد عبدالرحمٰن، مسجد گوہرانوالی (ج، د)

(۱۶) محمد سعید ولد عطا محمد پونچھوی، مسجد قدس (ب، ج، د)

(۱۷) عبدالمجید ولد شیخ قائم علی کوچہ دبگراں کڑہ مہاں سنگھ امرتسر (ا، ب، ج، د)

(۱۸) حکیم عبدالجبار ولد چودھری عبدالکریم صاحب (ج)

(۱۹) ابو طیب محمد حسین کوچہ دبگراں امرتسر (ج)

(۲۰) محمد حسن ولد شیخ نواب الدین کڑگ بگیاں امرتسر (ج)

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

سے میرے سر پر مارا۔ جس سے پگڑی اور سخت کلاہ کٹ کر سر پر گہرے زخم آئے۔ بابو عبدالمجید سیکرٹری انجمن اہل حدیث امرتسر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا' اسی حالت میں اس نے ایک وار سامنے چہرے پر کیا جو اس کے پکڑے جانے وجہ سے یہ وار کمزور رہا۔ تاہم میری پیشانی سے ناک تک کافی زخم آیا' اس صدمے سے میں زمین پر گر پڑا اور فوراً سنبھل کر ایک دکان پر کھڑا ہو گیا۔ خون میرے زخموں سے جاری تھا۔ چہرہ اور کپڑے خون سے رنگے ہوئے تھے اور میں مثل شہداء سرخ رنگین نظر آتا تھا۔ (اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِیْ فِی الْمَقْتُوْلِیْنَ فِیْ سَبِیْلِكَ آمین)

بعد رپورٹ نویسی اور معائنہ ڈاکٹری مجھے مکان میں لایا گیا تو میری بے خبری میں عزیزی عطاء اللہ سلمہ اللہ نے مولانا ابراہیم سیالکوتی کو بذریعہ ٹیلیگرام اطلاع کر دی اور صبح سویرے چند احباب عیادت کو بیٹھے تھے کہ آواز آئی مولوی ابراہیم آ گئے۔

میں نے جب ان کو دیکھا تو بے ساختہ منہ سے نکلا:

"دیکھ لو خستہ جاں کی صورت"

مولانا چشم پرنم سے مجھ سے لپٹ گئے ان کے لپٹنے سے مجھے وہی راحت ہوئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف کرتے سے ہوئی تھی۔ مولانا موصوف نے احباب کی پروانہ وار شیدائیت اور میری خستہ حالی پر نظر کر کے مجھے الگ کمرے میں لٹا دیا اور آپ بغرض حفاظت پاس بیٹھے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں سو گیا۔ مولانا ۵ نومبر کا جمعہ پڑھا کر واپس چلے گئے جس کی اطلاع مجھے بعد میں ہوئی۔ اس کے بعد صبح سے شب کے دس گیارہ بجے تک شہری اور بیرونی احباب کا تانتا لگا رہتا اور یہ صورت حال کئی دنوں تک رہی۔

شکر اللہ: باوجود سخت زخم لگنے کے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے کانٹا چبھنے جتنی بھی تکلیف محسوس

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۲۱) محمد شریف ولد شیر محمد بقلم خود دروازہ سلطانونڈ' نیویں گلی امرتسر (اُ' ب' ج' د)

(۲۲) عبدالحق ولد فضل دین' مسجد قدس امرتسر (ج)

(۲۳) حافظ رکن الدین بقلم خود کٹڑہ بھائی امرتسر (ج' د)

(۲۴) منشی محمد عمر کاتب امرتسر' کوچہ نور شاہ (ج)

نہیں ہوئی ہاں جسمانی ضعف اس قدر تھا کہ بول نہیں سکتا تھا جس کی آج تک بھی پوری تلافی نہیں ہوئی۔

شکریہ احباب:

میرے مخلصین نے اس حادثہ میں جو ہمدردی کی ہے میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ان کے خود تشریف لانے اور ٹیلیگرام کے پہنچنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی کسی محبوب ترین ہستی کو تکلیف ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ان کی محبت اور اخلاص میں ترقی بخشے۔

ملزم اپنا کام کر کے فرار ہو گیا اور باوجود پولیس کی تلاش کے وہ نہ ملا۔ اس کا پتہ بتانے والے کے لیے جماعت کی طرف سے انعام رکھا گیا اور آخر کار کلکتے میں اس کا پتہ چلا جہاں سے وہ گرفتار ہو کر (بذریعہ پولیس) ۲۷ جنوری کو امرتسر پہنچا تو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔

مقدمہ کی کارروائی بالا جمال مجسٹریٹ کے فیصلے میں درج ہے جو بصورت اشتہار امرتسر اور دیگر کئی شہروں میں شائع ہو چکا ہے اور یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

بعدالت مسٹر وشن بھگوان ایم۔اے۔پی۔سی۔ایس
ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سر

فوجداری مقدمہ نمبر۲/۱۱ ۱۹۲۸

مستغیث سرکار بنام ملزم قمر بیگ ولد نعمت بیگ۔ مغل عمر ۲۰/۲۲ سال۔ سکنہ امرت سر کڑہ مہاں سنگھ۔

بجرم ۳۰۷ تعزیرات ہند۔ تاریخ ارجاع ۱۱۔۲۔۳۸

فیصلہ

قمر بیگ ولد نعمت بید مغل عمر ۲۰/۲۲ سال' لوہار سکنہ امرتسر پر جرم زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہند عائد کیا گیا ہے کیونکہ ملزم نے مولوی ثناء اللہ لیڈر جماعت اہل حدیث پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

مولوی ثناء اللہ حملہ کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو قریباً دن کے ۴ بجے وہ تانگہ میں سوار ہو کر کڑہ مہاں سنگھ میں جہاں کہ انہوں نے مسجد مبارک میں اہل حدیث فرقہ کو مخاطب کر کے تقریر کرنی تھی جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ بابو عبدالمجید' اسماعیل اور رضا اللہ تھے۔ تانگہ سے اترنے کے بعد انہوں نے ڈاکٹر محمد اسحاق سے مصافحہ کیا جبکہ اچانک ملزم نے یا رسول اللہ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)! کا نعرہ لگا کر مولوی صاحب کی پیٹھ کی طرف سے ٹوکہ (گنڈاسہ) سے سر کی پچھلی اور دہنی جانب ضرب لگائی۔ مولوی صاحب حملہ آور کی طرف پھرے تو حملہ آور نے دوسری ضرب لگائی جو پیشانی اور چہرہ پر لگی۔ مولوی صاحب نے قمر بیگ کو اپنے حملہ آور کے طور پر شناخت کر لیا تھا تب وہ گر گئے اور تھانہ بی ڈویژن میں لے جائے گئے۔ جہاں کہ انہوں نے ابتدائی رپورٹ دی جو اگزیٹ پی۔اے۔ ہے۔ ان کی پگڑی اور کلاہ پی (۱) اور پی (۲) سر کی پچھلی طرف سے چوٹ لگنے کے سبب کاٹے گئے۔ اور پولیس نے اپنے قبضہ میں لے لیے تھانہ سے وہ ہسپتال میں لے جائے گئے جہاں پر ان کا ڈاکٹر معائنہ کیا گیا۔ حملہ کا باعث انہوں نے یوں بیان کیا ہے کہ مخالف پارٹی المعروف خادمان عرس نے زیر اہتمام محمد الدین دار

بتواریخ یکم۔ دوئم۔ سوئم نومبر ۱۹۳۷ء مسجد محمد جان مرحوم میں جلسے کئے اور ان جلسوں میں مولوی ثناء اللہ اور ان کی پارٹی کے خلاف نفرت پھیلائی' وہ اس کو زیادہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے لیکن ان کو گمان ہے کہ ملزم جس کو وہ اس سے پیشتر جانتے بھی نہ تھے غالباً مخالف پارٹی کا رکن ہے۔

مولوی ثناء اللہ کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں:۔

ڈاکٹر اسحاق گواہ استغاثہ۔ نمبر ا' عبدالرؤف نمبر ۳ گواہ استغاثہ۔ اسماعیل گواہ استغاثہ نمبر ۳ اور رضاء اللہ گواہ استغاثہ نمبر ۵ اور عبدالمجید گواہ جو کہ ہندوستان سے باہر حج کو چلے گئے ان کی گواہی جو مسٹر شوری مجسٹریٹ نے زیر دفعہ ۵۱۲ ضابطہ فوجداری قلم بند کی تھی اس مسل میں منتقل کر دی گئی ہے' انہوں نے بھی ملزم کو حملہ آور گردانا ہے اور استغاثہ کی کہانی سے جو دوسروں نے بیان کی ہے۔ اس سے اتفاق کرتے ہیں۔

اور جبکہ بابورام تانگہ ڈرائیور گواہ استغاثہ نمبر ۶ جو کہ مولوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو مسجد مبارک تک تانگہ میں لے گیا تھا وہ بیان نہیں کر سکتا کہ آیا ملزم ہی حملہ آور تھا۔

سردار گوربچن سنگھ گواہ استغاثہ نمبر ۸ مجسٹریٹ فرسٹ کلاس جنہوں نے سب جیل کے اندر (۳۸۔ا۔ ۲۸) کو شناخت پریڈ کروائی تھی اور جنہوں نے فرد شناخت پی ڈی تیار کیا تھا' بیان کرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ اسماعیل اور رضا اللہ نے درست طور پر ملزم کو شناخت کیا مگر بابورام نے ایک دوسرے آدمی کو پہچانا۔ سب انسپکٹر گوربچن سنگھ گواہ استغاثہ نمبر ۹ نے ابتدائی رپورٹ پی۔ اے قلم بند کی اور مولوی صاحب کی کلاہ اور پگڑی کو قبضہ میں لے لیا اور ٹوکہ (گنڈاسہ) پی نمبر ۳ جو کہ عبدالمجید نے پیش کیا تھا اسے بھی قبضہ میں لے لیا اور اس نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے زخموں کی بھی فرد تیار کیا رکی جو پی ٹی ڈی ہے۔ ڈاکٹر پوری گواہ استغاثہ نمبر ۱۰ اسسٹنٹ سرجن سول ہسپتال امرتسر نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے زخموں کا ملاحظہ اس دن شام کے ساڑھے چھ بجے کیا تھا اور انہوں نے مندرجہ ذیل زخم پائے۔

(ا) ایک گہرا زخم ۱/۸=۲ جو کہ ہڈی تک گہرا اور سر کے پچھلے حصہ میں تھا اور سر کے دائیں طرف سے شروع ہوتا تھا۔ قطار میں اس زخم کے ساتھ اور ۴/۱' کے فاصلہ پر ایک اور گہرا زخم ۱/۸ ۱x' تھا جو کہ ہڈی تک گہرا تھا اور ہڈی میں کٹ (قطع) کا نشان تھا جو سلاخ سے معلوم ہوتا تھا۔

(۲) ایک گہرا زخم "۸/ ۲x۱" ناک کے بائیں اور اوپر کی طرف تھا اور ہڈی تک گہرا تھا جو کہ زیادہ گہرے کٹ کا نشان رکھتا تھا اور نچلے حصہ میں زخم کی گہرائی ۴/ ا تھی۔

(۳) ایک گہرا زخم "۸/ ۱x۱" جو ۲/ ا گہرا اور ترچھا تھا اور بائیں ابرو کے اندر کی طرف لگا ہوا تھا۔

یہ زخم ڈاکٹر صاحب کی رائے کے مطابق ٹوکہ سے لگائے جا سکتے ہیں اور وہ تازہ تھے لیکن پنڈت دیویدیال پروسیکوٹنگ انسپکٹر گواہ استغاثہ نمبر ۱۱ بیان کرتے ہیں کہ ملزم ان کے روبرو بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۳۸ء دن کے دس بجے کلکتہ کے دو سپاہیوں نے پیش کیا اور انکے پاس چٹھی P/H کمشنر آف پولیس کلکتہ کی تھی اور ملزم نے اپنا منہ چادر سے لپیٹا ہوا تھا کیونکہ اس کی شناخت ہونی تھی اس لیے گواہ نے اس کو تلقین کی تھی کہ وہ چہرہ کو چھپائے رکھے اور اس معاملہ کے بارے میں چٹھی P/H پر ایک نوٹ دیا تھا۔

ملزم حملہ کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی غیر حاضری ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس دن حملہ ہوا تھا وہ اس دن کلکتہ میں تھا اور امرتسر سے وہ پہلی نومبر کو رات کی گاڑی میں روانہ ہو گیا تھا۔

کل گیارہ گواہان صفائی میں گزرے ہیں۔ پہلے چھ گواہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب پر حملہ ہوتے دیکھا تھا' اور ملزم حملہ آور نہیں ہے اور ہتھیار جو استعمال کیا گیا تھا وہ ٹوکہ نہیں تھا بلکہ لوہے کی کھری والا جوتہ تھا مگر ملزم کی غیر حاضری ثابت کرنے کی خاطر تین گواہان نے صفائی پیش کی ہے۔ رحیم بخش گواہِ صفائی نمبر ۷ بیان کرتا ہے کہ اس کا لڑکا باٹانگر میں جو کہ کلکتہ کے نزدیک ہے رہائش پذیر ہے۔ ساڑھے چار ماہ گزر چکے ہیں کہ ملزم (قمر بیگ) شہر امرتسر سے گیارہ بجے رات کی گاڑی میں روانہ ہوا تھا گواہ نے ملزم کو کچھ چیزیں اپنے لڑکے کو دینے کے لیے دی تھیں' بعد میں اس نے اپنے لڑکے سے ان اشیاء کی رسید حاصل کی تھی۔

بابو معراج الدین ہیڈ بکنگ کلرک امرتسر گواہ صفائی نمبر ۱۸ اپنی روزانہ کیش بک سے ظاہر کرتا ہے کہ پہلی نومبر ۱۹۳۷ء کو تھرڈ کلاس کی ساڑھے آٹھ ٹکٹیں فروخت ہوئی تھیں جو کہ گیارہ بجے والی گاڑی کے لیے جاری کی گئی تھیں۔

غلام رسول گواہ صفائی نمبر ۱۹ امرتسر کا درزی ہے' وہ بیان کرتا ہے کہ ملزم اس کے گھر ۲۔ نومبر کو

پہنچا اور ۴ نومبر کو ملزم نے اپنے آپ کو ۴ دن کے لیے غیر حاضر کیا تھا اور جب وہ واپس آیا تو اس نے گواہ کے ساتھ ۲۰ دن گزارے۔

پچھلے دو گواہ بشیر احمد اور جیون فہرست گواہان صفائی میں درج نہیں تھے ان کو سماعت کے آخری روز ملزم کا باپ لایا تھا اور ملزم کی عرض پر ان کی گواہی بھی قلم بند کی گئی۔

بشیر احمد بیان کرتا ہے کہ قریباً پانچ ماہ گزرے ہونگے کہ دن کے ساڑھے چار بجے وہ ڈاکٹر محمد اسحاق کی بیٹھک پر شطرنج کھیل رہا تھا کہ اسی اثنا میں ایک آدمی دوڑا ہوا آیا اور بیان کیا کہ کسی شخص نے مولوی ثناء اللہ پر جوتے سے حملہ کر دیا ہے' شطرنج کے کھلاڑی مسجد مبارک کی طرف دوڑے جہاں انہوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو زخمی حالت میں زمین پر لیٹے دیکھا' میں (یعنی گواہ) واپس آ گیا مگر ڈاکٹر محمد اسحاق کو وہاں مولوی صاحب کے ساتھ تانگہ میں چھوڑ آیا۔

جیون گواہ صفائی نمبر ۱۱ بیان کرتا ہے کہ پانچ یا چھ ماہ گزرے ہونگے کہ دوپہر کے وقت وہ ڈاکٹر محمد اسحاق کے مکان کے آگے سے گزر رہا تھا تو اس نے ملزم کو ڈاکٹر محمد اسحٰق سے گالی گلوچ ہوتے دیکھا اور گواہ مذکور کے دریافت کرنے پر ڈاکٹر محمد اسحاق نے بتایا کہ ملزم نے اس کی ایک قیمتی دوائی کی شیشی توڑ دی ہے اور یہ کہ ڈاکٹر محمد اسحاق ملزم کو کسی مصیبت میں مبتلا کرائے گا جس سے اس کا بچنا ناممکن ہوگا۔

میں نے اس مقدمہ کو غور وخوض کے ساتھ دیکھا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ الزام ملزم پر ثابت ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ اسماعیل گواہ استغاثہ مولوی صاحب کے دفتر میں نوکر ہے' عبدالمجید انجمن اہل حدیث (جس کا مولوی ثناء اللہ پریزیڈنٹ ہے) کا سیکرٹری ہے' عبدالرؤف بھی اہل حدیث ہے اور رضاء اللہ مولوی صاحب کا پوتا ہے۔ ملزم اور ان کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ملزم کو حملہ سے پہلے جانتے بھی نہیں تھے۔ ان تمام نے بلاشبہ ملزم کو ہی مولوی ثناء اللہ صاحب کا حملہ آور بیان کیا ہے اور ملزم نے گواہان استغاثہ کے متعلق کوئی بھی ایسی بات ظاہر نہیں کی کہ انہوں نے کیوں ملزم کو جھوٹے طور پر اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق کی بابت ملزم نے دشمنی ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کی یہ کوشش بالکل

ناکام رہی اور قیمتی دوائی کی شیشی کے ٹوٹ جانے کا سبب جو جیون گواہ صفائی نمبر ۱۱ نے بیان کیا ہے صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ بات بعد میں بنائی گئی ہے اور ڈاکٹر محمد اسحاق پر اس معاملہ میں جرح نہیں کی گئی۔ درحقیقت جو کچھ اس سے جرح کے دوران میں پوچھا گیا وہ بالکل کسی مختلف بات کی بابت تھا' اس پر جرح کے سلسلے میں یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ صفائی کی طرف سے اس وقت بتایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ ڈاکٹر محمد اسحاق کے لڑکے کے سسر نے پولیس کی مدد سے ڈاکٹر کے گھر کی تلاشی کرائی تھی اور نعمت بیگ ملزم کے باپ نے بھی گھر کی تلاشی کے سلسلے میں مدد کی تھی۔

ڈاکٹر محمد اسحاق کو اتنے الفاظ میں پوچھا گیا تھا کہ آیا اس نے اس وقت نعمت بیگ کو بدلہ لینے کی دھمکی دی تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ جیون گواہ صفائی کو صفائی کے اور گواہوں کی فہرست میں نہیں رکھا گیا تھا لیکن جیون کو ملزم کے باپ کی طرف سے ۲۸ مارچ کو پیش کیا گیا تھا۔ اصل میں جب پہلی مارچ کو ملزم سے پوچھا گیا تھا کہ کیا وہ اپنی مبینہ شکایات جو کہ اس کو ڈاکٹر محمد اسحاق کے خلاف ہیں پوری تفصیل سے بتانے کے لیے تیار ہے تو ملزم نے جواب دیا کہ وہ اس وقت اپنی شکایات بتانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ استغاثہ کے کسی بھی گواہ کا جھوٹا الزام دینے کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

استغاثہ کے مضمون کی تصدیق ڈاکٹری گواہی بھی کرتی ہے اور جو کچھ صفائی کے گواہوں کی طرف سے بتایا گیا اس سے اختلاف رکھتی ہے۔ میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ڈاکٹر پوری کی رائے کے مطابق سر کے پچھلے حصے پر زخم کھری ہیل والے جوتے سے نہیں لگایا جا سکتا تھا بلکہ یہ زخم ٹوکے سے لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے دو گہرے زخم ایک ہی لائن میں ایک دوسرے سے سوا انچ کے فاصلے پر دیکھے تھے۔ میں نے ٹوکا گنڈاسہ پی نمبر ۳ دیکھا ہے جس کی تیز دھار میں دو دندانے ہیں' یہ دندانے غالباً زخموں کے درمیان کے فاصلہ کی وجہ ظاہر کرتے ہیں اور زخم جو اغلباً ایک ہی ضرب سے لگے تھے جیسا کہ گواہان استغاثہ نے بتایا ہے۔

اسی طرح سے زخم نمبر ۲ اور نمبر ۳ جو کہ ڈاکٹری شہادت کے مطابق ایک ضرب سے لگائے جا سکتے ہیں چشم دید گواہوں کے بیان کے مطابق دوسری ضرب لگنے سے پہلے بابو عبدالمجید نے ملزم کے وار کرنے والے بازو کو پکڑ لیا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ ملزم کے پکڑے جانے کی وجہ سے

دوسری ضرب نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا۔

صفائی کی کہانی میں بعض اور ناممکنات بھی ہیں۔ صفائی کے چھ گواہوں نے بتایا کہ انہوں نے کچھ اور لوگوں کے ساتھ حملہ دیکھا تھا' ان میں سے کچھ حملہ آور کے پیچھے دوڑے لیکن پھر بھی حملہ آور بھاگ گیا جو کہ ناممکن ہے۔ گواہوں میں سے کسی نے بھی سوائے اس کے کچھ نہیں بتایا کہ حملہ آور ملزم سے زیادہ موٹا اور لمبا تھا اور یہ بات بعد میں بنائی گئی ہے۔

غیر حاضری کی شہادت بالکل مہمل ہے۔ یہ بات کہ ساڑھے آٹھ تیسرے درجہ کی ٹکٹیں یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو جاری کی گئی تھیں بذات خود یہ ظاہر نہیں کرتی کہ ملزم ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ٹکٹیں لیں۔ اور رحیم بخش گواہ صفائی نمبر ۷ ملزم کا ہمسایہ ہے اس لیے وہ اس کو بچانا چاہتا ہے۔ اس طرح کلکتے والا گواہ غلام رسول ملزم کے باپ کا ایک دیرینہ دوست ہے' وہ میری تسلی نہیں کر سکا کہ اس کو نومبر کی تین تاریخ کس طرح یاد ہے جس دن کہ ملزم کا کلکتے پہنچنا بیان کیا جاتا ہے۔

گواہ صفائی نمبر ۱۰ بشیر احمد جو کہ سمن کے ذریعے طلب نہیں کیا گیا اس کی شہادت بھی مضحکہ انگیز ہے' اس نے یہ تسلیم کیا کہ عموماً وہ اپنی دکان ۶ بجے سے پہلے نہیں چھوڑتا اور اس دن وہ دکان سے ۴ بجے چلا گیا کیونکہ اس کے مہمانوں نے اسے گھر بلایا تھا لیکن بجائے مہمانوں کے پاس جانے کے وہ ڈاکٹر محمد اسحاق کی بیٹھک پر شطرنج کھیلنے چلا گیا۔

وکیل صفائی نے میری توجہ مولوی ثناء اللہ کے ابتدائی بیان اور دوسرے بیان جو کہ انہوں نے عدالت میں دیا کہ اختلاف کی طرف مبذول کرائی' ابتدائی رپورٹ کے مطابق مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ان کو صرف ایک ضرب لگی لیکن ان کا عدالتی بیان اور دوسرے گواہوں کی شہادت ہے کہ ان کو دو نمایاں ضربیں لگیں اور کیفیت پولیس' جو کہ مولوی ثناء اللہ کی رپورٹ کے نیچے لکھی گئی ہے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولیس آفیسر جس نے رپورٹ مرتب کی تھی اس نے بھی خود دو زخموں کی موجودگی نوٹ کی ہے اور زخموں کی فرد میں جو کہ اسی پولیس افسر نے تیار کی تھی دونوں زخموں کا واضح طور پر ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر نے اس دن سوا چھ بجے شام ان زخموں کا معائنہ کیا' اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں زخم شروع ہی سے موجود تھے۔ یا تو مولوی صاحب دوسری

ضرب کے لگنے کے بیان کرنے کو ابتدائی رپورٹ میں درج کروانا بھول گئے ہوں گے کیونکہ اس وقت ان پر ایک تکلیف دہ حالت طاری تھی یا ابتدائی رپورٹ کے لکھنے والے آفیسر نے سہواً چھوڑ دیا ہوگا۔

اس لیے مجھے یہ کہنے میں ذرہ بھر بھی تامل نہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب پر حملہ کرنے والا ملزم مذکورہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اس کا ارادہ مولوی صاحب کو قتل کرنا تھا' ملزم نے حملہ کا آغاز یا رسول اللہ (ﷺ) کا نعرہ لگا کر کیا اور یہ نعرہ ایک تنگ دل متعصّبانہ خیالات رکھنے والے کا ہوتا ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ ایک نیکی کا کام کر رہا ہے۔ اس نے پہلی ضرب اپنے دونوں ہاتھوں سے مولوی ثناء اللہ صاحب کے جسم کے اہم ترین حصہ پر لگائی اور جب مضروب اس کی طرف پلٹے تو اس نے دوسرا وار کیا' پہلے وار کی شدت کلاہ اور پگڑی نے جو کہ مولوی صاحب نے پہنی ہوئی تھی نے کم کر دی اور دوسرے وار کا زور عبدالمجید گواہ کی مداخلت نے کم کر دیا تھا۔ ان خیالات کے باوجود دونوں صورتوں میں ہڈی کٹ گئی اور جرم جس کا ملزم مرتکب ہوا ہے دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہند کی زد میں آتا ہے۔ لہٰذا میں ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ملزم قمر بیگ کو مجرم گردان کر ۴ سال قید بامشقت کا حکم صادر کرتا ہوں۔

(سنایا گیا)

(دستخط) وشن بھگوان

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر

۳۸/۴/۶

ایک سوال

اور

اس کا جواب

بعض احباب اخلاص مندی سے اور بعض معاند عناد سے یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ مولوی صاحب اپنے حملہ آور کو معاف کر دیتے تو یہ کام ان کی شان کے موافق ہوتا۔ سزا دلوانے میں ان کی عزت میں ترقی نہیں ہوئی اور جبکہ معاف کرنے میں ترقی کی امید تھی۔

جواب: صورت ہذا میں معاف کرنا میرے بس کا کام نہ تھا کیونکہ اس مقدمے میں مدعی سرکار تھی اور میری حیثیت ایک شاہد کی تھی اور میرا بیان بحیثیت ایک شاہد کے لیا گیا تھا اسی لیے مجھے دوسرے گواہوں کی طرح یومیہ خرچہ بھی ملا تھا۔

کیا میں اپنی شہادت میں غلط بیانی کر کے علاوہ سرکاری جرم کے قرآنی ارشاد لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ کی خلاف ورزی کرتا۔

یہ دونوں کام میری حیثیت کے خلاف تھے اس لیے ایسے اصحاب بات کرتے ہوئے اس قسم کے واقعہ کو قانونی اور قرآنی روشنی میں دیکھ کر رائے دیا کریں۔ (ابوالوفاء)
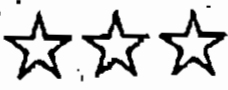
☆☆☆

نور توحید

مُصنّفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابوالوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلے مجھے دیکھئے

(۱) عقیدۂ توحید باری تعالیٰ جیسا قرآن شریف میں مذکور ہے اس پر یقین رکھنا ہر کلمہ گو مسلمان کا فرض ہے۔

(۲) شان رسالت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) بھی جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے اسی طرح اس پر یقین رکھنا ایمان ہے اور ان دونوں عقیدوں میں کمی بیشی کرنا کفر ہے۔ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں دو مجمل جملے ہیں۔

ان کی تشریح قرآن مجید کے مختلف مقامات سے جو ملتی ہے اس کا مختصر نمونہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ رسالت میں اعلیٰ درجے پر ہیں۔ اس دعوے کی تفصیل ہم نے اپنا رسالہ "شمع توحید" میں کی ہوئی ہے جس کے جواب میں ایک رسالہ پروانہ تنقیداً ہماری نظر سے گزرا۔ گو وہ ایسی طرز سے لکھا گیا ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے مگر ہم بقول گونگے کی بات گونگے کی ماں سمجھے۔" اس کو سمجھ گئے۔ اس کو دیکھ کر ہمیں بہت مسرت ہوئی۔

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے ہم نے ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند (آریہ گرو) کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سو انسٹھ تردیدی اعتراض دیکھے تھے، جن کو دیکھ کر ہمیں قرآن مجید کی تصدیق مزید ہوگئی تھی اور اس کے شکریہ میں ہم نے اس کا جواب بنام حق پرکاش لکھا تھا۔ اسی طرح رسالہ "پروانہ تنقید" کو دیکھ کر شمع توحید کی صحت پر مزید یقین ہوگیا۔ اسی شکریہ میں حق پرکاش کی طرح یہ رسالہ "نور توحید" ناظرین کی خدمت میں پیش نظر ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

خادم دین اللہ

ابوالوفاء ثناء اللہ

اگست ۱۹۳۸ء جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ

(امرتسر)

اصل مضمون

رسالہ ''شمع توحید'' کا خلاصہ مصنف پروانہ تنقید نے مندرجہ ذیل الفاظ میں دکھایا ہے۔

(اول) نبی علیہ السلام کو درجہ عبودیت سے بڑھا کر پیش کرنا نصرانیت فی الاسلام کا ارتکاب ہے۔

(دوم) علم غیب نبی علیہ السلام کے لیے ثابت کرنا صرف وہی عقیدہ ہے، جس کی تردید قرآن وحدیث اور خود فقہ حنفی میں بھی موجود ہے۔

(سوم) استعانت بغیر اللہ گناہ کبیرہ ہے۔ (پروانہ صفحہ ۲)

جس طرح مصنف پروانہ نے ہمارے رسالہ کا اختصار دکھایا ہے ہم بھی اس کو اختصار دکھاتے ہیں مگر اسی کے لفظوں میں، آپ فرماتے ہیں اور کیا صاف فرماتے ہیں۔

''جب بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں شریک بنا کر سمیع، بصیر اور عالم بنا کر اعزاز بخشتا ہے تو اگر حضور علیہ السلام کو ان صفات عامہ کے علاوہ مخصوص واردات میں اپنے ساتھ شریک فرما لیا ہے تو اس میں کونسی بڑی بات ہے جو قابل اعتراض ہوگی۔'' (پروانہ تنقید ۱۲)

ناظرین کرام! آپ کو ہم دونوں بھائیوں کا اختلاف معلوم ہو گیا ہوگا۔ ان غالیوں کے نزدیک ابوجہل، نتھا سنگھ، رام دتا وغیرہ انسان بلکہ بلا کتا وغیرہ جملہ حیوانات بھی بوجہ سمیع بصیر ہونے کے اللہ کے شریک ہیں۔ (جل جلالہ)

اس کی مزید تشریح اس پارٹی کے آرگن اخبار ''الفقیہ'' میں یوں کی گئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، ناظرین بغور پڑھیں اور یاد رکھیں۔

سنو! اور گوش دل سے سنو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنا کفر ہے۔ حضور اول و آخر اور ظاہر باطن ہیں۔ اسود احمر کے حاکم اور خزانہ الٰہیہ کے مالک ہیں۔ قاسم

نعم الٰہیہ ہیں، تمام علوم غیبیہ پر اس [1] کی نظر ہے، سمیع بصیر خبیر ہیں، حیات النبی ہیں، رحمۃ لعالمین ہیں، ہر اپنے عاشق صادق پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں۔ مختار و مالک ہیں۔ آپ کا تصور ہر دم نفع رسان ہے۔ (الفقیہ امرتسر ۷ جون ۳۸ء ص ۸ کالم نمبر ۲)

نور۔ مصنف ''پروانہ'' نے جن مخصوص واردات میں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بالامکان لکھا ہے مذکورہ نامہ نگار ''الفقیہ'' نے اس عبارت میں اس کا کافی اظہار کر دیا جس کے لئے ہم اس کے مشکور ہیں کیونکہ اب ان کا عقیدہ سمجھنے اور سمجھانے میں ہمیں دقت نہ ہوگی۔

ناظرین کرام! یہ ہے گروہ غالیہ کے مذہب کا بیان۔ حنفی دوستو! ہم جانتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں، پھر کیا ایسے غلط عقیدے کی تردید یا اصلاح کرنا آپ کا فرض نہیں؟ بحالیکہ یہ لوگ آپ لوگوں کے حنفی برادر حنفیت میں شریک ہونے کی وجہ سے حنفیت کے لیے موجب بدنامی ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کی ایسی تحریروں سے غیر حنفی یہی سمجھتے ہیں کہ مذہب حنفی یہی ہے۔ شیخ سعدی مرحوم نے ٹھیک کہا ہے۔ ؎

چو از قومے یکے بے دانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

حق تو یہ ہے کہ غالیہ، مسیحیہ اور سناتن دھرمی ہنود کے عقائد کو مثلث کی صورت میں دکھایا جائے تو بالکل مثلث متساوی الاضلاع بن جاتا ہے۔ مسیحی کہتے ہیں مسیح الوہیت کا اقنوم ہے۔ ہندو کہتے ہیں رام اور کرشن وغیرہ پرمیشور کے اوتار ہیں۔ طائفہ غالیہ کا عقیدہ اوپر آپ کے سامنے ہے۔ پس ان تینوں گروہوں کا مثلث متساوی الاضلاع ایسا بنتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے۔
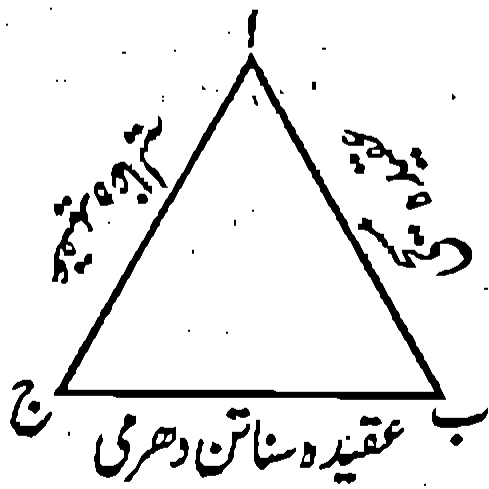
لطیفہ حافظ ابن حزم محدث نے اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ رافضیوں میں ایک گروہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نبوت علی کا حق تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے خیانت کر کے محمد (علیہ السلام)

[1] اس؟

کو دے دی اس وجہ سے فکفر وہ انہوں نے جبرائیل علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ (جلد ۴ ص ۱۸۳، منہ)

ان بے چارے رافضیوں نے تو ایک سفیر رسالت پر فتویٰ لگایا' مگر ہمارے مخاطب گروہ غالیہ نے اس سے ترقی کر کے اللہ تعالیٰ پر کفر کا فتویٰ کفر لگا دیا' کیونکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی نے قرآن مجید میں یہ جملہ خبریہ نازل فرمایا۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: ۱۱۰)

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔

اس کے بعد معاذ اللہ خود رسول کریم ﷺ پر بھی اس گروہ نے (گویا) کفر کا فتویٰ لگایا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے۔

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون (مشکوٰۃ باب السہو)

میں تمہاری طرح کا بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو ایسے ہی میں بھی بھولتا ہوں۔

بلکہ علم عقائد کے آئمہ اور مصنفین پر بھی انہوں نے کفر کا فتویٰ جڑ دیا' کیونکہ وہ بھی رسول کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

الرسول انسان بعثه الله الی الخلق لتبلیغ الاحکام (شرح عقائد نسفی)

یعنی رسول انسان (بشر) ہے' جس کو اللہ تعالیٰ تبلیغ احکام کے لیے مخلوق کی طرف بھیجتا ہے۔

ہاں ہاں صدمہ تو یہ ہے کہ انجمن حزب الاحناف ہند جس سے مکمل جواب لکھنے کی التماس دیباچہ "پروانہ" میں کی گئی ہے اس پر بھی یہ کفر کا فتویٰ لگا دیا' کیونکہ انجمن بھی اپنے رسالہ "العقائد" میں لکھتی ہے۔

نبی وہ بشر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے' (اور) جس قدر (بھی) انبیاء گزرے (وہ) سب بشر تھے۔ (۱۶ ص ۱۵)

افسوس ان ظالموں کے فتویٰ کفر سے کوئی نہ بچا' حتیٰ کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا بھی لحاظ نہ کیا۔ سچ ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اصل مضمون مصنف پروانہ نے ''شمع توحید'' کے مضامین کا خلاصہ تین نمبروں میں بتایا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضور علیہ السلام کو درجہ عبودیت سے بڑھا کر پیش کرنا نصرانیت فی الاسلام کا ارتکاب ہے۔(بالکل صحیح ہے)

اس پر مصنف پروانہ لکھتے ہیں:۔

اس کتاب (شمع توحید) میں تنقیص شان رسالت اور توہین مداحان رسالت کا ارتکاب ضرور کیا ہے۔ (صفحہ۲)

اللہ کے لیے غور فرمائیے کہ صاحب پروانہ نے ''شمع توحید'' کا خلاصہ نمبر اول جن لفظوں میں بتایا ہے' کیا اس میں سے کوئی ایک لفظ بھی تنقیص شان رسالت کا ہے؟ ہرگز نہیں' ہاں البتہ عبودیت سے بڑھانے کو نصرانیت کہا ہے جو کہ بالکل ٹھیک ہے۔ پس ہمارے ان اخوان یوسف کا مرکز نزاع یہ ٹھہرا کہ جناب مصطفیٰ احمد مجتبیٰ محمد بن عبداللہ ﷺ عبودیت کے دائرے کے اندر تھے یا باہر؟ ہمارا دعویٰ کا ثبوت قرآن مجید میں بکثرت ملتا ہے۔ ان میں سے ایک دو آیات لکھتا ہوں۔ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کو معراج کے موقعہ پر جو قرب الٰہی حاصل ہوا تھا وہ ساری عمر کا نشان اعزازی ہے اور اس کمال قرب کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے عبدہٖ کا لفظ رکھا ہے۔

پہلی آیت ملاحظہ ہو:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ (بنی اسرائیل:۱)

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو شب معراج میں لے گیا۔

بتائیے کہ کمال قرب محمدی کا اظہار کس لفظ سے کیا جاتا ہے؟ عبدہ سے (اللھم صلی علی عبدك محمد)۔

دوسری آیت منکرین قرآن کو جو چیلنج دیا گیا ہے وہ کن لفظوں میں ہے' اس کا چیلنج قرآن مجید سے میں پیش کرتا ہوں۔ سنیے!

اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (البقرۃ: ۲۳)

اے منکرو! اگر اس کلام کے منکر ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسا کلام بنا لاؤ۔

ناظرین! انصاب شہادت کے قانون سے ہم نے دو گواہ صادق مصدوق پیش کر دیئے، جن پر فریق مخالف جرح نہیں کر سکتا کیونکہ اس شہادت سے صاف ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عین حالت کمال قرب الٰہی میں بھی ''عبد'' تھے۔ لہ الحمد!

ہمارے اخوان یوسف (مولف پروانہ اور اسکے ہم نواؤں) کو مدح الرسول کا بہت شوق ہے تو ہم بھی ان کے شوق میں ترقی کی دعا کرتے ہیں، مگر ہم ان کو مدح الرسول میں مسیحیوں کی طرح غلو تک پہنچانے سے روکتے ہیں، کیونکہ یہ طریق خود ہمارے ممدوح (علیہ السلام) کو پسند نہ تھا۔ یاد کرو وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ کی موجودگی میں ایک لڑکی نے اپنے بزرگوں کی تعریف کرتے ہوئے نبی ﷺ کی مدح میں یہ مصرع کہہ دیا۔

وفينا نبی يعلم مافی غد (مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)

ہم میں اس وقت ایک نبی ہے جو کل کے واقعات جانتا ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ اور وہی اپنے بزرگوں کے واقعات گاتی جا۔

اور خالی مداحوں کو غلو سے اس طرح منع فرمایا:۔

لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم انما انا عبدٌ فقولوا عبده ورسوله۔ (مشکوٰۃ باب المفاخرہ)

اس حدیث کا ترجمہ مولانا حالی مرحوم نے یوں کیا ہے۔ جزاہ اللہ!

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

غالباً یہاں تک تو ہمارا اور ہمارے اخوان یوسف کا اتفاق ہے کہ مدح الرسول میں غلو کرنا (حد سے بڑھنا) جائز نہیں اور اس اتفاق کے بعد یہ جملہ بھی متفق علیہ ہے کہ "نبی ﷺ کے جو اوصاف قرآن وحدیث میں آئے ہیں وہ صحیح ہیں۔"

پس اس اتفاق کے بعد مصنف پروانہ اور اس کے مدیر کا ظلم وستم سنیئے کہ انہوں نے انجمن اہل حدیث امرتسر کے ایک اشتہار کا اقتباس دکھایا ہے۔ اس عبارت کی تصحیح سے پہلے مصنف کی جرأت بتانے کیلئے ہم اس اشتہار (سناتن دھرمی کتھا) سے اصل عبارت نقل کرتے ہیں جو انجمن اہل حدیث امرتسر کی طرف سے شائع کیا گیا تھا' جس کو ان لوگوں نے بری صورت میں دکھا کر اپنے پروانوں کو شمع پر جلایا۔ اشتہار کی اصل عبارت مع پروانہ کی عبادیرت کے پڑھیے۔ اور غور کیجیے۔

اشتہار سناتن دھرمی کتھا	پروانہ تنقید
قرآن کی نص صریح جس (نبی ﷺ کی) ذات ستودہ صفات کے حق میں ان الفاظ میں وارد ہو۔	حضور علیہ السلام کی مدح سرائی کو سناتن دھرمی کتھا سے تعبیر کرتے رہے اور یہاں تک تنقیص رسالت کا ارتکاب کیا کہ ایک اشتہار میں لکھ دیا کہ
قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا○ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (الجن: ۲۲۔۲۱)	"وہی محمد جو تمہاری مانند بشر ہو جو کل کی بات نہ جانتا ہو"
جس کی اپنی شان میں یہ ارشاد الٰہی پہنچا ہو۔	جس کو عذاب کا ڈر ہو "جس کو اپنے انجام کی خبر نہیں' جس کو شیطان تکلیف میں پھنسائے غلطی کرا سکے" بیمار ہو سکے۔
لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ۔ (الاعراف۔ ۸۸)	اور جو یہ کہے کہ محمد (ﷺ) تو اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں"
ہاں ہاں جس کی شان میں یہ بھی وارد ہوا ہو۔	اس کو لوگوں سے دوگنا بخار ہوا تھا'

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ (آل عمران۔ ۱۲۸)

جو تکلیف اور بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر باندھے ① جس کو بخار چڑھے تو دوسروں سے دگنا چڑھے ② اور فرمائے کہ مجھے اجر بھی دگنا ملتا ہے جو انتقال کے وقت بڑی تکلیف کے ساتھ رخصت ہو ③ جو اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کو صاف فرمائے۔ ④

لا املك لك من الله شيئا۔ جو اپنی غلامی کا اظہار یہاں تک کرے کہ انما اٰکُلُ کما یاکل العبد ⑤ جو اپنے انتقال کے وقت وصیت فرما جائے۔

لا تجعلوا قبری وثنا یعبد ⑥

اگر اس بزرگ کی امت اس کو زمین وآسمان کا مالک سمجھے تو وہ مسیحیوں کو کس منہ سے کافر کہہ سکتی ہے۔

بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھے بیٹھے یعنی بھوک کی تکلیف کو پانی سے دور نہ کر سکے، جن کا بڑی تکلیف کے ساتھ انتقال ہوا (اور) تنگی موت کو دور نہ کر سکے (تو) کیا وہ کسی چیز کا مالک ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!''

ناظرین کرام! ان دونوں عبارتوں کو غور سے پڑھیں اور پروانہ کی جس عبارت کو ہم نے قوسین (   ) میں دیا ہے وہ انجمن کے اشتہار (سناتن دھرمی کتھا) میں دکھانے کا غالیہ سے مطالبہ کریں اور اگر وہ نہ دکھا سکیں تو بتائیں کہ قرآن مجید میں جھوٹ بولنے اور افترا کرنے والوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا کیا ارشاد ہے۔ بھول گئے ہوں تو ہم بتائے دیتے ہیں۔ سنیئے!

---

① مشکوٰۃ باب ما کان عیش النبی ﷺ
② بخاری شریف باب وفات النبی ﷺ
③ مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ص ۳۲۱ مجتبائی
④ خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۷۱
⑤ مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر۔
⑥ مؤطا امام مالکؒ

اِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ۔ (النحل۔۱۰۵)

کسی پر جھوٹ افترا کرنا بے ایمانوں کا کام ہے۔

اشتہار مذکور میں جو واقعات درج ہیں ان کا ثبوت خود اشتہار مذکور میں ساتھ ساتھ درج ہے' ناظرین حواشی میں ملاحظہ فرمالیں۔

اخوان یوسف! سنیے اور دل اور دل لگا کر سنیے! کانوں سے روئی نکال کر سنیے! سب مدعیان تصوف اور اہل سنت سر جوڑ کر جواب دیں۔

آپ صاحبوں کے گوش حق نیوش تک پہنچا ہوگا کہ آریوں نے ایک رسالہ (ذات مقدسہ کی توہین میں) بنام رنگیلا رسول شائع کیا تھا جس کی وجہ سے صوبہ پنجاب بلکہ سارے ملک ہندوستان میں وہ چیخ وپکار مچی تھی کہ میدان حشر یاد آتا تھا تو اس وقت اس توہینی رسالہ کا جواب ''مقدس رسول'' کے نام سے کس نے دیا تھا؟

نہ جانتے ہو تو سنو! اسی نے دیا تھا جس کو محبان رسول نے اپنی مزعومہ محبت کے جوش میں واجب القتل جان کر ۴ نومبر ۲۷ء کے روز قاتلانہ حملہ کر کے شہید کرانا چاہتے تھے اور جب کہ اس کے منہ پر یہ شعر تھا ؎

لست ابالی حین اقتل مسلما علیٰ ای شق کان فی اللہ مصاعی

جس کا مطلب استاد غالب مرحوم نے یوں ادا کیا ہے۔ ؎

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

چند سوال جی چاہتا ہے کہ پروانہ پارٹی سے چند سوال کر کے مسئلے کو حل کرائیں۔

(۱) نبی علیہ السلام کسی بشر کے بیٹے تھے؟

(۲) نبی کھاتے پیتے تھے؟

(۳) نبی کی بیویاں تھیں؟

(۴) نبی غسل جنابت کرتے تھے؟

(۵) نبی صاحب اولاد تھے؟

ان سوالوں کے جوابات اگر مثبت ہیں تو پھر بشریت اور عبدیت میں کیا کلام؟

اللھم نشھد ان محمدا بشر عبدك ورسولك

پروانہ صاحب! اپنی قابلیت اور سنیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اگر وہابیوں کے نزدیک آنحضرت بشر ہیں تو وہ درود یوں پڑھا کریں۔

اللھم صلی علی بشرك۔ (ص ۷)

سچ تو یہ ہے کہ اس لیاقت اور دیانت کے لوگ جو بھی کہیں بجا ہے' جن کو خبر نہیں کہ بشر کا لفظ ذو اضافت نہیں اس لیے یہ مضاف نہیں ہو سکتا۔ الا جب اس کو عبد کے لفظ سے تعبیر کریں تو اس وقت بے شک ہم کہیں گے:۔

اشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہٗ

منطق کی ٹانگ کس نے توڑی؟ میں سچ کہتا ہوں کہ علوم آلیہ میں سے "علم منطق" میرا محبوب ترین علم ہے۔ مصنفِ "پروانہ" نے ایک سرخی لکھی ہے۔ "مولوی ثناء اللہ نے منطق کی ٹانگ توڑ دی۔" اس کا واقعہ یہ ہے کہ گروہ غالیہ کی طرف سے آیت۔

"اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال۔ ۲۴) پیش کی جاتی ہے جس کے متعلق میں نے "شمع توحید" میں لکھا تھا۔

"اللہ تعالیٰ تو بذات خود استجابت کا حقدار ہے۔ اس کے لیے اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ کی شرط اس میں نہیں۔ رسول کی دو حیثیتیں ہیں' پہلی بشریت کی' دوسری رسالت کی۔ اس لیے رسول کی استجابت کے لیے اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ کی حکم تم پر واجب العمل ہے جو رسالت کی حیثیت میں ہو۔ اس کی منطقی اصطلاح سمجھنا اور سمجھانا بالکل آسان ہے۔ اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ قضیہ ضروریہ مطلقہ اور استجیبوا للرسول قضیہ مشروطہ عامہ ہے۔ فافھم ولا تکن من القاصرین۔" (ص ۱۷)

اس عبارت کے آخر میں جو میں نے لاتکن من القاصرین لکھا تھا یہ فقرہ اہل منطق وہاں لکھا کرتے ہیں جہاں ان کو شبہ ہوتا ہے کہ ہمارا مضمون قاصر الفہم نہیں سمجھیں گے۔ آخر وہی ہوا جو خیال تھا اور مصنف پروانہ نے اس عبارت پر خوب جلی کٹی سنائیں' ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"باقی رہا منطقی زور تو اس کی قابلیت بھی قاف قابل سے معلوم ہو چکی ہے کہ جملہ انشائیہ کو قضیہ مشروطہ عامہ بنایا جارہا ہے۔ حالانکہ منطقی صرف جملہ خبریہ کی بحث کیا کرتے ہیں۔ بالفرض اگر ایک جملہ انشائیہ کو مشروطہ عامہ بنالیا گیا تھا تو وصف عنوانی کا بیان بھی تو ضروری تھا' لیکن تاویل میں اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی موجود نہیں۔

ہم حیران ہیں کہ جب کوئی منطقی جناب کے یہ لفظ دیکھ پائے گا کہ استجیبوا للہ تفیہ ضروری مطلقہ ہے اور "والرسول اذا دعا کم لما یحییکم" قضیہ مشروطہ عامہ ہے' تو کیا کہے گا؟ شاید یوں کہہ دے کہ جناب نے ہاتھی کا نام تو سنا ہوا ہے مگر شناخت کے وقت ایک لیموں کو ہاتھی بتا دیتے ہیں۔ ورنہ خود ہی بتایئے کہ آیت میں کہاں تاکیدی لفظ موجود ہیں کہ جن سے ضرورت ذاتیہ کا استنباط ہو سکے۔" (پروانہ تنقید صفحہ ۹)

نور۔ لاریب اہل منطق جملہ انشائیہ کو قضیہ نہیں کہتے تو اسی طرح جو مخاطب دانستہ نہ سمجھے تو اس کو مناظر نہیں بلکہ مجادل کہتے ہیں۔ سنیے:•

اے جناب! میں نے استجیبوا کو قضیہ نہیں لکھا بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں قضیہ ضروریہ مطلقہ اور مشروطہ کا مواد موجود ہے' کیونکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ

الله مستجاب بالضرورة والرسول من حيث الرسالة مستجاب بالضرورة اور یہ دو قضیے ان قضیوں کی مانند ہیں۔

الانسان حیوان بالضرورة	والكاتب متحرك الاصابع بالضرورة
ضروریہ مطلقہ	مشروطہ عامہ

میرے اس بیان کا قرینہ خود "شمع توحید" میں ملتا ہے۔ جو یہ ہے:۔

"اللہ تعالیٰ تو بذات خود استجابت کا حقدار ہے اور رسول بحیثیت رسالت"

اہل منطق تو کلام میں یہاں تک ارتکاب تجوز کر دیا کرتے ہیں کہ العلم صورة کی جگہ حصول صورة کہہ دیتے ہیں۔ مجھے شبہ تھا کہ پروانہ پارٹی اپنے کمال علمی میں معترض ہوگی' اس لیے میں نے بغرض تنبیہ لکھا تھا۔ ولا تکن من القاصرین۔ سچ ہے۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے دے آدمی کو موت پر یہ بدادا نہ دے

میرے ایک صنفی برادر نے بھی میرے ایک معقولی فقرہ کی وجہ سے مجھے یتیم فی المنطق لکھا ہے' وہ فقرہ یہ ہے کہ

اہل میزان کا اتفاق ہے کہ ضروریہ کی نقیض ممکنہ ہے اور دائمہ مطلقہ کی نقیض مطلقہ عامہ' حالانکہ ضروریہ کی نقیض ضروریہ کے مادہ اور دائمہ کی دائمہ کے مادہ میں بھی متحقق ہو سکی مگر اہل میزان نقیض بتاتے ہوئے ممکنہ اور مطلقہ ہی کہا کرتے ہیں۔ (اجتہاد تقلید۔ طبع دوم ص ۷۱)

اس کے متعلق میرا ایک برادر لکھتا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب بے چارے منطق میں یتیم فرماتے ہیں کہ ''ضروریہ کی نقیض ضروریہ کے مادہ میں اور دائمہ کی نقیض دائمہ کے مادے میں بھی مستحق ہو سکتی ہے''۔ (درائت)

پس یہ ہے میری منطقی یتیمی کا ثبوت۔

جواب۔ یہ ہے کہ میری منطق دانی کا ثبوت تو خود اسی فقرے میں موجود ہے' کیونکہ میں نے لکھا ہے کہ ضروریہ کی نقیض ممکنہ عامہ اور دائمہ کی مطلقہ عامہ ہوتی ہے' ہاں البتہ میرا یہ قول کہ ضروریہ کی نقیض کبھی ضروریہ کے مادہ میں بھی متحقق ہو جاتی ہے ''موجب یتیم (یتیمی) ہے'' اس لیے میں دو قضیے ضروریہ برادر موصوف کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔

(۱) کل انسان حیوان بالضرورۃ

(۲) لا انسان حیوان بالضرورۃ

بتایئے یہ دونوں قضیے سچے ہیں یا جھوٹے یا ایک سچا اور ایک جھوٹا۔

پہلی دو صورتیں تو معترض بھی نہ کہے گا' جبکہ تیسری صورت یقینی ہے۔ تو بتائیں ان دو قضیوں میں نسبت تناقض نہیں تو کیا ہے۔ ہاں میں یہ بتا دوں کہ میں اہل منطق کی اصطلاح سے بے خبر نہیں ہوں اور نہ ہی یہ فقرہ لکھتے وقت بے خبر تھا۔ اسی لیے میں نے اہل میزان کا قول پہلے لکھا تھا کہ ضروریہ کی نقیض ممکنہ ہے۔

چونکہ اہل منطق نسبت تناقض وغیرہ بتانے میں اقل درجہ لیتے ہیں' اس لیے ضروریہ کی نقیض ممکنہ اور دائمہ کی نقیض مطلقہ عامہ اور موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ بتاتے ہیں' حالانکہ ضروریہ کا ارتفاع ضروریہ سے اور موجبہ کلیہ کا ارتفاع سالبہ کلیہ سے بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ امثلہ مذکورہ سے

ثابت ہے۔

ہاں بالغ صاحب! اگر کوئی کہے کہ ہماری پیش کردہ مثال (موجبہ کلیہ اور سالبہ کلیہ) میں موجبہ کلیہ کو ارتفاع ہے تو آپ اس کو یتیم کہیں گے؟ آپ خوشی سے اس کو یتیم کہیے مگر ان دو قضایا میں نسبت بتایئے کیا ہے؟

میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے ان دو قضایا ضروریہ میں اصطلاحی تناقض نہیں بتایا تھا' بلکہ اصطلاحی تناقض بتا کر مادہ ضروریہ میں اس کا تحقق بتایا تھا اور ان دو باتوں میں بڑا فرق ہے۔ پس سنیے:۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

وہابی کا علم نحو۔ اس عنوان کے ماتحت "پروانہ" صاحب نے جو لکھا ہو گا ناظرین بقول "قیاس کن زگلستان من بہار امرا مجھ گئے ہونگے جس کی ہمیں شکایت نہیں' کیونکہ یہ عربی مثال بالکل صحیح ہے "من جهل شيئا عاداه" طائفہ غالیہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی وحدت کا ثبوت اس آیت سے دیا جاتا ہے:۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبة: ٦٢)

اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

اللہ اور رسول زیادہ مستحق (ہے) کہ اس کو راضی کریں۔

کہتے ہیں ضمیرہ مفرد ہے جو دونوں (اللہ و رسول) کی طرف پھرتی ہے' جس سے ثابت ہوا کہ اللہ اور رسول ایک ہی ہیں' چنانچہ ان کا ہیڈ واعظ بہاولپوری اپنی تقریروں میں صاف کہا کرتا ہے کہ اصل توحید یہ ہے کہ اللہ اور رسول کو ایک جانا جائے' الگ الگ جاننا ہی شرک ہے۔

میں نے اس آیت کے متعلق کہا تھا کہ تقدیر کلام اس آیت میں یوں ہے:۔

والله احق ان يرضوه ورسوله احق ان يرضوه

یعنی دراصل یہ دو جملے ہیں۔ ہماری اس ترکیب پر پروانہ سچ مچ جل گیا اور اس پریشانی میں لکھتا ہے۔

یہ تاویل دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہابیوں میں اجتہاد اور قیاس تو ٹکے سیر گا جر مولی سے بھی سستے ہیں۔ مگر یقرؤرن القران ولا یجاوز تراقیھم (ص ۱۰)؟

نور۔ اس لیے ہم اپنی ترکیب نحوی کا ثبوت کتب معتبرہ تفسیر یہ سے دیتے ہیں۔ پس سنیے! صاحب کشاف جو علوم عربیہ خصوصاً علم نحو میں امام مانے گئے ہیں اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں۔

واللہ احق ان یرضوہ ورسول کذالك۔

مفسر بیضاوی، سراج منیر، یہاں تک کہ صاحب جلالین جو درسی تفسیر ہے، یہ ترکیب لکھتے ہیں اور جب کہ محشی جمل برجلالین نے تو بالکل واضح کر کے لکھا ہے:۔

والتقدیر فاللہ احق ان یرضوہ ورسولہ احق ان یرضوہ فیکون الکلام جملتین۔ (جمل وغیرہ)

نور۔ پروانہ پارٹی کے ممبرو! یہ تفسیریں تمہارے پاس نہ ہوں تو اپنے مقتدا مولانا آسی کو دفتر ''اہلحدیث'' میں بھیج دو کہ وہ ملاحظہ فرمالیں۔ ان کا نام ہم نے اس لیے لیا ہے کہ وہ بلا تکلف کتب بینی کے لیے دفتر اہلحدیث میں تشریف لایا کرتے ہیں اور ان کی خصوصیت اس لیے بھی ہے کہ وہی تم میں اہل علم ہیں، اگر وہ تشریف لائینگے تو ہم ایک مصرع ان کی نذر کرینگے'

چھپ نہ تو ہم سے کہ او ماہ جبیں دیکھ لیا۔

مختصر یہ ہے کہ ہم اہل توحید رسول اللہ کو بشر بوصف رسالت مانتے ہیں اور جبکہ طائفہ غالیہ نبی ﷺ کو اوصاف الٰہی میں شریک جان کر بشر کہنا کفر جانتا ہے اس لیے ہم ان کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے عقیدے کی تائید کے لیے التحیا میں سے عبدہ ورسولہ کو نکال دیں، کیونکہ اس لفظ سے ان کے عقیدے پر سخت زد پڑتی ہے اور وہ ایسا پڑھنے سے کفر میں جا گرتے ہیں اس لیے اسے نکال دیں۔

مٹا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی
رکے ہے ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

توہین رسول کا نمونہ۔ پروانہ پارٹی کے ممبرو! واقعی اگر تمہارے دل میں عظمت رسول ہے اور

واقعی تم توہین رسول پر دل سے خفا ہوتے ہو تو ہم تمہیں توہین رسول کا نمونہ سناتے ہیں۔ اس کو سن کر ایمان سے فیصلہ دینا کہ توہین کرنیوالے کون ہیں۔ تمہاری جماعت کا ہیڈ واعظ (محمد یار بہاولپوری) کسی خاص غرض کے تحت ملتان کے ایک مزار کے سجادہ نشین کے حق میں یہ شعر لکھتا ہے۔

برائے چشم بینا از مدینہ برسر ملتان
بشکل صدر دیں خود رحمۃ للعالمین آمد

یعنی (معاذ اللہ) سید الانبیاء علیہم السلام مدینہ سے چل کر صدر دین ملتانی کی صورت میں آگئے۔

تم اس شعر کو غلط جانتے ہو تو اس پر اظہار ناراضگی کیوں نہیں کرتے اور اگر صحیح جانتے ہو تو ملتان میں جا کر اس بزرگ کی زیارت کر کے اصحاب رسول کیوں نہیں بن جاتے کیونکہ رسول اللہ کو دیکھنے والے اصحاب کہلاتے ہیں پس یہ سہل نسخہ استعمال کرو اور اصحاب بن جاؤ۔

اف رے ظلم ہائے رے بے ادبی! یہ ہیں اہل سنت اور یہ ہیں اہل تصوف

جامی باچہ لاف مے زنی از پاک دامنی
برخرقہ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

علم غیب

"شمع توحید" میں دوسرا مسئلہ علم غیب درج تھا جس کا خلاصہ مصنف پروانہ نے یوں بتایا ہے۔ علم غیب نبی علیہ السلام کے لیے ثابت کرنا صرف وہی عقیدہ ہے جس کی تردید قرآن حدیث اور خود فقہ حنفی میں بھی موجود ہے۔ اس کے متعلق "پروانہ" کے مصنف نے ہتھیار ڈال دیئے (الحمدللہ!) اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضور علیہ السلام کو علم ما کان وما سیکون دیا گیا تھا۔ جس کی یوں بھی تعبیر کیا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو علم الاولین والآخرین عطا ہوا تھا اور ان فقرات میں نہ کل کا لفظ موجود ہے نہ جمیع کا لفظ دکھائی دیتا ہے" بلکہ اس میں دوام ثبوت کا بھی اشارہ موجود نہیں۔ کیونکہ یہاں پر اسمیت

جملہ موجود نہیں' تو پھر آپ لوگ کیوں خواہ مخواہ اس کو غالیہ بنا کر عیسائیوں سے ملا رہے ہیں؟
(پروانہ تنقید ص ۱۵)

نور۔ بہت خوب! مطلب یہ ہوا کہ ہمارے زمانہ کے واقعات یومیہ اور آئندہ کا انبیاء علیہ السلام کو علم نہ تھا نہ ہے۔ اس لیے فقہاء حنفیہ نے معاملات میں نبی ﷺ کو کسی واقعہ کا گواہ کرنا کفر سمجھا ہے۔ الحمد للہ! اس مسئلہ میں آپ نے حق کو قبول کیا اور علم غیب کے قائلین سے آپ جدا ہو گئے۔

ع شادم کو از رقیباں دامن کشاں گزشتی

ہاں بتائیے آپ اپنی محترم انجمن حزب الاحناف لاہور کے حق میں کیا کہیں گے جس نے یہ عقیدہ لکھا ہے۔

زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی ﷺ کے پیش نظر ہے۔ (العقائد ص ۲۴)

بھائی! شرع میں شرم کیا صاف کہہ دیجیے کہ ایسے لوگوں کے حق میں شیخ ابن ہمام نے "مسامرہ" میں اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور وغیرہ نے وغیرہ میں کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔
ہاں آپ کی تحریر میں ایک لفظ قابل تشریح ہے یعنی علم الاولین والآخرین' اس میں لفظ علم مصدر مضاف ہے' اس کا مضاف الیہ یعنی الاولین والآخرین اس کا فاعل ہے یا مفعول بہ ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ مضاف الیہ مصدر کا فاعل ہے جس کا معنی یہ ہیں کہ جس قدر احکام شرعیہ پہلوں اور بعد والوں کو معلوم تھے وہ اللہ تعالیٰ نے تمام کے تمام مجھے (محمد ﷺ کو) سکھا دیئے جیسا کہ قرآنی آیت میں ارشاد ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝ (الاعلیٰ: ۱۸-۱۹)

(یہ قرآنی تعلیم) پہلے صحیفوں یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں موجود ہے۔

پروانہ صاحب!۔ اس آیت کے معنی صحیح ہیں یا نہیں اگر صحیح ہیں تو اپنے ان بھائیوں کو جو علم غیب کی سند پر اس حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں حکم دیں کہ اس غلط عقیدہ سے باز آ جاؤ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ' اس کا رسول اور فقہاء تم پر سخت خفا ہوں گے۔

ہمہ تسلیم۔ ہمارے عقیدے کی ہماری پیش کردہ دلیل پروانہ صاحب نے (آیت قرآنیہ) پر اعتراض کیا ہے آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

''وہابی کی پہلی دلیل کا حشر (۱) لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الایہ) میں قیاس استثنائی کی بنیاد ایک قضیہ شرطیہ پر رکھی ہے جو محض عادی اور اتفاقیہ ہے جو کبھی منتج نہیں ہوتا اس لیے ضروری ہے کہ اس مقام پر وہ عنادیہ یا لزومیہ ہو۔ (پروانہ ص ۱۶)

نور۔ ناظرین کرام اور برادران اسلام! اللہ کیلئے غور فرمائیں کہ یہ دلیل جس پر پروانہ صاحب نے اعتراض کیا ہے ہماری ایجاد کردہ ہے یا اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ' کچھ شک نہیں کہ یہ آیت قرآنیہ ہے اور ہم نے تو منطقی اصطلاح میں اس کا مضمون ادا کیا ہے دلیل کو ایجاد نہیں کیا۔

طلباء مدارس عربیہ غور کریں یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قیاس استثنائی (لو کنت) الایہ منتج (نتیجہ خیز) نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو پیش کیوں کیا؟ جواب پروانہ صاحب کی منطق سے خطرہ ہے کہ وہ قیاس استثنائی متعلقہ توحید باری تعالیٰ پر بھی یہ شبہ پیدا کر کے توحید پر بھی ہاتھ صاف کر دیں گے۔ سنیے توحید کے متعلق ارشاد الٰہی بصورت قیاس استثنائی یہ ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیآء۔۲۲)

بتایئے اس قیاس میں وہی شبہ نہیں جو قیاس اول میں آپ نے پیدا کیا ہے۔

جناب پروانہ صاحب! قرآن مجید کی نصوص صریحہ منطقیہ میں کیا پہلے بھی کسی مسلمان نے شبہ پیدا کیا جیسا آپ نے کیا؟ (ہرگز نہیں کیا) کسی شاعر نے آپ کے حق میں کیا خوب کہا ہے۔

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانے میں دستور نکلا

قیاس اقترانی۔ ''شمع توحید'' صفحہ ۲۵۔۲۴ پر علم غیب کی نفی قرآنی الفاظ میں بصورت قیاس اقترانی ہم نے بتائی تھی جس کا صغریٰ کبریٰ یوں تھا۔

انا بشر (صغریٰ)۔ لابشر یعلم الغیب (کبریٰ)

پروانہ صاحب فرماتے ہیں۔

قیاس اقترانی میں کبریٰ قابل اعتراض ہے کیونکہ آپ نے کوئی ثبوت قرآنی پیش نہیں کیا کہ انسان کو علم غیب نہیں ہوتا۔ (پروانہ صفحہ ۱۶)

جواب معلوم ہوتا ہے کہ کبریٰ پر منع وارد کر کے دلیل طلب کرتے ہیں۔

نوٹ:۔ طلب دلیل کو اعتراض کہنا پروانہ جی کی خاص اصطلاح ہے۔

پس اس کی دلیل میں ارشاد الٰہی سنیے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (النمل۔۶۵)

یعنی آسمان اور زمین کے رہنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی علم غیب نہیں جانتا۔ کہیے یہ آیت ہمارے کبریٰ کی دلیل ہے یا نہیں؟

جناب! قرآن مجید کی تعلیم سے بے خبر ہو کر مذہبی تصنیف کرنے پر کہا جائے گا

ابھی دلربائی کے انداز سیکھو
کہ آسان نہیں دل لبھانا کسی کا

☆☆☆

استعانت من غیر اللہ

"شمع توحید" میں یہ مسئلہ تیسرے نمبر پر درج ہوا ہے' استعانت کے معنی ہیں کسی سے مدد طلب کرنا اور اس کی تفصیل ہم رسالہ "شمع توحید" کے صفحہ نمبر ۴۳ میں کر چکے ہیں۔ پروانہ کے مصنفین نے اس پر کوئی معقول اعتراض نہیں کیا' ہاں جو کچھ کہا ہے وہ خاص کر اہل علم اور اہل طلب کے لیے قابل دید اور قابل شنید ہے۔

"وہابی کو سارے قرآن کی طرف توجہ دلائی نہیں جاتی۔

(اول) ایاك نستعین کے استعینو بالصبر و الصلوٰۃ خود قرآن مجید میں وارد ہے۔

(دوم) من ذالذی ینصر کم کے ساتھ ہی یہ بھی وارد ہے کہ ان تنصرو اللہ ینصر کم۔ من انصاری الی اللہ۔ حسبك اللہ ومن اتبعك۔ والذین اووا ونصروا ان احد من المشرکین استجارك فاجرہ۔

(سوم) یھب لمن یشاء۔ انك انت الوھاب۔ اگر وارد ہے تو ساتھ ہی یہ بھی وارد ہے کہ لاھب لك غلاماً زکتیا۔ والمد برات امرا۔ فالمقسمات ذکرا۔

(چہارم) حدیث شریف میں وارد ہے:

استعینوا علی الحوائج بالکتمان اتوسل بك یا محمد یا عباداللہ اعینونی۔

مگر مشکل یہ ہے کہ امت مسلمہ کے نزدیک اس قسم کی روایات خلاف قرآن ہیں' لیکن اہل تحقیق کا مسلک یہ ہے کہ جب اعمال صالحہ سے توسل حسب تصریح آیات قرآنیہ جائز بلکہ مامور بہ ہے تو خود ایک نبی سے اس کی امت کے لیے توسل کیوں ممنوع ہوگا' کیونکہ آیت یحببکم اللہ میں اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول علیہ السلام کو اپنی محبت کے استحصال کے لیے واسطہ فی الاثبات بتایا ہے اور واسطہ سفیر محض قرار نہیں دیا۔ (پروانہ تنقید صفحہ نمبر ۲۱ و ۲۲)

نور۔ ہم نے ان آیات کا ذکر رسالہ شمع توحید میں مفصل کر دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پروانہ صاحب نے شیخ سعدی کا یہ شعر اپنی ذات پر وارد کر کے جگ ہنسائی کا موقع دیا ہے۔

اگر صد باب حکمت پیش ناداں بخوانی آیدش بازیچہ در گوش

رسالہ کے ظاہری مصنف سے تو ہمیں گلہ نہیں کیونکہ وہ گلہ کا محل ہی نہیں، البتہ اس کے باطنی مصنف سے ضرور گلہ ہے کہ وہ باوجود اہل علم ہونے کے کسی خاص مصلحت سے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو اہل علم کی شان سے بعید ہی نہیں بلکہ ابعد ہیں، سنیے اور غور سے سنیے!

استعانت اپنے مفعول بہ کی طرف بغیر صلہ حرف جار کے مستعمل ہوتا ہے ہم اس کے دو شواہد قرآن مجید سے پیش کرتے ہیں۔ (۱) اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۲) وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

جہاں اس کے ساتھ حرف جارہ ب آئے تو اس کا مدخول مفعول بہ نہیں ہوتا بلکہ ذریعہ ہوتا ہے۔ پس اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کے معنی یہ ہوئے کہ لوگو! بذریعہ صبر و نماز اللہ تعالیٰ سے مدد چاہا کرو نہ یہ کہ خود صبر اور نماز سے مدد چاہو۔

پروانہ صاحب! آپ نے کبھی صبر اور نماز کو مخاطب کر کے اس طرح مدد مانگی ہے۔

یا صبر انصرنی یا صلوٰۃ انصرینی

بھئی! سچ تو یہ ہے کہ اگر تم ایسا کرو تو ہم تمہیں بریلی کا ٹکٹ لے دیں۔

رہی دوسری آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ الآیہ اس سے تو ہماری ہی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس کے پہلے یہ الفاظ ہیں۔ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ

اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے تو اس کے سوا کون تمہاری مدد کر سکتا ہے۔

آیت اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ بھی ہماری تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہی ینصر کم کا فاعل ہے۔ اگر تنصروا پر نظر ہے تو ہم سب اسکے فاعل ہیں۔ پھر تمہاری پارٹی ہم سے مدد کیوں نہیں مانگتی، خواہ مخواہ پیروں فقیروں کے دروازوں پر کیوں بھٹکتی پھرتی ہے اور قبروں پر چڑھاوے چڑھا کر حجر و شجر سے مدد مانگتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنصروا کا مفعول بہ محذوف ہے۔ یعنی ان تنصروا دین اللہ۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اگر تم (امت محمدیہ) توحید و سنت کی اشاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو حملہ آور دشمنوں کے ٹوکوں (گنڈاسوں) سے بچائے گا۔ چنانچہ واقعہ بھی ایسا ہی ہوا جس کا تم لوگوں کو صدمہ ہے اور تم مجسٹریٹ (اے۔ ڈی۔ ایم) پر بے جا حملہ کرنے سے نہیں

رکے۔ ⑪ جس پر شیخ سعدی تم کو بتہدید آمیز لہجے فرماتے ہیں۔

بمیر تا بر ہی اے حسود! کیں رنجیت   کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں رست

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ (الصّف۔۱۴) کے بھی یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں میرے دین کی مدد کرو (مقولہ مسیح) آیت حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الانفال۔٦٤) بھی آپ نے نہیں سمجھی اس میں من کا عطف ضمیر رب پر ہے؟ پس معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ

اے نبی ﷺ! تجھے اور تیرے تابعداروں کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

چنانچہ دوسری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر۔٣٦) اس کی تفسیر کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اکیلا ہی اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے؟ (بے شک کافی ہے!)

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا (الانفال۔٧٤) کے معنی بھی وہی ہیں جو پہلی آیات کے ہیں۔

آیت اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ (التوبہ۔٦) عام انسانی طاقت کے ماتحت ہے جو کہ ہر حاکم وقت کو حاصل ہے اور ہم بھی کسی بھاگے ہوئے شخص کو اپنے گھر میں پناہ دے سکتے ہیں اس لئے یہ امر متنازعہ نہیں ہے۔

آیت لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (مریم۔ ١٩) کی تفسیر "شمع توحید" کے صفحہ ۴۵ پر ہم نے مفصّل بیان کردی ہے جس کو مصنف پروانہ صاحب نے چھوا تک نہیں اور چھوتے بھی کیوں، اس لئے کہ پنجہ شیر سے مقابلہ آسان نہیں۔ ناظرین کے استحضار کے خاطر ہم "شمع توحید" کی وہ عبارت مکرر درج کرتے ہیں۔

اس موقع پر غالیہ کی طرف سے بطور استدلال یا معارضہ سیدہ مریم کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے جو انسانی شکل میں آیا تھا، مریم رضی اللہ عنہا کو کہا۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا○ (مریم۔١٩)

میں اس لیے تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے پاک لڑکا ہبہ کروں (بخشوں)

---

⑪ "عدالت نے فداہ رسول (مولوی ثناء اللہ) کا پہلو بھاری دیکھ کر حملہ آور کو سخت سزا دی۔" (دیپروانہ)

اس استدلال کی تقریر یہ لوگ یوں کرتے ہیں کہ جس طرح جبرائیل علیہ السلام فرشتہ لڑکا دے سکتا ہے اسی طرح انبیاء واولیاء بھی دے سکتے ہیں؟

جواب اس شبہ کا جواب اسی آیت میں مذکور ہے۔ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے جبرائیل علیہ السلام کے جواب میں کہا۔ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ (مریم۔۲۰)

مجھے لڑکا کیسے ہوگا مجھے تو کسی بشر نے چھوا نہیں۔ (یعنی میں کنواری ہوں)

اس کے جواب میں جبرائیل علیہ السلام نے جو کہا وہ طائفہ عادلہ اور غالیہ میں فیصلہ کن ہے۔

قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ (مریم۔ ۲۱)

(سن) تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے۔

مقام غور اور محل انصاف ہے کہ مریم کے استعجاب کرنے پر جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں اصل مالک و متصرف اللہ تعالیٰ کو ہی پیش کیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ پہلی آیت میں جو لڑکا ہبہ کرنے کا ذکر ہے اس کا فاعل دراصل جبرائیل علیہ السلام نہیں بلکہ جبرائیل علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا۔ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ (مریم۔ ۱۹)

میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا (ایلچی) ہوں (نہ خود مالک و معطی)۔

لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ طائفہ غالیہ کا خیال جڑ بنیاد ہی سے غلط ہے'' (شمع توحید صفحہ نمبر ۴۶)

ناظرین کرام۔ اس تشریح کی موجودگی میں کیا کوئی با انصاف مسلمان استعانت لغیر اللہ کے لیے اس آیت کو پیش کر سکتا ہے؟ تماشے کی بات ہے کہ جس شخص (جبرائیل علیہ السلام) کو لڑکا بخشنے والا سمجھا جاتا ہے وہ خود اس کی تردید کر کے پروانہ پارٹی کو سمجھاتا ہے۔

قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ (مریم۔ ۲۱) (یعنی اے افراد غالیہ سن رکھو) کہ یہ کام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور وہی اس کو کر سکتا ہے۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ہ کے معنی تدبیر کرنے والے کے نہیں ہیں بلکہ الٰہی حکم جاری کرنے والے کے ہیں، کیونکہ اصل تدبیر قضائے حکم ہے جسے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ قرار دیا ہے غور سے پڑھو۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدہ۔ ۵)

(اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے زمین تک حکم جاری کرتا ہے)۔

نقرہ استعینوا علی الحوائج بالکتمان معلوم نہیں کیوں نقل کیا گیا۔ اس کا تو ترجمہ ہی پروانہ پارٹی کے رد کرنے کے لیے کافی ہے اور اس کا مفعول بھی مذکور نہیں شاید پروانہ صاحب نے کتمان کو مفعول سمجھا ہے اور اپنے زاویہ خول میں بیٹھ کر یوں دعا کرتے ہونگے۔

یا کتمان انصر نا علی الوھابیہ۔ کیا ہی مضحکہ خیز باتیں ہیں۔

مطلب اس عبارت کا (جسکو پروانہ صاحب نے حدیث کہہ کر لا پتہ چھوڑ دیا) یہ ہے کہ لوگو! اپنی حاجات میں چھپ کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کرو (خصوصاً صبح کے وقت)۔

حدیث اتوسل بك یا محمد بعد ثبوت بھی آپ کو مفید نہیں ہے کیونکہ اس کا ترجمہ یہی ہے کہ اے اللہ کے رسول میں آپ کے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب ❶ حاصل کرتا ہوں۔ معلوم نہیں اس کو پروانہ نے کیوں نقل کیا۔

نقرہ یاعباد اللہ اعینونی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اور اگر ہے تو پروانہ صاحب کا فرض ہے کہ اس کا حوالہ پیش کرے اور بعد ثبوت صحت حدیث ہم اس کا مطلب اس طرح بیان کریں گے کہ یہ ان امور کے متعلق ہے جو انسانی طاقت کے اندر ہیں۔

پس یہ مضمون تعاونوا علی البر والتقوی کے ماتحت ہوا جس کی تفصیل ہم شمع توحید کے صفحہ نمبر ۴۶ میں کر چکے ہیں۔ ہاں پروانہ صاحب نے یہ خوب لکھا ہے کہ:۔

اہل تحقیق کا مسلک یہ ہے کہ جب اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے تو نبی سے توسل کیوں ممنوع ہوگا۔

نور۔ یہ مغالطہ دہی یا مغالطہ خوری ہے کیونکہ توسل اور استعانت میں بڑا فرق ہے۔ توسل سے ہم منکر نہیں کیونکہ اس کی تشریح حدیث میں یوں آئی ہے کہ دعا کرنے والا پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے پھر نبی علیہ السلام پر درود بھیجے اور پھر دعا مانگے تو قبول ہوگی۔ بس یہ ہے وسیلہ یا توسل جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

❶ التوسل والواسلة ھی القرب (قاموس)

استعانت کے معنی ہیں خود مستعان سے طلب کرنا جیسے کوئی مشرک کہے کہ یارسول اللہ مجھے بیٹا دیجئے' اس کے ہم قائل نہیں' نہ صرف ہم بلکہ ائمہ محدثین اور اصحاب وتابعین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے' کیونکہ ایسا کہنا ایاك نستعین کے خلاف ہے۔ کسی صوفی صافی نے کیا ہی کہا ہے

چونکہ ایاك نستعین خوانی
پر چرا غیر را معین دانی

مختصر یہ کہ ہمارا مذہب سمجھنے کے لیے کلمہ شہادت (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) کافی ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی جمیع صفات کاملہ میں وحدہ لاشریک ہے اور محمد رسول اللہ (ﷺ) اپنی رسالت کاملہ میں متوحد (متفرد) ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ٥

☆☆☆

طائفہ غالیہ کا بے جا حملہ

اور

اس کا دفعیہ

(خاکسار محمد عبداللہ ثانی رحمہ اللہ ناظم جمعیۃ تبلیغ اہل حدیث پنجاب۔ امرتسر)

ناظرین کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ایک رسالہ ''شمع توحید'' شائع کیا تھا جس میں مسائل توحید بیان کرنے کے علاوہ حملہ کی مختصر بھی شائع کی تھی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ توحید کے دشمن اس شمع کو بجھانے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ارباب شوق کی وہ چند نظمیں بھی درج کی تھیں جو انہوں نے اس واقعہ کے متعلق لکھی تھیں۔ فرقہ غالیہ کی طرف سے اس رسالہ کا جو جواب شائع ہوا ہے اس میں مسائل توحید کے متعلق چند شبہات وارد کرنے کے بعد زیادہ زور ان نظموں کی تنقید پر خرچ کیا گیا ہے جو واقعہ حملہ کے متعلق لکھی گئی اور جن میں حضرت مولانا کے کارنامے بھی درج ہیں۔ طائفہ غالیہ نے ظاہر کیا ہے کہ اشعار مندرجہ شمع توحید میں مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں نہایت درجہ غلو کیا گیا ہے۔ چنانچہ مختلف مقامات پر مندرجہ ذیل فقرات لکھے ہیں۔

شاعر نے چند اوصاف نبوت کو بھی اپنے مجدد (مولوی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کے سپرد کر دیا ہے۔ ان اوصاف کو ایسے متادب الفاظ میں بیان کیا ہے کہ گویا ایک بڑے رسول کی تعریف کی جا رہی ہے۔ جب مولوی ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں تو بات کا بتنگڑ بنا کر ان کو عرش معلی تک پہنچا دیتے ہیں۔ شمع توحید میں مجدد امرتسر کو اتنا بڑھایا گیا ہے کہ کسی نبی کی شان بھی ان کے نزدیک اس مدحت سرائی کے قابل نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

رسالہ پروانہ تنقید'' پڑھنے کے بعد ہم نے ان نظموں کا بغور مطالعہ کیا جن سے نتیجہ مذکورہ اخذ کیا گیا ہے تو وہی بات پائی۔

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

مذہب اہل حدیث میں میدان تحقیق بہت وسیع ہے اور ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ غیر رسول کی کہی ہوئی یا کی ہوئی بات کی آزادانہ تحقیق کرے۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ پیر جی کچھ کہیں مگر مریدین صم بکم ہو کر سنیں خواہ وہ مرشد کو الہ بتائیں یا رسول کو اللہ کہیں مگر مریدین چوں نہ کریں۔ ہم میں سے بڑے اور چھوٹے اللہ تعالیٰ کے فضل سے صاحب عقل و دانش ہیں۔ خلیفۃ المسلمین اور ادنی غریب مسلمان اعلیٰ درجے کا زاہد اور ادنی درجے کا عابد اس امر میں یکساں ہیں کہ ان کی ذاتی رائے بذاتہا کسی دوسرے پر حجت نہیں۔ اس لیے جو رائے لکھیں گے بفضل اللہ آزادانہ اور محققانہ لکھیں گے نہ اس میں کسی نامہ نگار کی رعایت ہو گی نہ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ صاحب کا لحاظ۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

رسالہ پروانہ کا وہ حصہ جس میں شمع توحید پر چند بھونڈے اور بھدے اعتراضات کیے گئے ہیں اس حصہ کا جواب مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے کمال فراخ حوصلگی سے سنجیدہ تحریر میں لکھ دیا ہے اور ایسی یادہ گوئی کا جواب احسن الفاظ میں دینا آج اس زمانہ میں مولانا رحمہ اللہ ہی کا حصہ ہے۔ چونکہ اس حصہ کے جواب سے مولانا رحمہ اللہ کی تحریر ہمیں سبکدوش کر چکی ہے اس لیے اس کو نظر انداز کر کے اس سے اگلے حصے کا جواب ہدیہ ناظرین ہے۔

مصنف پروانہ نے بعض نظموں کا ترجمہ عربی عبارت میں کیا ہے۔

معلوم نہیں کہ مصنف موصوف اس وقت حجاز میں پھر رہے تھے یا بغداد کی گلیوں میں یا حضرت پیر صاحب پاس بزعم خود بغرض استمداد پہنچے ہوئے تھے جہاں پر انہیں لوگوں کو اردو اشعار کا مطلب سمجھنا مشکل ہو گیا اور عربی ترجمہ کرنے کی ضرورت پڑی۔ اور اگر انہوں نے اپنی عربی لیاقت بتانے کے لیے یہ کام کیا ہے تو اس سے بہتر تھا کہ گھر بیٹھے ہی مشق کرتے تاکہ دنیا کے سامنے یہ راز نہ کھلتا کہ آپ کی عربی پنجابی ادبی سے زیادہ مزیدار نہیں ہے۔ چنانچہ ایک فقرہ ہم لکھتے ہیں اسی پر غور کریں۔ مصرعہ ''بقول لین و حکمت بنایا غیر کو اپنا'' کا عربی ترجمہ یوں کیا ہے۔ جس کی ضرورت نہ تھی۔ ''جعلت الاغيار من اهلك بلين القول والحكمة'' عربیت میں مذاق رکھنے والے غالیہ کے عربی دان کی ادبی کا بھی مزہ لیں۔

بہرحال قابل اعتراض اشعار کو نقل کر کے ہر ایک کا جواب لکھتے ہیں۔ ناظرین بغور پڑھیں اور حاسدین کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس آتش کی جلن سے نجات دے۔ مصنف نے اس مضمون کو ص ۲۳ سے شروع کیا ہے' چنانچہ لکھا ہے۔

''جب مولوی ثناء اللہ کی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں تو بات کا بتنگڑ بنا کر ان کو عرش معلیٰ تک پہنچا دیتے ہیں اور شان عبودیت سے نکل کر شان مجددیت' امامت اور احیائے اسلام یا تقرب الی اللہ کے تمام مدارج ذکر کر دیتے ہیں۔ (اے وہابیو) یہ ہے تمہارا اسلام؟ امتی کو بڑھا کر خدا تک پہنچا دینا اور اپنے رسول کو صرف بشر کہہ کر اپنی شقاوت کا ثبوت دینا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (پروانہ تنقید)

عبارت مذکورہ سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مصنف پروانہ کے نزدیک جس شخص کو شان مجددیت مل جائے وہ شان عبودیت سے نکل جاتا ہے حالانکہ یہ بات بالاتفاق غلط ہے کیوں کہ بالکل واضح بات ہے کہ مجدد بھی بندے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مجدد کہا جاتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ شان عبودیت سے نکل چکے ہیں؟ کاش ہمارے پروانہ صاحب حدیث من یجدد لها دینها پر غور کر لیتے تو پھر سمجھ آ جاتی کہ یجدد کا اسم فاعل مجدد ہے تو پھر یقیناً اس کو عبودیت سے خارج نہ کہتے۔ پروانہ صاحب عربی دان تو بہت ہیں اردو دانوں کو اردو سمجھانے کے لیے اس کی عربی بنا کر پیش کرتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ مجدد کے معنی کیا ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ مجدد وہ ہوتا ہے جو شان عبودیت سے نکل جائے تو حدیث رسول علیہ السلام کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسی ہستیاں بھیجا کرے گا جو شان عبودیت سے نکلی ہوئی ہوں گی؟ تو پھر کیا ہوں گی یہ آپ ہی بتائیں گے؟

ص ۲۴ پر مجدیت کے دعویٰ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے۔

(الف) اس کی مدح وثناء خدا نے ہر جگہ پھیلائی ہے' مجدد مائۃ حاضرہ ہے امام الزمان ہے اخلاق حسنہ کا مجسمہ ہے' شہرۂ آفاق ہے جلال موضوی کا بروز اخلاق احمدی کا نمونہ۔ (پروانہ تنقید ص ۲۴)

اصل عبارت "شمع توحید" میں یوں تحریر ہے۔

"جس کی مدح وثنا اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ پھیلا دی ہے' جو اس صدی کا مجدد ہے' جو اپنے زمانہ کا علم دینی وفن مناظرہ میں امام ہے' وہی جو مجسم اخلاق ہے' وہی جو شہرہ آفاق ہے' وہی جو فراعین بدعت کے لیے جلال موسوی کو جمال محمدی کی صورت میں لایا ہے۔ وہی جس نے دجاجلہ زماں کے لیے ضرب مسیحی کو اخلاق احمدی کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔ وہی جس نے جالوت شرک پر داؤدی حربہ کو مصطفائی شیریں کلامی سے مبدل کر دیا ہے۔ وہی جس کے زخمی ہونے سے سارے ہندوستان کے سچے مسلمان تڑپ اٹھے ہیں۔ وہی جس کے زخم سر نے اس کی سرداری پر مہر صداقت لگا دی۔ وہی جس کے قطرہائے خون نے جماعت موحدین پر زندگی کا آب حیات چھڑک دیا ہے۔ آہ! اگر وہ شہید ہو جاتا تو جماعت کی جان نکل جاتی اور اسی کو یاد کر کے منہ سے بے ساختہ نکلتا ہے۔ کہ

تو اگر کشتہ شدی آہ چہ شد حالت ما" (شمع توحید صفحہ نمبر ۱۵)

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ عبارت منقولہ میں کونسا لفظ خلاف شرع ہے' مجدد کا جواب تو ہو چکا شاید امام الزماں پر ناراضگی ہو مگر ہم صاف کہیں گے کہ ناقل نے بہت بڑی خیانت کا ثبوت دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مولانا یوسف صاحب فیض آبادی نے کچھ مدحیہ الفاظ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تحریر کیے تھے جو حدود شرعیہ کے اندر ہیں' ان میں سے الفاظ ذیل بھی ہیں۔

"وہ اپنے زمانے کا علم دینی وفن مناظرہ میں امام ہے"

پروانہ صاحب نے بہت چالاکی سے مضاف الیہ (فن مناظرہ) کو حذف کر کے اپنی طرف سے "زماں" مضاف الیہ بنا کر "امام الزماں" لکھ دیا ہے اور اپنے نوشتہ پر جو چاہیں اعتراض کریں "بر کلّہ خود باید زد" کا مصدق ہوگا۔

حملہ کی تاریخ کو یوم تبلیغ منانے کی تجویز: جماعت کے درد دل رکھنے والے اصحاب میں سے ایک صاحب مولوی محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیض آبادی ہیں' انہوں نے مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب پر حملہ کی واردات کو سن کر قوم کو دعوت دی کہ اس صدمہ ناگہانی پر قوم کے افراد جمع

ہوجائیں اور جماعت کی تنظیم کریں اور یہ تجویز بھی لکھی کہ

''جس تاریخ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ زخمی ہوئے (۲۹ شعبان) ہمیشہ کے لیے یوم التبلیغ بنایا جائے' تو یہ ایک انفرادی رائے ہے جو مذہبی غرض سے ایک فرد نے قوم کے سامنے رکھی ہے۔ نہ اس کو عملی جامہ پہنایا گیا اور کسی صاحب نے اس کی تائید کی مگر پروانہ صاحب بحکم (قبل از مرگ واویلا) اس پر آپے سے باہر ہوئے جاتے ہیں اور اس کا نام ''یوم زخم'' تجویز کرتے ہیں' حالانکہ اصل محرک کے الفاظ میں یہ تجویز نہیں کہ ''یوم زخم'' منایا جایا کرے مگر پروانہ صاحب شمع پر جلے جا رہے ہیں اور لکھتے ہیں۔

''یوم وفات نبوی تو بدعت ہے اور یوم زخم مشروع اور کار ثواب ہے۔ (پروانہ تنقید)

ہاں صاحب یوم وفات نبوی منانا بدعت ہے اور وہ آپ کی بدولت بدعت ہے۔ یوم وفات کو آپ شرعی امر جانتے ہیں اور نہ ماننے والے کو گنہگار بلکہ شان رسول کا منکر قرار دیتے ہیں اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ سارا جہان اگر ۲۹ شعبان کو بجائے تمام دن تبلیغ کرنے کے ایک لمحہ بھر بھی محرک کی تجویز کے مطابق تبلیغ نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔

اب اگر آپ کو شرم ہوگی تو آئندہ یوم زخم (جو آپ کی اختراع ہے) کا نام نہ لیں گے اور اسے یوم میلاد کے مقابلے میں ہرگز پیش نہ کریں گے۔

صفحہ ۲۴ پر پروانہ کا سوز دیکھئے لکھتے ہیں کہ

''ثنائی ارتقا کا نقشہ بھی کھینچا ہے کہ یہ وہ ہستی ہے کہ جس کے اوصاف معاذ اللہ رسول علیہ السلام سے بڑھ کر یہ ہیں۔ ماحیِ کفر وضلالت' دشمنِ بدعت وشرک' عالم خبیر' اسلامی حملات کے سپر آہنی' تمام مخالفین پر غالب' رہنمائے اسلام' کامل معتبر' شرک وبدعت کو زیروزبر کرنے والا' جناب کے مخالف کور وکر ہیں' خیرہ سر' جاہل' فتنہ گر اور ہادی فتنہ۔

کیا اچھا ہوتا اگر پروانہ صاحب اپنی جدت نہ کرتے اور اشعار ہی نقل کر دیتے جیسے ہم ان کے پیروں کے قصائد حدیہ بجنسہٖ درج کر دیا کرتے ہیں' مگر بجائے اس کے ان کا نظم کی نثر بنا کر شائع کرنا ہی بتا رہا ہے کہ

بے خودی بے سبب نہیں غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اصل بات یہ ہے کہ شاعر نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے اپنے رنگ میں بیان کیے ہیں جو بالکل صحیح ہیں اور جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کفر وضلالت کو مٹایا' بدعت سے دشمنی رکھی اور باخبر عالم ہیں اور اسلام پر مخالفین کی طرف سے جو حملے ہوئے ہیں آپ ان کا جواب دینے میں وہ کام دیتے ہیں جو تلوار کے سامنے ڈھال دیتی ہے۔

ہم بآواز بلند کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ موصوف ان صفات سے متصف ہیں اور یہ وہی صفات ہیں جن سے پہلے زمانہ کے امن علماء مثلاً امام رازی رحمۃ اللہ علیہ' امام غزالیؒ' موصاف ہوتے رہے۔ سب سے بڑی بات جو پروانہ صاحب کو معلوم ہوئی ہے جس نے اس کو جلا کر خاک کر دیا وہ یہ ہے کہ مولانا موصوف کو مجدد کیوں کہا گیا؟ اس میں حیرانی آتی ہے کہ یہ لوگ بریلی کے ایک مروّج بدعات کو مجدد کہیں اور کھلم کھلا اس کے لیے درود تجویز کریں اور صاف لکھیں۔

اللھم صلی علی المولیٰ الھمام امام اھل السنة مجدد ملة رسول اللہ وارث علوم رسول اللہ سیدنا اعلیٰ خضرة الشیخ عبدالمصطفی احمد رضا خان رضی اللہ عنه(شجرہ حشمت احکام شریعت حصہ دوم ص ۹۱)

کیوں پروانہ صاحب ہم نے اگر ایسے شخص کے حق میں مجدد لکھ دیا تو کیا جرم کیا جس نے قرآن مجید جب پر تقریباً تین سو اعتراضات ہوئے تو سب کا بطریق احسن جواب دیا' عیسائیوں نے ''عدم ضرورت قرآن'' لکھی تو اس نے خدمت اسلام میں اپنی ہمت صرف کی۔ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں مخالفین نے سب سے زہریلا رسالہ ''رنگیلا'' لکھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرنے میں تمام ہندوستان کے علماء سے پیش قدمی کی۔

آپ تو ایسے شخص پر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح درود پڑھیں جس نے اسوۂ رسول کے خلاف بدعات کی ترویج دی اور شرکیہ عقائد کو مسلمانوں میں جاری کیا (اور ہم اگر خادم دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے تمام عمر خدمت اسلام میں صرف کر دی مجدد لکھ دیں تو مورد الزام ہوں) سچ ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اب ہم وہ تمام اشعار "شمع توحید" سے نقل کر کے ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں جن کو قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے۔

ماحی کفر وضلالت دشمن بدعات وشرک — بو الوفا سا خادم اسلام عالم باخبر
اس زمانہ میں کہاں ان سا مناظر ہند میں — رہ نما اسلام کے وہ ہیں نہایت معتبر
جانتے ہیں خدمت اسلام ایسے فعل کو — وہ تو جاہل ہے مگر ہیں اس کے ہادی فتنہ گر

دشمن اسلام کے ہیں اسلام کے پیرو کہاں
کرتے ہیں اسلام کو بدنام ایسے خیرہ سر

بو الوفاء مولوی ثناء اللہ — آپ پر حق کی ہو مہربانی
خدمت اسلام آپ کا ہے کام — کیوں نہ ہو آپ کی قدر دانی
آپ تو ہیں مناظر اسلام — کفر نے ہار آپ سے مانی
نام سے کفر آپ کے خائف — دبدبہ آپ کا ہے سلطانی
ذات ہے آپ کی حمیدہ صفات — اور اخلاق بھی ہیں لاثانی
ایکہ تقریر آپ کی شیریں — جس سے حاصل ہو نور ایمانی
آپ کے سر سے خون تھا جو بہا — راہ مولا میں تھی یہ قربانی
جو کہ مومن پہ حملہ آور ہو — کب رہی اس کی پھر مسلمانی
کفر کی پھونک سے نہیں بجھتی — حق کی ہو وے جو شمع نورانی
اے کہ تو نے خون اپنا نذر مولا کر دیا — ہو کے زخمی سب مسلمانوں کو زندہ کر دیا
مذہب باطل کی کمزوری نمایاں ہو گئی — دین برحق کی صداقت کو ہویدا کر دیا
ہندو ازم کی کتھاؤں کا بکھیرا تار وپود — حق پرستوں نے اسے مکڑی کا جالا کر دیا
تیرے سر کے زخم نے اے سردار اہل حدیث — تیری سرداری کو عالم آشکارا کر دیا
تیرا ہر اک قطرہ خوں بن گیا آب حیات — جس نے امرتسر کو اک امرت کا دریا کر دیا
جگ میں پھیلا دی تری مدح وثناء اللہ نے — خلق میں تیری وفاداری کا شہرا کر دیا
ابن فلجم کی شقاوت پھر ہوئی ہے آشکار — شیر حق پر جس نے امرتسر میں حملہ کر دیا

وار تجھ پر کیا ہوا اے علم کے روح رواں
سارے ہندوستان میں اک حشر برپا کر دیا

تصویر شریعت ہیں مولانا ثناء اللہ — تنویر ہدایت ہیں مولانا ثناء اللہ
عالم بھی ہیں فاضل بھی ہر فن میں ہیں کامل بھی — وہ خضر طریقت ہیں مولانا ثناء اللہ
اخبار کے محافظ ہیں مذہب کے محافظ ہیں — اک زندہ کرامت ہیں مولانا ثناء اللہ
اسلام کے خادم ہیں، مقبول اعاظم ہیں — اس وقت غنیمت ہیں مولانا ثناء اللہ
توحید کے حامی ہیں، مذہب کے پیامی ہیں — اسلام کی عزت ہیں مولانا ثناء اللہ
تکلیف میں صابر ہیں، آرام میں شاکر ہیں — وہ عاشق سنت ہیں مولانا ثناء اللہ
ہے سینہ بے کینہ، اخلاص کا آئینہ — تفسیر محبت ہیں مولانا ثناء اللہ
تصویر صداقت ہیں، مرآۃ شریعت ہیں — اللہ کی رحمت ہیں، مولانا ثناء اللہ
اللہ رکھے دائم، اللہ رکھے قائم — مسلم کی حمایت ہیں، مولانا ثناء اللہ

(شمع توحید از صفحہ ۵۳ تا ۶۲)

ناظرین باانصاف خود ہی پڑھ کر بتائیں کہ کونسا ایسا لفظ ہے جس میں غلو کیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پروانہ جی مع اعوان وانصار حسد کی آگ میں جل بجھ گئے ہیں کہ ہم نے تو اہل اسلام کے مقتدا اور دین کے سچے خادم باوفا ابوالوفاء کو ذلیل کرنے کے لیے بلکہ دنیا سے ختم کرنے کے لیے ایک سر پھرے نوجوان کو کھڑا کیا تھا مگر یہ معاملہ الٹ ہو گیا۔ دنیا کے کل مذاہب آریہ، سناتنی، عیسائی وغیرہ کے سنجیدہ لوگوں نے بھی اس فعل کو نہایت ہی بری نگاہ سے دیکھا اور کشتہ بے گناہ کی شان دوبالا ہو گئی اور ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی۔

بس یہی وہ چیز ہے جو طائفہ غالیہ کو حکم اِنْ تُصِبْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ اچھی نہیں لگتی اور محض اپنے دلی بغض کو دنیا کے سامنے اس رنگ میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہی جہ ہے کہ الفاظ مدحیہ کو مسخ کر کے رسالہ میں پیش کیا گیا ہے، چنانچہ ہم ان الفاظ کی فہرست ناظرین کے سامنے رکھتے ہیں جو تمام شمع توحید میں ان کو نہ ملیں گے مگر پروانہ صاحب نے شمع توحید کے ذمہ لگائے ہیں۔

الفاظ منسوبہ

الزامی جملے	اصل الفاظ
(۱) امام الزمان	(۱) شمع میں یہ لفظ نہیں ہے
(۲) جلال موسوی	(۲) مولانا ثناء اللہ کو نہیں کہا گیا۔
(۳) حربہ داؤدی	(۳) ایضاً
(۴) محی الدین یدیک	(۴) غلط ہے شمع میں نہیں۔
(۵) بروز اسد اللہ الغالب	(۵) بالکل جھوٹ ہے۔
(۶) پیغمبر مذہب	(۶) شمع میں نہیں ہے۔
(۷) عالم خبیر	(۷) یہ الفاظ بھی شمع میں نہیں۔
(۸) عدم المثل فی الذات والصفات	(۸) ہرگز شمع میں یہ الفاظ نہیں لکھے گئے۔ محض افترا ہے۔
(۹) تلمیذ الرحمٰن	(۹) شمع توحید میں نہیں ہے۔

مصنف پروانہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ اہل حدیث نے اپنے بزرگ کے حق میں ایسے تعریفی الفاظ تحریر کیے ہیں' جو حدود شرعیہ کے اندر نہیں' مگر ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ وہ ایک لفظ بھی ایسا ثابت نہ کر سکے کہ جو شرعی حد سے متجاوز ہو۔

☆☆☆

اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

ہم نمونۃً کچھ تعریفی الفاظ دکھانا چاہتے ہیں جو طائفہ غالیہ نے اپنے پیروں و بزرگوں وغیرہ ہم (غیر اللہ) کے حق میں کہے ہیں سنیئے! پیر جماعت علی شاہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

امیر الولائت رئیس الفضیلت امام الہدیٰ صدر بزم شریعت
کلید در گنج نقد ودیعت فنافی الحق وغرق بحر حقیقت
جماعت علی شاہ پیر طریقت

بہ عشق حق وحب محبوب یزداں چو صدیق وعثمان بہ صدق وبہ احسان
چو فاروق وحید ربہ عدل وبہ ایقاں باوج طریقت مہ نور سلماں
جماعت علی شاہ اقلیم عرفاں

بہ نظارہ حسن یوسف جمالے بہ مے خانہ عشق میر کلالے
بہ انوار توحید بدر الکمالے بہ محویت حق عدیم المثالے

رسالہ جماعت امرتسر ص۲۱ (بابت نومبر دسمبر ۱۹۶۴ء) پر کی تعریف مرید کرتا ہے:۔

ذرا سر کو جھکا دیکھا خدا سے نہ جدا دیکھا ہے کیا رتبہ جداگانہ جماعت شاہ علی ثانی
فرشتوں نے قبر میں مجھ کو پوچھا تو یہ کہہ دونگا نہ پوچھو میں ہوں دیوانہ جماعت شاہ علی ثانی

دوسرا مرید یوں خطاب کرتا ہے:۔

سوال حج پہ محشر میں پوچھیں گے تو کہہ دونگا میں زائر ہوں علی پور کا علی پور والیا شاہا

ایک اور مرید کہتا ہے:۔

تو اعلیٰ ہے تو اولا ہے میں بندہ ہوں تو مولا ہے منم چاکر تو سلطانی جماعت شاہ علی ثانی

اور سنیئے! پیر جی کی تعریف

خادم ہیں تیرے سارے جتنے حسیں جہاں کے یوسف سے تجھ پہ قرباں شیریں مقال والے

(انوار علی پور)

اور سنیئے! پیر پیران کی خدمت میں۔

اغثنی مرشداً امدد بحالی تقلبنی ولا تردد سوالی

مناجات موضوعہ ثنائیہ بنانے والو سنتے ہو؟ اور سنو! ؎

کرو یا مرشد! مشکل کشا یا شفیعاً مشفقاً حاجت روایا
مدد یا غوث صمدانی اغثنی مدد یا ظل سبحانی اغثنی

اور سنو! آپ کا ہیڈ واعظ (مولوی محمد یار بہاولپوری) معرفت کا پتلا اور حب رسول کا دعویدار' اپنے مرشد کے حق میں کہتا ہے ؎

بلطف پاک موسیٰ قبلہ محبوب سبحانی بحمد اللہ کہ برتخت ولایت صدر دین آمد
برائے چشم بینا از مدینہ برسر ملتان
بشکل صدر دیں خود رحمۃ للعالمین آمد

پروانہ صاحب! دیکھا کیسی صفائی ہے نہ اپنا تصرف ہے نہ دوسری زبان میں ڈھالا گیا ہے' بلکہ صاف صاف بجنسہٖ مداحین کا کلام درج کر دیا گیا ہے' اب ناظرین خود دیکھ لیں گے کہ پیروں کے مرید غلو کرتے ہیں یا اہل حدیث اپنے بزرگوں کے حق میں غلو کرتے ہیں۔

یہ بہت مختصر لکھا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ایک رسالہ شائع کریں گے جس میں اہل توحید اور اہل بدعت کے عقائد کا مقابلہ کر کے دکھائیں گے کہ کون موحد ہے اور کون غالی۔

اس وقت ہم آپ کے مولانا آسی صاحب کو مخاطب کر کے اس شعر کا مطلب پوچھیں گے۔

ستعلم لیلے ای دین تداینت
وای غریم فی التقاضی غریمها

☆☆☆

سوانح ثنائیہ

(از محمد عبداللہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ناظم جمعیۃ تبلیغ پنجاب امرتسر)

''شمع توحید'' کے شائع ہونے کے بعد بہت سے احباب نے خواہش کی کہ اس رسالہ میں مولانا ثناء اللہ صاحب مدظلہ کی سوانح عمری بھی بالا جمال شائع ہو جاتی تو اچھا تھا۔ اس لیے میں نے آپ سے عرض کیا کہ احباب کی درخواست معقول ہے تو آپ نے بالا جمال واقعات لکھوائے جو آپ کی زبانی درج کیے جا رہے ہیں' چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

میری (ثناء اللہ) کی پیدائش امرتسر پنجاب کی ہے میرے والد مسمی خضر جو اور تایا مسمی اکرم جو' علاقہ ڈور تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر کشمیر سے پشمینہ کا کاروبار کرنے امرتسر آئے تھے' کشمیری اقوام میں ایک گوت منٹو کہلاتی ہے جو وہاں برہمنوں کی ایک شاخ ہے اور اسی گوت سے ان کا تعلق تھا۔ میری عمر ساتویں برس میں تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد تایا صاحب بھی فوت ہو گئے بڑے بھائی ابراہیم مرحوم رفو گری کا کام کرتے تھے' مجھے بھی انہوں نے یہ کام سکھایا۔ چودھویں سال میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ والد مرحوم کی اولاد ہم (تین بھائی ایک بہن) چار افراد تھے۔ دونوں بھائی بے اولاد فوت ہو گئے۔ بہن کی اولاد چودھویں سال میں ایک لڑکی ہے جو اب تک زندہ ہے اور اولاد در اولاد بھی کافی رکھتی ہے۔ مجھے پڑھنے کا شوق ہوا۔ فارسی ابتدائی کتب پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفو گری) کا کام بھی کرتا اور مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) سے سبق بھی پڑھا کرتا تھا۔ [1] ''شرح جامی'' اور ''قطبی'' تک کتب مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) صاحب مرحوم سے پڑھیں' اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر

[1] مولانا محمد جمال مرحوم امرتسری جو میرے استاد حدیث ہیں فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں قرآن مجید حفظ کیا کرتا تھا اور مولوی ثناء اللہ (جو ابھی طالب علم تھے) گرجا گھر بیروں دروازہ رام باغ میں جا کر پادری کی تقریر پر اعتراضات کیا کرتے تھے اور عوام دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔ سچ ہے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات (ثانی)

ہوا۔ وہاں کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حدیث حاصل کی' پھر سہارن پور چند روز قیام کر کے دیو بند پہنچا اور وہاں کتب درسیہ معقول و منقول ہر قسم کی پڑھیں' کتب معقول میں قاضی مبارک' میر زاہد' امور عامہ' صدرا اور شمس بازغہ وغیرہ' منقولات میں ہدایا' توضیح تلویح' مسلم الثبوت وغیرہ اور ریاضی میں شرح چغمینی وغیرہ بھی پڑھیں اور دورۂ حدیث میں بھی شریک ہوا۔ استاد پنجاب کا درسِ حدیث اور اساتذہ دیو بند کا درس حدیث ان دونوں میں جو فرق ہے اس سے فائدہ اٹھایا اور دیو بند کی سند امتحان میرے لیے باعث فخر میرے پاس موجود ہے۔

مسرت آمیز واقعہ: ایک واقعہ ایسا مسرت آمیز ہے کہ میں اپنی عمر کی کسی حالت میں نہیں بھولا اور نہ بھول سکتا ہوں بلکہ جب کبھی معاصرین کے نرغے میں دل تنگ ہوتا ہوں تو وہ واقعہ مجھے فوراً دل شاد کر دیتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

مدرسہ دیو بند میں ان دنوں حضرت مولانا محمود الحسن اعلی اللہ مقامہ مدرس اعلیٰ تھے اور میں درس کی ہر کتاب پڑھتے ہوئے بے باکانہ جرأت سے اعتراض کرتا' مولانا مرحوم کا بہت وقت خاص مجھ پر خرچ ہو جاتا اور جب میں نے آخری ملاقات کر کے رخصت چاہی تو فرمایا کہ طلباء تمہاری شکایات بہت کرتے تھے کہ پوچھنے میں وقت بہت ضائع کرتا ہے اور ہم کہتے تھے کہ کوئی طالب علم پوچھنے والا ہو تو پوچھے اس کے سوالوں میں صحیح سوال ہوں یا غلط کچھ پوچھے تو سہی' اور تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے کہ جسے اللہ تعالیٰ کچھ دیتا ہے تو اس کا حسد ہوتا ہے' یہ سن کر میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور اس شعر کا مضمون زبان پر جاری ہوا

دیدہ ام در غنچگی چندیں جفائے باغباں
بعد گل گشتن نمیدانم چہ عمل خواہد شگفت

گوشۂ طالب علمی سے نکل کر عالمانہ میدان میں آیا تو مولانا محمود الحسن (رحمۃ اللہ علیہ) کے اس فقرے کو بالکل صحیح پایا۔ چونکہ شغل تصنیف کا غالب آ گیا اس لیے بہت پرانا مقولہ من صنف هدف اپنی صداقت دکھاتا رہا جس کے جواب میں مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) کا رخصتی مقولہ تسلی دیتا رہا۔ ان دنوں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا معقولات میں بہت شہرہ تھا' مجھے شوق ہوا کہ ممدوح سے

بھی فیض حاصل کروں، کان پور پہنچ کر مدرسہ فیض عام میں داخل ہوا اور کتب مقرّرہ کو وہاں درس میں دہرایا۔ مولانا احمد حسن مرحوم تھے تو بریلوی عقیدہ کے مگر طلباء کے حق میں کوئی تقید پسند نہ کرتے تھے، کان پور کے مدرسہ میں کتب حدیث کے درس میں بھی شریک ہوا وہاں کی تعلیم حدیث تیسری قسم کی پائی، علم حدیث میں میں نے تین مختلف درسگاہوں سے فائدہ اٹھایا۔ خالص اہل حدیث (وزیر آبادی) خالص حنفی (دیوبندی) بریلوی عقیدہ (کانپوری) **غفر اللہ لھم**۔ کان پورہ میں طلباء ثمانیہ (آٹھ) کی دستار بندی ہوئی ان میں میرا نام بھی درج تھا جلسہ عام ہوا، سندات دی گئیں اور اسی جلسہ میں ندوۃ العلماء کی عام بنیاد رکھی گئی جو اس وقت بڑی رفیع الشان عمارت میں نظر آتا ہے۔ یہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کا واقعہ ہے۔ سند کی نقل درج ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد الله الرحيم الغفور ذی الجلال والجمال الحكم اللطيف الشكور مالك الكمال والنوال الحی القيوم المقدس عن النقص والاختلال الواحد الماجد المنزه من التغير والزوال والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله الا عظم ونبيه الاكرم الذی هو العروة الوثقیٰ فمن اعتصم بهديه لايضل ولا يشقیٰ ومن اعرض عن ذكرهٖ۔ ونبذ امرهٗ وراء ظهرهٖ ففی خزی دنياه يبقی وآخر امرهٖ فی الجحيم يلقیٰ۔ وعلی آلهٖ وصحبهٖ الذين سبقونا بالايمان وقاموا بنصرة دين الرحمٰن فباؤا بالفوز والرضوان۔ امابعد! فان البراهين القويمة والنسلاطين المستقيمة قد دلت انطوت علیٰ ان التخلی بالفضائل التخل عن الرزائل لايحصل الا بالعلوم الحقة الحقيقة ولا يتاتی الا بالمعارف الصادقة الواقعية وان الامتثال بموجبات الا وامر الغالية والا جتناب من مقتضيات النواهی والزواجر الغالية لايتيسر الا بالفنون الشرعية الشريفية والا حاديث النبوية اللطيفة فهی امتی المفاخرو اشرف المناقب وابهی المطالب واعلی المارب كيف لاوقد قال الله تعالیٰ وهو اصدق القائلين فی كتابه النبين لعلهم يفقون "هل يستوی الذين يعلمون والذين لايعلمون" واوحی الی نبيه

الکریم علیه الصلوٰة والتسلیم بالوحی المتلو بالصبح والمسا "انما یخشی الله من عباده العلماء" والقی الیٰ رسوله افضل الاصفیاء علیه من الصلوٰة والتسلیم اعلها ان یبشر الاتقیاء بان معلم الخیر یدعوله کل شیء حتی الحیتان فی الماء ولن الک شمر المر تاضون عن ساق الاجتهاد لنیل امراد فی ظلم الدیا جروشد الساعون المیازر واشتغلوا بتحصیلها فی ظماء الهواجر وارتحلوا عن اوطانهم وفار قواصجة اخوانهم وهجروا لذیذ الطعام وشردوا الطیف المنان وان ممن انتظم فی سلک هذه الفئة الموفقة ورام اللمحوق بالسلف الماضین بما تلقاه وحققه الماهر الکامل والعالم الفاضل الذکی اللوذعی الیهوف الیلمعی المولوی محمد ثناء الله ابن خضر جو من اهالی امرتسر وقاه الله من الفزع الاصغر والاکبر قد غاص علیٰ فرائد اللآلی فی ذالک الیم وقد خاض لطلب فوائد الجواهر فی ذالک الخضم' فورد بعد وجوب الانجاد والاغوار وقطع الاطواد والقفار فی بلد کا نفور صانه الله عن النواهی والشرور فی المدرسة الهدرسته التی اسمها فیض عام حفظها الله عن نوائب اللیالی والا یام والتی اعان فیها اهالی البلد الکرام واعتنیٰ بها وکفلها التجار الفخام سیما الحافظ الٰهی بخش بن محمد حاجی الذی انقمس فی لحج تنظیمها النهار الابیض واللیل الداجی وقاه الله تعالیٰ من الحوادث وجعله منها الناجی' فقرا علی جملة کتب من شروح ومتون ولا زمنی فی عدة علوم وفنون وکذالک اخذ من غیری علماء جما وبرع فیه ذکاء وفهما فر بحت تجارته وجلت عائدته وعظمت فائدته وامتلذوطابه وشرف بالانتماء الی العلم انتسابه' فلما راه اراکین مدرسة فیض عام وقاه الله عن الحوادث ماتعاقب اللیالی والا یام اهلاً کان یعذر بالسند ویکرم وجدیدًا بان یوقر بما یتشبث به وینعم اتوه السند احسانه بما اخذته وتلقیته من العلوم الشرعیة النقلیة والفنون العربیة والعقلیة کما اجازنی بذالک

جماعة من الشيوخ الذين لهم فى العلوم رسوخ مقتصرًا على ذكر من له شهرة فى خلق الله وزيادة فضل وخبرة فى علوم الله مولانا محمد لطف الله خلد الله فيوضه وابقاه' واوصيه بتقوى الله فانها نور البصائر والقلوب وان ينسأنى فى دعواته فانى عبد كثير المساوى والعيوب' واسأل الله ان يوفقنى واياه لصالح الاعمال وان يجنبنى واياه عن قبائح الافعال۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

تفصيل الكتب المقروة علٰى هذا

التفسير المسمى بانوار التنزيل للقاضى البيضاوى۔ والتفسير المسمى بالجلالين۔ والصحيح الجامع للبخارى۔ والصحيح الجامع للمسلم۔ والسنن لابى داوٗد۔ والصحيح الجامع للترمذى۔ والسنن للنسائى۔ والتوضيح والتلويح۔ وشرح السلم للقاضى محمد مبارك۔ والشمس البازغة۔ والصدرا۔ والحواشى۔ الزاهدبه خاتمه المجيز افقر عباده ذى المنن احمد حسن عفا الله عنه سياته على الامور العامة۔ وشرح التهذيب الدوانى مع حاشية الزاهديه۔ وشرح الچغمينى

خاتم
دستخط محمد لطف الله
صدر الفضلاء الكرام والممتحن العلام
مہر

خاتم
المجيز افقر عباده ذى المنن احمد حسن
عفاالله عنه سيأته يوم المحن فى تاريخ خامس
عشرة من شعبان يوم الاثنين من شهور
سنة عاشرة بعد الالف و ثلث مائة
من الهجرة النبوية علٰى صاحبها الصلوٰة و
التحيه

خاتم المنتظم الاعلى
عاصی را الٰہی بخش گویند

میری فراغت کا علم جب میرے استاد اول مونالا مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری کو ہوا تو انہوں نے ازراہ شفقت مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں بعہدہ اول مدرس بلالیا' یہاں پہنچ کر میں کتب عربیہ پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد چند دنوں کے لیے ۱۸۹۸ء میں مالیر کوٹلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں بعہدہ اول مدرس بلالیا گیا۔ آخر وہاں سے پھر امرتسر چلا آیا' اس وقت یہاں آنے کے بعد تصنیف کا شغل زیادہ ہو گیا۔ ۱۹۰۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا' اسی سال مرزا صاحب قادیانی نے بغرض تحقیق بذریعہ کتاب ''اعجاز احمدی'' انعامی وعدہ (ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ) پر مجھے قادیان بلایا' میں جنوری ۱۹۰۳ء میں مع ہمراہیوں کے قادیان پہنچا اور میں نے اپنی حاضری کی اطلاع دی تو مرزا صاحب نے جواب میں لکھا کہ میں (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں کہ میں مولویوں سے مناظرہ نہیں کروں گا چنانچہ آخر کار میں قادیان میں ایک تقریر کر کے یہ کہتا ہوا چلا آیا

خود سوئے ماندید حیا را بہانہ ساخت

اس واقعہ کی تفصیل رسالہ ''الہامات مرزا'' میں درج ہے۔

نومبر ۱۹۰۳ء میں اخبار ''اہلحدیث'' جاری'' کیا۔ جو بفضلہ تعالیٰ آج (۱۹۳۸ء) تک جاری ہے اور توحید وسنت کی اشاعت میں ہمہ تن کوشاں ہے۔ قیام امرتسر میں مناظرات کی طرف توجہ ہوئی' ہر دین اور ہر مذہب والوں سے مناظرے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا اور بعض مناظرات میں بھی مقرر ہوا۔ منصفوں کے فیصلے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے حق میں ہوئے۔ مثال کے طور پر دو تین منصفانہ مناظرے لکھتا ہوں۔

امرتسر میں ۱۳۲۱ھ ۔۱۹۰۳ء میں مسئلہ علم غیب پر علماء احناف (بریلویوں) سے مناظرہ ہوا' فریق ثانی کی طرف سے مولوی عبدالصمد خان حنفی امرتسری پیش ہوئے جو اچھے ذی علم تھے۔ منصف مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مصنف ''تفسیر حقانی'' نے فیصلہ میرے حق میں دیا اس مناظرہ کی روئداد مع فیصلہ از جانب فریقین مطبوعہ موجود ہے۔

دوسرا مناظرہ جماعت مرزائیہ سے بمقام لدھیانہ ۱۹۱۲ء میں ہوا جس میں سرپنچ (منصف) ایک سکھ وکیل سردار گوربچن سنگھ تھے ان کا فیصلہ میرے حق میں ہوا اور مبلغ تین سو روپیہ انعام بھی

وصول کیا۔ تیسرا مناظرہ ۱۹۲۸ء میں جلال پور پیراوالہ ضلع ملتان میں مسئلہ رفع الیدین پر ہوا۔ جس میں وہاں کے ایک شیعہ رئیس منصف تھے ان کا فیصلہ بھی میرے حق میں ہوا۔

زبانی مباحثے ہر مذہب سے بکثرت ہوئے مگر چند مباحثات بڑے پائے کے ہوئے جن میں ہزار ہا حاضرین شریک ہوئے اور کئی کئی دنوں تک تحریر ہوتے ہوئے۔

۱۹۰۳ء میں دیوریا ضلع گورکھ پور میں ایک ہفتہ بھر آریوں سے تحریر مناظرہ ہوتا رہا جس کی روئیداد مطبوعہ موجود ہے۔

۱۹۰۴ء میں بمقام نگینہ ضلع بجنور آریہ سے تحریر مناظرہ ہوا جس کی روئیداد مطبوعہ مل سکتی ہے۔

۱۹۰۹ء میں بمقام ریاست رام پور والی ریاست کے زیر حکم جماعت مرزائیہ سے مناظرہ ہوا، جس کے متعلق نواب صاحب والی ریاست نے فیصلے کی شکل میں نہیں مگر سرٹیفکیٹ کی صورت میں مندرجہ ذیل تحریر عنائت فرمائی۔

☆☆☆

نقلِ سرٹیفکیٹ

۱۸ا۔ جولائی ۱۹۰۹ء

رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی' مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریری میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا' ہم ان کے بیان سے محظوظ ومسرور ہوئے۔

(نواب صاحب) محمد علی خان (والی ریاست)

اسی طرح جبل پور میں ۱۹۱۴ء میں آریہ سے بہت بڑے پیمانہ پر مباحثہ ہوا اس کی روئداد بھی چھپ چکی ہے اور ان مناظرات کے ساتھ فہرست کتب مصنفہ مل سکتی ہے جن کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

۱۹۲۳ء میں مرزائیوں سے نکاح آسمانی پر سکندر آباد دکن میں تحریری مناظرہ ہوا۔

سندھ میں کئی مناظرے ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں آریوں سے زبردست مناظرہ ہوا اور ہر دو مناظروں کی مطبوعہ روئدادیں موجود ہیں۔

۱۹۳۴ء میں عیسائیوں نے الٰہ آباد میں لیکچروں کا سلسلہ شروع کر کے مسلمانوں کو بہت تنگ کیا۔ آخر انہوں (مسلمانوں) نے مجھے اس خدمت کے لائق سمجھ کر پر زور الفاظ میں ضرورت ظاہر کر کے بلایا مضمون ''توحید تثلیث'' پر کئی روز مباحثہ ہوتا رہا جس میں ہزارہا لوگ شریک ہوتے رہے۔ اس مباحثے کی روئداد ایم قمر الدین بدرالدین پرفیومرز نمبر ۵۹ چوک الٰہ آباد نے طبع کرائی ہے۔

جنوری ۱۹۰۳ء میں میرے قادیانی ورود کے بعد مرزا صاحب سے مکالمہ بذریعہ اخبار ورسائل ہوتا رہا' آخر کار مرزا صاحب نے میرے ساتھ مذاکرہ سے تھک کر اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار دیا جس کی سرخی یہ تھی۔

''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ''

اس اشتہار میں مرزا صاحب نیا پنی تکلیف کا (جو میری تحریرات سے ان کو ہوتی تھیں) ذکر کر کے سچے کی زندگی میں جھوٹے کی موت کے لیے دعا کی اور بطور پیشگوئی یہ فقرہ بھی لکھا کہ

اگر میں (مرزا) جھوٹا ہوں تو آپ (ثناء اللہ) کی زندگی میں ہی مرجاؤں گا۔

اگر آپ (ثناء اللہ) جھوٹے ہیں تو مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے' یعنی مجھ سے پہلے مریں گے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ تیرہ ماہ بعد مرزا صاحب کی دعا کا اثر ظاہر ہو گیا کہ مرزا صاحب ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو گئے۔ جس پر میں نے یہ شعر پڑھا

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہیں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

ان کے بعد جماعت احمدیہ کے ساتھ لدھیانہ میں انعامی مباحثہ اسی مضمون پر اپریل ۱۹۱۲ء میں ہوا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے' اس کی مفصل روئداد مع فیصلہ سرپنچ ہمارے رسالہ ''فاتح قادیان'' میں مل سکتی ہے۔

☆☆☆

فضل الٰہی

میں ذکر کر چکا ہوں کہ سات برس کی عمر میں یتیم ہوا، چودھویں سال تک کل اقرباء سے جدائی ہو گئی، غریبی اور بے کسی کی حالت میں فضل ایزدی شامل حال رہا حالت تجرد کے بعد تاہل (شادی) کا وقت آیا، ۱۳۱۱ ہجری میں ایک معزز خاندان میں نکاح ہوا جس سے اولاد پیدا ہوئی، ایک لڑکا اور دو لڑکیاں زندہ ہیں جو سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

مختصر یہ کہ جو کچھ افضال و اکرام ہوا میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہ سمجھتا تھا نہ سمجھتا ہوں بلکہ زبان پر جاری ہے ۔

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو ہو گا وہ تیرے ہی کرم سے ہو گا

اپریل ۱۹۴۸ء میں میری عمر ستر سال کی ہوگئی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے

اعمار امتی بین ستین وسبعین وقلما یجوز اوکما قال (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

شاید اس لیے میرے عنایت فرماؤں نے چاہا ہو گا کہ میں اس حدیث کے ماتحت بذریعہ شہادت دنیا سے رخصت ہو جاؤں، چنانچہ ۴ نومبر ۳۷ء کو ایک نوجوان کو حوروں کا وعدہ دے کر مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا جس کی تفصیل رسالہ ''شمع توحید'' میں درج ہو چکی ہے مگر قدرت کو منظور تھا کہ میں حدیث کے آخری فقرے میں رہوں اس لیے احباب کی تمنا اور دعاؤں سے زندہ رہا اور ابھی اللہ تعالیٰ جانے کہ کب تک زندہ رہوں گا باوجود اس درازیِ عمر کے عموماً میرے منہ پر استاد غالب کا یہ شعر جاری رہتا ہے۔ ۔

بے صرفہ ہے گذرتی ہو اگرچہ عمر خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے

اس قاتلانہ حملے کی یادگار میں ایک بزرگ کی نظم درج ذیل ہے۔

نظم متعلق قاتلانہ حملہ

(از مولوی عبدالعزیز صاحب خلف حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ قلعہ میہاں سنگھ گوجرنوالہ پنجاب)

بعد حمد پاک ذاتِ کرد گار — مصطفیٰ پر ہو درود بے شمار
اور اصحابِ محمد پر سلام — ہو میری جانب سے ہر دم صبح وشام
نیز ہو آل محمد پر مدام — اس کے پیچھے عرض کرتا ہے غلام
اے ثناء اللہ رکھے تجھ کو خدا — ہر بلا سے حفظ میں اپنے سدا
ہند میں تو ناصر اسلام ہے — نصرت اسلام تیرا کام ہے
ایک تو ہے حامی دین متیں — حملہ آور جب ہوں اس پر اہل کیں
حنفی ومرزائی وچکڑالوی — اور شیعہ رافضی وبدعتی
ان سے جو تیرے مقابل آ گیا — امر حق سے وہ ہزیمت کھا گیا
اس لیے تیرے وہ دشمن ہو گئے — کیونکہ اپنی عزتیں وہ کھو گئے
اک اٹھا ان میں سے بے علم وہنر — ہو گیا آمادہ تیرے قتل پر
میں خدا کا شکر لاتا ہوں بجا — حق تعالیٰ نے لیا تجھ کو بچا
مرنا تیرا مرنا تھا پنجاب کا — موت عالم موت عالم ہے لکھا
اے ثناء اللہ تجھے اللہ رکھے — دیر تک دنیا میں تو زندہ رہے
تیرا جینا باعث برکات ہے — حامی اسلام تیری ذات ہے
بے گماں تو شیر ہے پنجاب کا — شان اعلیٰ تجھ کو اللہ نے دیا
ایسا رتبہ حق نے کیا تجھ کو عطا — حاسد اس کو دیکھ کر کے جل گیا
ونعوذ بالرحمن من نار الحمد — انہا الم شدید فی الکید
اے عزیز اب بند کر اپنی زبان — مارنہ دے تجھ کو کوئی بدگماں

☆☆☆

ضمیمہ رسالہ ھٰذا

(خاص طلباء عربیہ کے لیے)

رسالہ ''نور توحید'' ختم ہو چکا تھا کہ فرقہ غالیہ کی طرف سے ایک مضمون رسالہ ''انوار صوفیہ'' سیالکوٹ میں دیکھنے میں آیا' اس مضمون کا ذکر کرنا کچھ ضروری نہ تھا مگر ہم اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ طلبائے عربیہ کے لیے چند لمحات موجب تفریح ہوں مضمون نگار نے زیادہ وقت نظم ہائے مندرجہ ''شمع توحید'' پر دانڈ رونا رونے میں صرف کیا ہے' ہم اس مضمون سے اصل مطلب اخذ کر کے جواب دیتے ہیں۔

بشریت رسول: اس کے متعلق مضمون نگار نے جو کچھ لکھا ہے وہ موجب صد شکریہ ہے' مضمون نگار کے الفاظ یہ ہیں۔

بھلا جو لوگ چوبیس گھنٹے کے عرصہ میں کئی دفعہ نمازوں میں اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ پڑھتے ہوں وہ کب کسی ولی ➊ کو الٰہ یقین کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں میں سے کوئی ایسا گروہ نہیں جو خدا اور رسول کو شے واحد اعتقاد کرتا ہو۔ بھائیوں کا یہ افترا محض ہے۔ (انوار صوفیہ سیالکوٹ بابت جولائی ۳۸ء)۔

نور: اللہ کرے کہ آپ لوگ اس الزام سے بری ہوں مگر میں آپ کو ایک رباعی سناتا ہوں جو آپ کے ہیڈ واعظ بہاولپوری اپنی وعظوں میں پڑھا کرتے ہیں۔ اسے غور سے سنیے اور ان سے پوچھیے کہ آپ نے یہ رباعی کس آیت یا حدیث سے یا کس مجتہد کے اجتہاد سے اخذ کی ہے۔

بندرا بن وچ گنواں چرائے لنکا دے وچ ناد بجائے
عبداللہ دے گھر جائیدا ہن ساتھوں کی لوکائیدا

ہاں اپنے آرگن ''الفقیہ'' سے پوچھیے کہ یہ شعر کس کا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفٰی ہو کر

➊ موقع کلام کا اقتضا ہے کہ ولی کی بجائے نبی ہو۔ غالباً سہو کاتب سے ولی لکھا گیا ہے۔ (نور)

ہاں اپنے اس من چلے پیر بھائی سے بھی پوچھیے جس نے اپنا موحدانہ عقیدہ یہ ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ کو بشر کہنا کفر ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۴)

اگر آپ کہیں کہ یہ اس کی ذاتی رائے ہے تو شیخ سعدی مرحوم اس کے جواب میں فرمائیں گے۔ ؎

چو از قومے یکے بے دانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

بہر حال اس مسئلے میں آپ سیدھی راہ پر آ گئے ہیں الحمد للہ! مگر حال کے واقعات بتا رہے ہیں کہ ہمارا کہنا آپ کی جماعت پر افترا نہیں ہے بلکہ آپ کے بھائیوں کا ایسا کہنا اللہ اور رسول پر افترا ہے اور اس کا فیصلہ آپ سب بھائی یک جا بیٹھ کر کر سکتے ہیں۔

مسئلہ علم غیب: اس مسئلے پر ہم نے یہ آیت بھی لکھی تھی۔

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ۔

اس آیت کا مضمون منطقی شکل میں قیاس استثنائی بتایا تھا بایں طور کہ رفع تالی کو کبریٰ بنا کر نتیجہ میں رفع مقدم دکھایا تھا کیونکہ اہل منطق کا اصول ہے کہ "وضع المقدم ینتج وضع التالی، ورفع التالی ینتج رفع المقدم" اسی لیے علمائے نحو کا قول ہے "لو لا نتفاء الثاني لا نتفاء الاول" (شرح جامی۔ مغنی وغیرہ)

عربی زبان کے علاوہ اردو میں بھی یہ استعمال اسی طرح ہے۔

ایک اردو مصرع سنیے!

ہوتا میں باغ کا مالی تو گلشن کو لٹا دیتا

انہیں معنی میں عرب کا یہ شعر ہے۔

لو كنت من مازن ☆ لم تستبح ابلي

اگر میں قوم زمان سے ہوتا (جو بڑی باغیرت ہے) تو میرے اونٹ نہ چھینے جاتے۔

مضمون نگار صاحب اس کے جواب میں جو کچھ لکھتے ہیں اس سے عربی مدارس کے طلباء تو ہنسیں گے مگر استاد منطق حکیم ارسطو کی روح کو صدمہ پہنچے گا' آپ لکھتے ہیں۔

"میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں مستثنیٰ نقیض تالی نہیں تا کہ مقدم کی نقیض نتیجہ نکلے۔ اور رسول

اللہ ﷺ کی لاعلمی ثابت ہو بلکہ یہاں مستثنیٰ عین تالی ہے اور نتیجہ عین مقدم ہے۔ اور حضور سید الکونین ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے۔"

(رسالہ انوار صوفیہ ص ۳۴ بابت جولائی ۱۹۳۸ء)

پھر اس دعوے کی منطقی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب قیاس استثنائی کی صورت یہ ہو گی۔ لو کنت اعلم الغیب (مقدم) مامسنی السوء (تالی) لکن استکثرت من الخیر وما مسنی السوء (استثناء عین مقدم ❶)

نتیجہ عین مقدم ہوگا۔ یعنی (اعلم الغیب) لان عین التالی بیتج عین المقدم۔

نور: یہ ہے وہ منطق جس پر مضمون نگار کی لیاقت کی داد دینے کو جی چاہتا ہے بشرطیکہ وہ ہماری پیش کردہ مندرجہ ذیل مثالوں کو اس قاعدے سے صحیح ثابت کر دیں۔ سنیئے!

(۱) ان کان ھٰذا انسانا فھو حیوان لکنہ حیوان۔ کیا اس کا نتیجہ ھٰذا انسان ہوسکتا ہے۔

(۲) ان کان ھٰذا حنفیا فھو مسلم لکنہ مسلم۔ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ ھٰذا حنفی

(۳) ان کان ھٰذا جھنکوی فھو فنجابی للکنہ فنجابی۔ نتیجہ یہ ہوگا؟ فھو جھنکوی

کیونکہ آپ نے منطق کا قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ "عین التالی ینتج عین المقدم" مہربانی کر کے اس قاعدے کو ان امثلہ میں جاری کر کے دکھایئے اوزا گر آپ اکیلے نہ کر سکیں تو جامعہ بہاولپور میں جا کر طلباء سے مشورہ کیجیے شاید وہ آپ کی کچھ رہنمائی کر سکیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ نے یہ مضمون لکھ کر اپنے بزرگ جناب مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کو دکھلا دیا ہوتا تو آج آپ مضحکہ صبیان نہ بنتے۔ میں یہاں قرآن مجید سے قیاس استثنائی کی چند مثالیں اور سناتا ہوں ان میں بھی وضع تالی کر کے ان کو حل کرالا یئے گا۔ غور سے سنیئے:۔

(۱) لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیاء۔ ۲۲)

(۲) لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ (النسآء:۸۲)

(۳) لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ۔ (الانعام۔ ۵۸)

ان تینوں قضایا استثنائیہ میں وضع تالی کا قاعدہ جاری کر دیجیے، تو دہریوں، آریوں اور مسیحیوں

---

❶ ھٰکذا وجد غالباً سہو ہے۔ صحیح عین عالی ہے۔

پر آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا۔

لطیفہ: گروہ غالیہ کہا کرتا ہے کہ ''اہل توحید قل اعوذ لیے ہوتے ہیں ان کو علوم عالیہ میں دخل نہیں ہوتا' ان کا مبلغ علم ہدایت النحو تک ہوتا ہے'' ناظرین یہ مضمون اور پروانہ کا منطقی اعتراض دونوں کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ قل اعوذ یہ کون ہے۔ ہم سے پوچھیں تو ہم ان دونوں گروہوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ اس شعر میں بتاتے ہیں

کامل اس فرقہ زیاد سے اٹھانہ کوئی جو ہوئے کچھ تو یہی رند قدح باز ہوئے

اسی بحث کے ضمن میں آپ نے اپنی تائید میں حاشیہ جمل کا حوالہ دیا ہے' اس کے متعلق بھی ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ آپ نے اسے نہیں سمجھا کیونکہ وہ آپ کی تردید میں ہے جسے آپ تائید سمجھتے ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

''حاشیہ جمل میں خازن سے نقل کیا ہے'' ویحتمل ان یکون قال ذالك قبل ان یطلعه الله تعالیٰ علی علم الغیب فلما اطلعه الله اخبر به کما قال فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضی من رسول الیٰ اخره

اس آیت میں احتمال ہے کہ حضور کا یہ ارشاد اس وقت ہو کہ ابھی آپ جمیع غیب پر مطلع نہ کیے گئے ہوں اور جب آپ کو اللہ عزوجل نے مغیبات پر آگاہ فرما دیا جیسے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول'' تو آپ نے غیوب سے خبریں دیں۔'' (انوار الصوفیہ سیالکوٹ ۱۳۱ص ۳۰ اگست ۳۸ء)

نور: اس قول کی تشریح یوں ہے کہ اس کے قائل نے ہماری طرح اس آیت کو قیاس استثنائی برفع التالی سمجھ کر نتیجہ میں رفع مقدم پایا تو اس کو خیال ہوا کہ یہ سلب کلی (نفی عام) احادیث صحیح اور آیت ثانیہ (لایظهر علیٰ غیبه) کے خلاف ہے کیونکہ ان سے فی الجملہ علم غیب ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اس نے اس کا حل یوں سمجھا کہ یہ آیت جس میں سلب کلی کے معنی ہیں پہلے ہے اور احادیث وارده اور آیت ثانیہ پیچھے ہے۔ یعنی اس آیت میں سالبہ کلیہ ہے اور آیت ثانیہ میں موجب جزئیہ ہے۔

یہ ہے اس کی تطبیق جو کسی طرح ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہمارے قضیے کا موضوع وہ علم غیب ہے جس کا ثبوت قرآنی الفاظ میں ہم نے رسالہ شمع توحید ص ۲۳ میں دیا ہوا ہے۔ غور سے سنیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانعام۔۵۹)

یعنی علم غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا اس (مالک کائنات) کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ جنگلوں اور سمندروں کی چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ کوئی پتا بھی گرے تو اس کو بھی جانتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں ہو اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی پتا تر ہو یا خشک اس کے روشن علم میں ہو کر لوح محفوظ میں ہے۔

یہ ہے وہ علم غیب جس کو ہم اللہ تعالیٰ کا خاصہ سمجھتے ہیں یعنی جمیع مغیبات (غیب چیزوں) کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے۔

اور اخبار غیبیہ کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ ہمارے خلاف نہیں ہیں کیونکہ وہ بقول سیدنا خضر علیہ السلام سمندر سے ایک قطرہ ہے جو چڑیا اپنے منہ میں اٹھا لیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

اور آیت الا من ارتضی من رسول کا مصداق بھی یہی ہے۔

پس جمل اور خازن میں جو قول یحتمل کے ساتھ منقول ہے وہ رفع تالی کی بنا پر ہے جو ہم نے کہا ہے نہ کہ وضع تالی کی بنا پر جیسا کہ آپ نے کہا ہے ورنہ "قبل" کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

فافهم ولا تكن من القاصرين.

نوٹ: اس مضمون کے لکھنے والے مولوی قطب الدین صاحب جھنگوی ہیں جو ایک دفعہ موضع بدھوانہ ضلع جھنگ میں مسئلہ تقلید شخصی پر گفتگو کرنے کے لیے جناب مولوی غلام محمد صاحب بہاولپوری کی طرف سے میرے مقابل پیش کیے گئے تھے اس مناظرہ کی شہادات میں دو غیر جانب دار معتبر گواہ (۱) ڈاکٹر نور حسین صاحب کربلائی شعیہ (۲) مولوی محمد حسین صاحب امام جامع مسجد احناف جھنگ خاص قابل ذکر تھے جن کی تحریرات اسی زمانے شائع ہو گئی تھیں اور اس مناظرہ میں آپ اس سے زیادہ فتح یاب ہوئے تھے جتنا فاضل بہاولپوری منڈی تاندلیانوالہ ضلع لائل پور میں "تقلید شخصی" کے مناظرے میں اور جلال پور پیر والہ ضلع ملتان میں "رفع الیدین" کے

مناظرہ میں میرے مقابل فتحیاب ہوئے تھے' ان تینوں مقامات کی تحریریں موجود ہیں۔

لولا غرابت المقام لاتیت بها

ہاں میں دعا کرتا ہوں کہ آپ دونوں کو اللہ تعالیٰ ان مذکورہ فتوحات سے زیادہ فتح نصیب کرے مناظرہ بدھوانہ کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ:۔

علماء کی جماعت نے مسرت اندوز ہو کر مجھے ببر پنجاب فاتح امرتسر کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ (رسالہ مذکور بابت جولائی ۳۸'۲۶)

مگر جناب یہ تو فرمایئے کہ آپ کو اس مناظرہ کے بعد اس علاقہ کے لوگ مولوی قطب الدین ببر اسلام فاتحہ امرتسر کیوں نہ کہنے لگے؟

تمثیل: ہمارے علاقہ میں بعض صحیح الدماغ ایسے ملتے ہیں جو اپنے نام نامی کے ساتھ یہ الفاظ لکھا کرتے ہیں:۔

فاتح کانگرس' فاتہ اخبار زمیندار' فاتح اخبار پرتاب' فاتح اخبار ملاپ' فاتح اخبار مدینہ اور آخیر میں اس خاکسار پر نظر عنایت فرمانے کو فاتح ثناء اللہ بھی لکھا کرتے ہیں اور کبھی زیادہ ترقی کر کے امیر ملت و امام وقت بھی بن جاتے ہیں۔

ہم سمجھتے تھے کہ وہ اس دماغ کے اکیلے بزرگ ہیں جو بغیر فتح کے فاتح کہلانے کے شائق ہیں۔ مگر مولوی قطب الدین صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ بزرگ اکیلے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی ہیں اس لیے ہمیں افسوس ہے' کیوں؟

ایک سے جب دو ہوئے تو لطف یکتائی نہیں

دفع افترا: افترا کرنے کی ابتدا اللہ جانے کب سے ہوئی ہے قرآن مجید نے اس سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا٥ (الاحزاب۔ ۵۸)

یعنی کسی شخص یا جماعت کو ناکردہ گناہ پر تکلیف دینے والے اپنے ذمے بڑا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مومن بالقرآن ہر وقت اس آیت شریفہ کو اپنے سامنے رکھ کر افترا کرنے اور بہتان لگانے سے باز رہتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کلمہ گو مومن بالقرآن اس ارشاد ربانی کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتے تو ہمیں سخت صدمہ ہوتا ہے اور ہمارے مخاطب بھی اس عیب سے بری نہیں ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ نداء غیر اللہ جائز ہے کیونکہ مولوی ثناء اللہ کو دور دراز کے شاعروں نے ندا کی ہے۔

اہل توحید کی تردید میں آپ لکھتے ہیں۔

"اگر جواب میں کوئی ان سے کہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو "یا ساریة" سے آواز دیا تھا اور حضرت ساریہ اس روز ایران کے صوبہ فارس کے شہر ہنسارند میں مصروف پیکار آنکھوں سے بصد مراحل اوجھل تھے۔ یا ان سے کہا جائے کہ حدیث شریف میں یا عباد الله اعینونی آیا ہے تو سنتے ہی جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ عمر مسئلہ طلاق اور مسئلہ تراویح میں بدعتی ہے' ہم اس کی نہیں مانتے اور حدیث ضعیف ہے قابل سماعت نہیں۔ استغفر اللہ اس وقت ان کے حواشی قلوب سے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین اور ماراه المومنون حسنا فهو عند الله حسن اور لا تجتمع امتی علی الضلالة وغیرھا احادیث عناد نبوی سے لعو و سہو اور مسخ و فسخ ہو جاتی ہیں اور جان بوجھ کر اپنی ضد اور ہٹ کی پوجا کرتے ہیں۔" (انوار الصوفیہ بابت جولائی ۳۸ء ص ۲۸-۲۹)

سبحان اللہ! کیا ہی علم و فضل اور عدل و انصاف ہے' اتنا بھی نہ سوچا کہ جن شاعروں نے دور سے ندا کی ہے ان کی ندا بذریعہ خط منادیٰ کو پہنچ گئی اور بس گویا وہ قریب سے بلاتے ہیں اور مخاطب سنتا ہے۔

لیکن جن کو تم لوگ پکارتے ہو ان کی شان میں تو یہ آیت وارد ہوئی ہے۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ (الاحقاف۔ ۵) "وہ ان پکار سے بے خبر ہیں۔"

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۔ (فاطر۔۱۴)

"اگر تم ان کو بلاؤ تو وہ تمہاری دعا نہیں سنتے۔"

اور سنئے!

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ۔ (فاطر۔۱۴)

"اگر سن بھی لیں تو تمہاری مراد نہیں دے سکتے۔"

اور سنئے!

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ۔ (فاطر۔۱۴) "قیامت کے روز وہ تمہارے افعال شرکیہ سے انکار کردیں گے کہ ہم نے ان کو نہیں کہا تھا۔"

نوٹ کرلیں: امیر المومنین خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہنے والا خود بدعتی ہے۔

یا عباد الله اعیونی کا جواب اس رسالے کے پہلے حصے میں آچکا ہے۔

رہی روایت ساریہ والی تو پہلے اس کو بحکم ثبت العرش ثم انقش صحیح ثابت کیجئے، پھر پیش کرکے ہم سے جواب لیجئے۔

ماراه المومنون حسنا فهو عند الله حسن۔ ❶

گو حدیث مرفوع نہیں مگر اپنے معنی میں صحیح ہے کیونکہ مومنون جمع کا صیغہ ہے اور الف لام استغراقی ہے اور اس کا مضمون نہ کبھی واقعہ ہوا اور نہ ہوگا۔

دوسری روایت لا تجتمع امتی ۔ ❷

امتی بھی اسی مضمون کی ہے جو کبھی واقع نہیں ہوا۔

چنانچہ امام احمد صاحب المذہب کا قول ہے۔

من ادعی الاجماع فهو کاذب۔ (اعلام الموقعین)

پس آئندہ کو اہل توحید کے مقابلہ میں جو مضمون لکھیں ہمارا مشورہ ہے کہ پہلے اسے اپنے بزرگ شیخ الجامعہ بہاول پور کو دکھالیا کریں۔

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

---

❶ جس بات کو سارے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔
❷ یعنی ساری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

☆☆☆

خصائل النبیؐ

مختصر ترجمہ

شمائلِ ترمذی

مُصنّفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابوالوفا مُحمّد ثناءُ اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ مُحمّدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیه و الصلوٰة علی اهلها

التماس مصنف

زمانہ حال کے مسلمانوں کی مذہبی طاقت کیا باعتبار علم کیا باعتبار عمل دیکھ کر کون دل ہے جو پاش پاش نہ ہو۔ کون آنکھ ہے۔ جو مثل باراں باراں نہ ہو۔ عملی پہلو تو عیاں راچہ بیاں۔ فسق وفجور کفر شرک کا عام طور پر رواج۔ دھاڑیوں کی صفائی۔ ترک صلوۃ شراب خوری تو کوئی عیب ہی نہیں۔ علمی طاقت ایسی ضعیف ہے کہ عموماً مذہب سے ناواقف حتیٰ کہ معمولی مسائل نماز روزہ سے بھی ناآشناء۔ آج سے بیس برس پہلے عموماً مسلمانوں کی اولاد قرآن شریف کا کوئی حفظ کوئی ناظرہ پڑھا کرتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ بہت سا حصہ مسلمانوں کی اولاد کا تو مشن سکول کے جال میں پھنس کر تباہ ہے باوجود مسلمان کہلانے کے بجائے قرآن شریف کے انجیل اٹھائے پھرتے ہیں۔ بہت سے لڑکوں کے والدین کا خیال ہے کہ جب سے بچہ پیدا ہو۔ اسے انگریزی الفاظ میں بول چال سکھائی جائے۔

میں نے سٹیشن فیروزپور پر ایک جنٹلمین مسلمان پنجابی کو دیکھا وہ اپنے لڑکے دو سالہ کو انگریزی میں خطاب کر رہے تھے۔ میرے ایک معزز دوست نے جو سٹیشن تک میرے ساتھ تشریف لائے تھے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی بولے کہ جس قدر انگریزی الفاظ سے واقف ہو جائے گا اسی قدر تعلیم انگریزی میں اس کو سہولت ہوگی میرے خیال میں ان سب آفتوں کی جڑ یہ ہے کہ مسلمانوں کو کیا چھوٹے کیا بڑے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے حالات مبارکہ سے واقفیت نہیں ورنہ ایسی غفلت نہ ہوتی۔ اس لیے میں نے پہلے ایک اسلامی تاریخی ناول (حکایت) کے ڈھنگ پر ایسی طرز سے جمع کی تھی کہ جس سے عموماً بچوں کو فائدہ ہو اور موقع بموقع توحید اور اتباع سنت بھی ذہن نشین کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ پھر میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے دوسرے حصہ میں آپ کے خصائل حمیدہ روزانہ کو بطور اختصار بیان کروں تا کہ جو کچھ اس میں رہ گیا وہ اس

میں پورا ہو جائے۔ اس مطلب کے لیے میں نے شمائل ترمذی (جس میں امام ابو عیسیٰ ترمذی نے نبی اکرم ﷺ کے روزانہ حالات طیبہ جمع کیے ہیں) کے ترجمہ کر دینے سے کوئی امر بہتر نہ سمجھا۔ مگر چونکہ وہ کسی قدر بوجہ تکرار احادیث کے مطول ہے۔ اس لیے میں نے علاوہ حذف اسناد کے احادیث میں بھی اختصار کر دیا۔ اور بعض مناسب موقع پر فوائد کے طور بعض جگہ ردمخالفین کی طرز پر کچھ حواشی مناسب بھی لگائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرے۔ مسلمانوں سے امید ہے کہ اس کے متعلق غلطی سے براہ راست راقم آثم کو اطلاع دے کر ممنون فرما دیں گے۔ اور دور دور ہی کی شکایتوں سے زبان آلودہ نہیں کریں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

الملتمس

ابو الوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ

خادم مدرسہ تائید الاسلام امرتسر

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خصائل النبی

مختصر ترجمہ

شمائل ترمذی

نبی کریم ﷺ کے قد مبارک اور صورت منورہ کا بیان:

سیدنا انس (آپ ﷺ کے خادم خاص) کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہ تو بہت دراز تھے اور نہ پست قد، نہایت سفید (مثل گورے سپاہیوں کے) تھے نہ بالکل گندم گون (بلکہ آپ ﷺ کے چہرے مبارک پر سفیدی مناسب اور سرخی موزوں تھی) اللہ نے آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبی کیا تھا۔ بعد اس کے (رسول ہوکر) مکہ میں دس سال [1] تک رہے۔ اور دس ہی سال مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساٹھ برس کی عمر میں فوت کرلیا۔ اور (جب فوت ہوئے تو) آپ کی ریش مبارک میں (چند بال قریباً) بیس کے سفید تھے (یعنی آپ ﷺ پر ضعیفی نمایاں نہ تھی)۔

نبی کریم ﷺ کی مہر نبوت کا بیان:

ایک صحابی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے میری خالہ (ماسی) نبی کریم ﷺ کی خدمت بابرکت میں لے گئی اور اس نے عرض کیا کہ حضرت میرا یہ بھانجا بیمار ہے۔ پس نبی کریم ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور میرے لیے برکت کی دعا کی اور آپ نے وضو کیا۔ تو میں نے

[1] اکثر روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی جن میں سے تیرہ برس بعد نبوت کے مکہ شریف میں رہے اور دس برس مدینہ شریف میں۔ مگر چونکہ عربیوں کا دستور ہے کہ بعض دفعہ بیان کرتے ہوئے دہاکہ کے اوپر کی کسر کو گرا دیا کرتے ہیں اس لیے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے تیرہ برس کو دس شمار کیا۔

آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی (تبرکاً) قدرے پی لیا۔ (اس اثناء میں) میں حضرت کی پیٹھ پیچھے کھڑا تھا۔ میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو جو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں تھی دیکھا۔ تو وہ ڈولے کے تکمے کی طرح تھی۔

نبی کریم ﷺ کے بالوں کا بیان:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن میں سے (کپڑے باندھ کر) نہایا لیا کرتے تھے۔ (اس وقت میں نے بخوبی دیکھا) کہ آپ ﷺ کے موئے مبارک کانوں سے کسی قدر نیچے تھے مترجم کہتا ہے آپؐ کے بال کبھی تو اس طرح ہوتے جیسے کہ اس روایت میں ہے اور کبھی اس سے بھی نیچے اور کبھی کندھوں تک تینوں طرح سے ثابت ہوئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ فداہ روحی کی کنگھی کرنے کا بیان:

نبی کریم ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کو ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ چاہے وضو کریں یا کنگھی کریں۔ خواہ جوتا پہنیں۔ مترجم کہتا ہے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ پائخانہ کے وقت آپ ﷺ بایاں پاؤں پہلے رکھتے تھے اور باقی سب کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرتے۔ اے میرے عزیزو! تم بھی اسی طرح کیا کرو۔ پھر تم بھی اللہ کے پیارے اور پکے مسلمان ہو جاؤ گے۔

نبی کریم ﷺ کے بڑھاپے کا بیان:

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (چند بال سفید دیکھ کر) عرض کیا حضرت آپ تو بوڑھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے تو سورۃ ہود اور سورۃ الواقعہ اور سورۃ المرسلات اور سورۃ عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا'' مترجم کہتا ہے ان سورتوں میں عذاب الٰہی کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کو امت کی فکر رہتی تھی کہ کسی طرح اس عذاب میں میری امت کے لوگ نہ چلے جائیں۔ اس لیے آپ ﷺ کے بالوں میں غم سے سفیدی نمایاں ہو گئی تھی۔

نبی کریم ﷺ کے مہندی لگانے کا بیان:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی (داڑھی مبارک کو) مہندی بھی لگائی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جناب رسالت مآب فداہ روحی کو (بالوں پر) مہندی لگائے ہوئے دیکھا۔

نبی کریم ﷺ کا سرمہ لگانے کا بیان:

رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''سرمہ اثمد[1] کا لگایا کرو اس لیے کہ یہ سرمہ بینائی کو روشن کرتا ہے اور (پلکوں کے) بال پیدا کرتا ہے۔'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کی بھی ایک سرمہ دانی تھی کہ اس میں سے رات کو تین سلائی ہر آنکھ میں لگایا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے لباس کا بیان:

حضرت محمد ﷺ کی زوجہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (اوپر کے) سب کپڑوں (چوغہ، کوٹ، انگہ، اچکن وغیرہ) سے آپ ﷺ کو کرتا بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مترجم کہتا ہے اس لیے کہ کرتا بہ نسبت اور کپڑوں کے بے تکلف ہے۔ اور آپ ﷺ کو بے تکلفی بھلی لگتی تھی۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا انصارن کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے کرتے کی آستینیں پہنچوں تک تھیں۔ ایک صحابی قرۃ رضی اللہ عنہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں (قبیلہ) مزینہ کی جماعت میں مل کر نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کو آیا (تو میں نے دیکھا کہ بوجہ بے تکلفی کے) آپ ﷺ کے کرتے کا تکمہ کھلا ہوتا تھا۔ پس میں نے موقعہ غنیمت سمجھ کر اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے کرتے کے گریبان میں ڈال کر آپ ﷺ کی مہر نبوت کو (تبرکاً) چھولیا۔

---

[1] اثمد ایک سرمے کے پتھر کا نام ہے جس کو اصفہانی بھی کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے دنیاوی گذارے کا بیان:

مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (نبی کریم ﷺ غذا کے ایسے کم خواہش مند تھے) آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر روٹی گوشت بھی کبھی نہیں کھایا مترجم کہتا ہے آپ ﷺ کو دنیاوی لذائذ کی طرف عموماً کم رغبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ یہ نہیں کہ آپ کو میسر نہیں تھا اس لیے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے بادشاہ تھے بلکہ محض زہد کی وجہ سے آپ بے رغبتی کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا [1] فرماتی ہیں کہ مہینہ مہینہ بھی گذر جاتا تھا اور ہمارے گھر میں آگ نہ جلتی تھی صرف کھجوریں اور پانی پی کر گذارہ کیا جاتا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے آپ ﷺ کے پاس بھوک کی شکایت ظاہر کی اور پیٹ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا (جو بوجہ غلبہ بھوک کے باندھا ہوا تھا) کھول کر دکھایا تو آپ ﷺ نے بھی (ہماری تسلی کرنے کو) اپنے پیٹ مبارک سے دو پتھر کھول کر دکھائے۔

آپ ﷺ کے نعل [2] پہننے کا بیان:

قتادہ تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا نبی کریم ﷺ کے نعل مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے کہا آپ کے ہر ایک نعل کے دو دو تسمے تھے۔

آپ ﷺ کی انگوٹھی کا بیان:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت علیہ السلام کی انگوٹھی کے نگینے میں (آپ کا اسم مبارک) محمد رسول اللہ (ﷺ) تین سطروں میں (اوپر نیچے) لکھا ہوا تھا۔ حضرت کے چچا زاد بھائی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

---

1. یہ حدیثیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ نہیں بیان کیں بلکہ آگے چل کر صفحہ ۲۶ میں بیان کیں۔ مگر چونکہ اس بیان کے مناسب تھیں۔ اس لیے میں نے ایک ہی جگہ کر دیں۔
2. نعل ایک قسم کا جوتا جو بغیر پنجہ کے ہوتا ہے جسے پہاڑی لوگ پہنتے ہیں۔

آپ ﷺ کی تلوار کا حال:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔

آپ ﷺ کی زرع کا بیان:

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے جنگ احد کے دن دو زرع پہنی ہوئی تھیں۔ ایک بلند پتھر پر چڑھنے لگے (ان زرعوں کے) بوجھ سے نہ چڑھ سکے۔ آخر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھا کر اوپر چڑھے تو میں نے سنا کہ فرماتے تھے کہ ابوطلحہ نے (اس خدمت کے عوض میں) جنت لے لی۔

رسول اللہ ﷺ جنگ میں خود [1] بھی زیب تن کیا کرتے تھے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ فتح مکہ کے زمانہ میں مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھی۔

نبی کریم ﷺ پگڑی سیاہ بھی باندھا کرتے تھے:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ فتح مکہ کے دنوں مکہ میں داخل ہوئے تو سیاہ دوپٹہ آپ کے زیب سر تھا۔

نبی کریم ﷺ کے تہبند کا حال:

ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے دکھانے کو ایک چادر اور ایک تہبند ٹکیاں لگا ہوا نکالا اور فرمایا کہ انہی دو کپڑوں میں نبی کریم ﷺ کا انتقال [2] ہوا تھا۔

---

[1] خود اس لوہے کی ٹوپی کہتے ہیں جو جنگ میں سپاہی پہنا کرتے ہیں۔

[2] مخالفین اسلام ذرا شرم کریں کہ جس شخص کی آسائش دنیاوی بعد حصول سلطنت کے بھی یہ ہو کیا اس کا دعویٰ نبوت و دنیاوی آسائش کے لیے ہوگا؟ گل ست سعدی و در چشم دشمنان خارست

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کا بیان:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی شخص حضرت سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ آپ کے چہرے مبارک میں سورج چمک رہا تھا اور ایسا ہی کسی کو با آرام حضرت سے زیادہ جلدی چلنے والا بھی میں نے نہیں دیکھا (آپ ایسے تیز چلتے تھے) گویا کہ آپ کے لیے زمین لپیٹی جاتی تھی۔ ہم آپ کے ساتھ جب ہوتے تو بہت ہی مشقت سے آپ کے برابر چلتے۔ حالانکہ آپ کی چال بے پرواہی میں طبعی ہوتی تھی۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار ایسی تھی جب آپ چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا اوپر سے نیچے کو (بہ آہستگی) آرہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھانے کا طریق:

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا کر (بے تکلفی سے) تینوں انگلیوں کو (جو آپ کے کھانے میں مستعمل ہوتی تھیں) چاٹ لیا کرتے تھے۔ ابو جحیفہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں (دنیادار مغروروں کی طرح) تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ مترجم کہتا ہے آپ کی عادت شریفہ تھی کہ کھڑے زانو زمین پر بیٹھ کر کھا لیتے اور فرماتے میں ایک غلام کی طرح کھاتا ہوں جیسا وہ مالک کے حکم کا منتظر دل لگا کر نہیں کھاتا۔ اسی طرح میں بھی چنداں دل لگا کر نہیں کھایا کرتا بلکہ چند لقمے جو زیست کو کافی ہو سکیں پیٹ میں ڈال لیتا ہوں۔ یہ امر آپ کے زہد کامل پر دلالت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کس چیز کی ہوتی تھی:

آپ کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (جو آپ کے خانگی امور سے بخوبی واقف تھیں) بیان کرتی ہیں کہ (حضرت) اور حضرت کے گھر والوں نے آپ کے انتقال تک دو روز پے در پے جو کی روٹی سے بھی شکم سیری[1] نہیں کی۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ آپ کے گھر والوں سے (بوجہ قلت کے) کبھی جو کی روٹی بھی کھا کر نہیں بچا کرتی تھی۔ آپ کے چچازاد بھائی ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

[1] مخالفین اسلام شرم کریں اور مدعیان اسلام تکلیفوں کو برداشت کریں اور بوجہ چند روزہ تکلیف کے دین سے دست بردار نہ ہوں۔

کہتے ہیں کہ جناب رسالت مآب اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتیں خالی پیٹ سورہا کرتے۔ (جب کھانا کھاتے تھے) تو اکثر اوقات کھانا آپ کا جو کی روٹی ہوتی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میدہ کی روٹی بھی کھائی تھی؟ وہ بولا تو کیا ان باتوں سے پوچھتا ہے آپ نے تو فوت ہونے تک میدہ کو آنکھ سے بھی نہیں دیکھا۔ (کھانا تو کجا) پھر سائل نے اسی سہل بن سعد سے پوچھا کہ آنحضرت کے زمانے میں تمہارے آٹا چھاننے کی چھلیاں بھی ہوا کرتی تھیں؟ اس نے کہا کوئی نہیں۔ سائل نے پوچھا کہ (تم تو اکثر اوقات جو کی روٹی کھایا کرتے تھے اور جو کا آٹا تو موٹا ہوتا ہے) پھر تمہاری (اس پھونک سے) موٹا موٹا جو اڑنا ہوتا اڑ جاتا باقی گوندھ لیتے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپ کے خادم خاص بتلاتے ہیں کہ آنحضرت نے (مثل میزوں) کے بڑے بڑے خوانچوں پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی چینی کی رکابیوں میں (سالن ترشی وغیرہ رکھ کر) کھایا ہے۔ اور نہ کبھی آپ کے لیے پتلی پتلی چپاتیاں کسی نے پکائیں (راوی) کہتا ہے میں نے (اپنے استاد) قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کس چیز پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام روٹی رکھ کر کھایا کرتے تھے اس نے بتلایا اسی (چمڑے کے) دستر خوان پر۔ مترجم کہتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ اس لیے نہیں تھی کہ آپ کو میسر نہیں تھا۔ بھلا اب دس روپیہ کے منشی صاحبوں کو تو میسر ہو مگر تمام عرب کے بادشاہ کو میسر نہ ہو۔ بلکہ آپ کی طبیعت میں دنیاوی لذتوں کی محبت ہی نہ تھی۔ مخالفین اسلام آنجناب پر طمع دنیاوی کا اتہام لگاتے ہوئے شرم کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کا بیان:

سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بوجہ بے تکلفی اور سادگی طبع کے) فرمایا کرتے تھے کہ سب سالنوں سے سرکہ اچھا سالن ہے (کہ بلا مشقت مل جاتا ہے اور کھانا بھی اس سے ہضم ہو جاتا ہے)۔ آپ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس علیہ السلام کی (ایک دفعہ) دعوت کی۔ میں بھی آپ کے ہمرکاب گیا۔ وہ شخص (دعوت کے کھانے میں) جو کی روٹی اور گوشت کدو کا شوربا لایا۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بڑی رغبت سے کدو کے ٹکڑے پیالے کے چوگرد سے تلاش کر کے نوش فرماتے ہیں۔ پس (میں نے جو آپ کی کدو سے اس قدر رغبت دیکھی) تو اسی دن سے ہمیشہ میں کدو کو اور

سالنوں سے زیادہ مرغوب سمجھتا ہوں۔ مترجم کہتا ہے میرے عزیزو! صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ سالن بھی وہی کھاتے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند خاطر ہوتا۔ جب ہی تو وہ اللہ کے مقبول بن گئے۔ پس تم بھی دل و جان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھو اور ان کی سنت پر چلو تم بھی اللہ کے پیارے بندے بن جاؤ گے۔

کھانے کھاتے ہوئے ہاتھ دھونے کا بیان:

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ مترجم کہتا ہے اگر ہاتھ ناپاک ہوں تو ضرور ہے کہ ہاتھ دھوئے جائیں اور اگر یقیناً پاک صاف ہیں تو پھر اگر دھولے تو بہتر ہے اور اگر نہ دھوئے تو بھی خیر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا شروع کرتے ہوئے اور بعد فراغت کے کیا کہتے تھے؟

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا (کھانا کھانے کے وقت بسم اللہ کہا کرو) اور اگر کوئی تم میں سے (ابتدا میں) بسم اللہ کہنا بھول جائے (اور بیچ میں یا اخیر میں اسے یاد آجائے) تو بسم اللّٰہ اوله و آخره (یعنی اللہ ہی کا نام ہے پہلے اور پیچھے) کہہ دے۔ عمرو بن ابی سلمہ ایک دفعہ آپ سے ملنے کو گئے۔ آپ کے پاس کھانا رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا آ بیٹے! بسم اللہ کر کے اپنے پاس سے کھا۔ (یعنی بے صبروں کی طرح دوسرے کے آگے سے مت اٹھا) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ جب بندہ کوئی لقمہ کھانے کا کھائے یا کوئی گھونٹ پانی کا پیئے تو اللہ کی حمد کرے یعنی الحمد للّٰہ رب العالمین پڑھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے کا بیان:

حضرت ثابت تابعی [1] کہتے ہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ایک پیالہ لکڑی کا لوہے کی زنجیر سے جکڑا ہوا ہمارے دکھانے کو نکالا (دکھلا کر) بتلایا کہ یہی پیالہ ہے۔ سرور عالم فداہ روحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اسی پیالہ میں میں نے

---

[1] تابعی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی ہو۔

نبی کریم ﷺ کو ہر قسم کی پینے کی چیزیں (خالی پانی اور کھجوریں بھگی ہوئیں کا پانی اور شہد اور دودھ اپنے ہاتھ سے) پلایا ہے۔

آپ ﷺ کے پھل کھانے کا بیان:

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ کھیرے ککڑی کھجوروں کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ بات آپ کی کمال لیاقت طبی پر دلالت کرتی ہے کہ گرم سرد کو ملا کر معتدل کر لیتے۔

نبی اکرم ﷺ کے پینے کی چیزوں کا بیان:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ کو میٹھا اور سرد شربت بہت مرغوب تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولید نبی اکرم ﷺ کے ساتھ (آپ کی بیوی) میمونہ رضی اللہ عنہا کے (گھر) پر گئے۔ اس نے ہمیں ایک برتن دودھ کا دیا۔ اس میں سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پیا اور میں آپ کی دائیں طرف تھا۔ بقیہ اس کا مجھے عنایت فرمایا اور کہا کہ یہ حصہ (دودھ کا) ہے تو تیرا (کیونکہ پینے والے سے جو دائیں طرف ہو بقیہ اسی کا ہوتا ہے) پر اگر تو اپنی مرضی سے چاہے تو خالد رضی اللہ عنہ کو دے دے۔ (میں ایسا کہاں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جوٹھا کسی کو دے دوں اور خود نہ لوں)۔ میں نے کہا حضرت یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ آپ کا جوٹھا کسی کو دے دوں۔ (پھر آپ نے مجھے ہی دے کر) فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کچھ کھانا (کھلائے یا پانی پلائے) پس (وہ اس کے شکریہ میں) کہے اے اللہ برکت کر ہمارے لیے اس میں اور آئندہ کو اس سے بہتر کھلا اور جس شخص کو اللہ دودھ پلائے وہ (بہتری کی درخواست نہ کرے اس لیے کہ دودھ سے بہتر کوئی چیز نہیں)۔ وہ کہے اے اللہ ہمارے لیے اس دودھ میں برکت کر اور آئندہ کو اس سے بھی زائد دے اور فرمایا کوئی شے سوائے دودھ کے کھانے پینے دونوں کے کام نہیں آسکتی۔ یہی دودھ ہے جو دونوں کام دے سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پانی وغیرہ کس طرح پیا کرتے تھے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ پانی پیتے ہوئے تین سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طرح پانی رچتا پچتا ہے۔ یعنی زود ہضم اور سیراب کرنے والا۔ یہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ آپ ایک عورت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (کے مکان) پر (اس کے خاوند سے ملنے یا کسی اور ضروری کام کو) تشریف لے گئے۔ وہاں اس کی مشک لٹکی ہوئی تھی۔ آپ نے اس میں سے منہ لگا کر پانی پی لیا (اتنے میں ام سلیم کو خبر ملی) اس نے آ کر اس مشک کا منہ جہاں سے نبی اکرم ﷺ نے پانی پیا تھا تبرک سمجھ کر کاٹ لیا۔

نبی اکرم ﷺ کے عطر کا بیان:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک (چھوٹی سی عطر کی) کپی تھی اس میں سے آپ عطر لگایا کرتے تھے۔ اور کہا کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ اگر کوئی آپ کو عطر دیتا تو اسے کسی صورت میں بھی واپس نہ کرتے تھے۔ (بلکہ لے لیتے تھے)

نبی اکرم ﷺ کے کلام کا بیان کہ کس طرح بولا کرتے تھے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (فداہ روحی) تمہاری طرح جلد جلد باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ آپ تو کھلا کھلا کلام بولا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس بیٹھنے والے اس کو یاد بھی کر لیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے خادم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک بات کو (بعض دفعہ) تین تین دفعہ بھی بیان کرتے تھے تا کہ بخوبی سمجھ میں آ جائے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے ماموں سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول مآب فداہ روحی علیہ الصلوٰۃ والسلام (امت کے خیال میں) ہمیشہ مغموم اور متفکر اور خاموش رہتے کبھی آپ کو آرام نہ ہوتا سوائے حاجت کے۔ کبھی آپ کلام نہ کیا کرتے اور (کمال یہ کہ) جب شروع کرتے یا ختم کرتے تو کشادہ دہن کرتے (یہ نہیں کہ متکبروں کی طرح من من کریں جس کا بخوبی سمجھ بھی نہ آ سکے) آپ کلام پُر مضمون بولا کرتے کہ جس سے کئی مطالب حل ہوں۔ آپ کا کلام مفصل ہوتا اور باوجود اس کے حاجت سے زائد فضول اور مطلب سے کم نہ ہوتا۔ آپ نہ تو کسی پر ظلم کرتے اور نہ کسی کو بے عزت کرتے۔ نعمت

الہی کو ہمیشہ بڑا سمجھتے اگر چہ بہت ہی تھوڑی ہوتی۔ کسی کو برا نہ کہتے اور کسی کھانے کی چیز کی مذمت نہ کرتے اور مثل حریصوں اور دنیا داروں کے) اسکی مدح میں بھی نہ رہتے (کہ واہ فلاں قسم کا قورمہ کیا مزیدار ہوتا ہے) دنیا اور دنیا کی چیزوں کی وجہ سے آپ کو رنج نہ ہوتا۔ ہاں جب دین کی ہتک ہوتی تو آپ کو بہت رنج ہوتا۔ ہرگز نہ رکتے جب تک کہ اس کا بدلہ نہ لے لیتے۔ (یعنی ایسا انتظام فرماتے کہ آئندہ کوئی ایسے ناجائز کام کرنے پر دلیری نہ کرے) اور اپنی ذات ستودہ صفات کیلئے کبھی بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اور جب آپ کو کسی امر ناجائز کے دیکھنے سے) غصہ ہوتا تو اس سے منہ پھیر لیتے حتی المقدور یک بہ یک کسی کو تنگ نہ کرتے۔ اگر کوئی اتنی ہی بات دیکھ کر باز آ جائے تو بہتر ہوتا ورنہ زبانی منع کر دیتے۔ مترجم کہتا کہ ناجائز کام دیکھ کر خاموشی کرنے والے کے حق میں آپ نے فرمایا ہے کہ وہ گونگا شیطان ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جب کبھی کوئی ناجائز کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے بند کرے۔ اگر ہاتھ سے نہ ہو سکے تو زبان سے' زبان سے بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے' اگر دل میں بھی برا نہ جانے گا تو پھر اس میں ذرہ بھر بھی ایمان نہ ہو گا۔ مترجم کہتا ہے کہ خاص کر یہ زمانہ جس میں ادنیٰ اعلیٰ کو نصیحت کر سکتا ہے زبان بند کرنے کا نہیں۔ جو لوگ اس زمانہ میں زبان پند بند کرتے ہیں گونگے شیطان ہیں اور (آپ کی عادت شریفہ تھی) کہ اگر کسی امر سے خوش ہوتے تو نیچے نگاہ کر کے قدرے ہنستے۔ مگر آپ کی ہنسی فقط مسکرانا ہوتا۔ نہ کہ قہقہہ مارنا۔ ایسا (مسکراتے) کہ جس سے آپکے دانت مبارک مثل اولوں کی سفید دیکھنے میں آ جاتے۔

نبی اکرم ﷺ فداہ روحی کی خوش طبعی کا بیان:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نے آپ سے ایک اونٹ کا سوال کیا۔ آپ نے (خوش طبعی) سے فرمایا میں تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا؟ اس نے عرض کیا حضرت میں اونٹ کے بچے کو کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا اونٹ بھی تو اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (یہ عادت شریفہ آپ کی دیکھ کر) صحابہ نے عرض کیا حضرت آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا (بے شک میں گاہے گاہے خوش طبعی کرتا ہوں مگر خوش طبعی میں بھی) سچ ہی کہتا ہوں۔ (یہ نہیں کہ خوش طبعی کرتے کرتے جاہلوں کی طرح غلط گوئی کروں)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی شعر بھی پڑھا کرتے تھے:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نصیحت کے لیے کوئی شعر بھی پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا (کبھی کبھی) ابن رواحہ شاعر کا شعر بطور مثال کے پڑھا کرتے تھے [1] (جس کا مطلب یہ تھا کہ جو باتیں مثلاً بڑھاپا اور مرنا تو اے انسان اس وقت نہیں جانتا زمانہ خود بخود تجھے بتلائے گا) اور بے دام تیرا نوکر (زمانہ) تیرے پاس خبریں (واقعات کی) لائے گا۔ (جن کو دیکھ کر تو خود ہی اپنی ضعیفی اور عاجزی جان لے گا) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب عرب کے شعروں میں سے لبید کا شعر بہت عمدہ ہے [2] (جس کا مطلب یہ ہے کہ) جو چیز اللہ کے ذکر سے خالی ہو وہ باطل ہے اور جو نعمت اللہ کی یاد کے بغیر ہو وہ خراب ہونے والی ہے۔ مترجم کہتا ہے تو غل شعر سے عموماً اچھے ہوں یا برے آپ نے منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شعر سے پیٹ بھرنے کی نسبت قے سے پیٹ بھرنا بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کا بیان:

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول اللہ جب رات کو خوابگاہ میں تشریف لے جاتے تو دائیں ہتھیلی اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر کہتے۔ اے اللہ (چونکہ مجھے یقین نہیں کہ میں اس نیند سے ضرور بیدار ہی ہو جاؤں گا اس لیے دعا کرتا ہوں [3] کہ) جس دن تو اپنے بندوں کو (حساب کے لیے) اٹھائے گا اس روز مجھے عذاب سے بچا لیجو۔ مترجم کہتا ہے آپ کا عذاب الٰہی سے رہائی کے لیے دعا کرنا تعلیم امت کے لیے تھا ورنہ آپ تو یقیناً اپنے کو اللہ کا رسول جانتے تھے اور یَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ آپ کی نسبت خدا کا وعدہ تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سوتے تو کسی قدر خراٹے مارا کرتے تھے۔ (مگر نیند ایسی بھاری نہ تھی بلکہ) بلال رضی اللہ عنہ (مؤذن) اگر نماز کے لیے آواز دیتا تو فوراً اٹھ کر نماز پڑھنے لگ جاتے اور وضو بھی نہ کرتے مترجم

---

[1] ستبدی لك الایام ما كنت جاهلا ویاتیك بالاخبار من لم تزود

[2] كل شیء ما خلا اللّٰه باطل وكل نعيم ما سوى اللّٰه زائل

[3] اصل دعا یہ ہے رب قنی عذابك یوم مبعث عبادك

کہتا ہے لوگوں نے ایک دفعہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سوتے ہوئے میرا دل غافل نہیں ہوتا اسی لیے سونے سے میرا وضو نہیں ٹوٹتا۔

نبی اکرم ﷺ کی عبادت کرنے کا بیان:

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ بوجہ تکلیف کے آپ کے پاؤں بھی پھول گئے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ اتنی تکلیف کیوں گوارا فرماتے ہیں؟ حالانکہ اللہ نے آپ کے سب پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (کیا معافی پر میں مغرور ہو جاؤں) اور اللہ کا شکر گزار نہ بنوں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اول (رات بعد نماز عشاء کے) سو رہتے تھے اور جب قریب صبح کے وقت ہوتا تو آپ تہجد [1] کی نماز پڑھتے۔ پھر بعد فراغت اگر آپ کو اپنی بیوی سے رغبت ہوتی تو پوری کرتے۔ اور جب اذان صبح کی سنتے تو فوراً کھڑے ہو جاتے اگر نہانے کی حاجت ہوتی تو جلدی سے نہا کر اگر حاجت غسل نہ ہوتی تو وضو کر کے نماز صبح کی پڑھنے کو تشریف لے جاتے۔

نبی اکرم ﷺ کی صلوٰۃ ضحیٰ کا بیان:

ایک عورت نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ ''ضحیٰ'' [1] کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں چار رکعت تو ضرور ہی پڑھتے تھے اور زیادہ بھی کبھی پڑھ لیتے۔

---

[1] تہجد کی نماز کی بابت آپ نے بہت ہی تاکیدیں فرمائی ہیں خود تو ہمیشہ پڑھتے رہے۔ اس نماز کی تکلیف سے ہر ایک شخص آگاہ ہے مخالف موافق سب جانتے ہیں کہ ایسی تکلیف کے وقت کے جو علاوہ تکلیف کے لوگوں سے ہر قسم کی علیحدگی کا ہوتا ہے خدا کو یاد کرنا اور اس کے آگے سچے دل سے گڑگڑانا بجز ان لوگوں کے جو اللہ کو اپنا مالک سمجھتے ہوں اور اس پر ایمان کامل رکھتے ہوں کسی کا کام نہیں۔ پھر کیا ہو سکتا ہے؟ کہ ایسا شخص کہ جس کو خدا پر ایمان کامل ہو اور اس کو اپنا مالک متصرف حاکم سمجھتا ہو اور ہر طرح سے اللہ کی عزت کرتا ہو وہی خدا پر ایسا بہتان لگائے کہ ایک معمولی آدمی ہو کر دعوی پیغمبری کا کرے۔ مخالفین اسلام اس میں غور کریں اور آپ کی نبوت کے جھٹلانے سے شرم کو کام میں لائیں۔ ورنہ پچھتائیں گے۔ اور پھر کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اس قدر روزے (نفلی) رکھا کرتے کہ ہم سمجھتے کہ آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے اور پھر ایسے چھوڑتے کہ ہم سمجھتے کہ کبھی نہیں رکھیں گے۔ مترجم کہتا ہے کہ آپ کی عادت شریفہ مختلف تھی کبھی روزہ رکھ لیتے اور کبھی کوئی کام محنت مشقت کا ہوتا تو نہ رکھتے۔ مگر یہ اختیار سوا رمضان کے تھا رمضان تو سارا مہینہ کامل رکھا کرتے تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ اول مہینے کے تین روزے رکھا کرتے تھے اور جمعہ کا روزہ تو بہت ہی کم چھوڑتے تھے۔ مترجم کہتا ہے کہ بعض روایتوں میں اکیلا جمعہ کا روزہ منع آیا ہے اور فرمایا کہ ایک روز پہلے یا ایک روز پیچھے جمعہ کے ساتھ ضرور ملا لیا کرو پس ایسا ہی کرنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ کے قرآن شریف پڑھنے کا بیان:

حضرت کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ کی قراءت ایک ایک حرف علیحدہ ہوا کرتی تھی۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ کی قراءت دراز تھی یعنی جس جگہ مد ہوتی آپ اس کو بخوبی دراز کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کے نماز وغیرہ میں رونے کا بیان:

سیدنا عبداللہ صحابی کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے (میں نے سنا کہ) آپ کے پیٹ سے (بسبب خوف الٰہی کے رونے کی) آواز مثل ہنڈیا کے آرہی تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ایک لڑکی جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی فوت ہوگئی۔ ہم اس کے جنازہ پر آئے اور آپ اس کی قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا اس وقت آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مترجم کہتا ہے اس قسم کا رونا کہ صرف آنکھوں سے بلا اختیار آنسو جاری ہوجائیں۔ شریعت میں منع نہیں بلکہ اس کو رحمت کہا گیا ہے۔ ہاں چلانا اور شور مچانا اور کپڑے پھاڑنا بے شک حرام ہے۔

○ ضحیٰ اس نماز کو کہتے ہیں جو سورج اونچا آنے کے بعد نفل پڑھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے بستر ے کا بیان:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس بستر ے پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے چمڑے کا بنا ہوا تھا اور کھجوروں کے چھلکے اس کے اندر بجائے روئی کے بھرے ہوئے تھے۔ آپ کی بیوی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ کا بستر ہ ایک ٹاٹ کا تھا اسے ہر روز ہم دوہرہ کر دیا کرتے تھے ایک روز ہم نے اس کو (آرام کے لیے) چار تہہ کر کے بچھا دیا۔ پس جب آپ صبح کو اٹھے تو فرمایا آج تم نے میرے نیچے کیا بچھایا تھا ہم نے عرض کی حضرت آپ ہی کا بستر ا تھا مگر ہم نے اسے آرام کے لیے چار تہہ کر دیا تھا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا اسے پہلی طرح (دوتہہ) ہی بچھایا کرو۔ (اس نے تو بہ سبب آرام کے) آج رات مجھے نماز تہجد سے غافل کر دیا۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور انکساری کا بیان:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایسا نہ بڑھا دینا جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح کو بڑھا دیا۔ (کہ بندے سے خدا بنا دیا) میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ کی عادت شریفہ تھی کہ بیمار پرسی بھی کرتے اور جنازوں پر بھی تشریف لایا کرتے اور عربی یابو پر بھی سوار ہو لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے کہ آپ کی دعوت اگر جو کی روٹی اور سڑی ہوئی چربی پر بھی کی جاتی تو فوراً قبول کرتے۔ آپ کی زرع (چند سیر جو کے بدلے میں ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔ انتقال ہونے پر بھی نہ چھوٹی)

نبی اکرم ﷺ کے خلق کا بیان:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ غلط گو اور فحش کہنے والے نہیں تھے اور نہ بازاروں میں بازاریوں کی طرح چلایا کرتے تھے۔ اور نہ برائی کے بدلے میں برائی کرتے ہاں معافی اور درگزر بہت کرتے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ نے سائل کا سوال سن کر ''لا'' یعنی (نہیں) ہرگز کبھی نہیں کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ خیرات دیا کرتے تھے۔ بالخصوص رمضان میں تو ہوا تیز کی طرح خرچ کرنے میں چلتے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ کی

عادت شریفہ تھی کہ کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی عمر کا بیان:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ مکہ شریف میں تیرہ برس رہے اور مدینہ میں دس برس اور جب فوت ہوئے تو آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات کا بیان:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ فوت ہوتے وقت آپ نے میرے سینے سے تکیہ لگایا ہوا تھا۔ اس وقت آپ نے ایک طشت بول کرنے کو منگایا۔ اس میں بول کر کے فارغ ہوئے (تو دعا کرتے کرتے ہی) انتقال ہو گیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے آپ کو مرض الموت میں دیکھا۔ تو آپ کے پاس ایک پیالہ تھا۔ اس پیالہ میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے اور منہ پر پانی پھیرتے اور دعا کرتے کہ اے خدا موت کی تکلیف میں میری مدد کر۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے ایک بات سنی تھی۔ آج تک میں اسے نہیں بھولا۔ کہ آپ ﷺ فرماتے تھے۔ جس جگہ اللہ کو اپنے رسول کا دفن کرنا منظور ہوتا ہے اسی جگہ میں اس کی روح قبض کرتا ہے۔ پس مناسب ہے کہ آپ کو اسی جگہ دفن کرو۔

مترجم کہتا ہے پیارے عزیزو! ان اخلاق کے لکھنے اور پڑھنے سے یہی غرض ہے کہ ان پر عمل ہو صرف زبانی طوطے کی طرح پڑھ لینے سے فائدہ نہیں بزرگوں کا قول یاد کرو۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی چون عمل در تو نیست نادانی

وصلی اللہ علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین
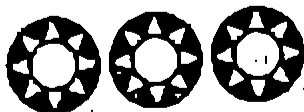
محمد رشی

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابوالوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

ہمارا پیارا وطن "بھارت درش" ایک عظیم ملک ہے جس میں کروڑہا انسان آباد ہیں۔ بھارت درش بنی نوع انسان کے قدیم و جدید پیغمبروں درشیوں ومنیوں وریفارمروں کے پیروکاروں کے لیے ایک بہت بڑے "سنگم" کا مقام ہے یہاں ایک طرف آج بھی اگر رام وکرشن جی جیسے مہا پرشوں کے نغمات معرفت فضا میں ایک عظیم تموج پیدا کر رہے ہیں تو دوسری طرف مہاتما گوتم بدھ جی کی ہدایات کا بھی طوطی بول رہا ہے۔ یہاں اگر زرتشت کے پیروکاروں کی بھی ایک کافی تعداد موجود ہے۔ تو حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کی پاکیزہ ہدایات بھی آج لکھوکھا انسانوں میں ایک حد تک مقبول ومعمول ہیں۔

سلام ہو:

دنیائے انسانیت کے اس آخری عظیم روحانی تاجدار پر جس نے "محمد عربی"۔ فداہ ابی وامی کے مقدس نام سے عالم کون ومکاں میں شہرت غیر فانی پائی۔ اس عظیم پیغمبر ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں کی تقریباً ساڑھے چار کروڑ کی تعداد بھارت درش کی ایک ایسی اقلیت ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت نہ ہضم کرسکتی ہے۔ نہ مٹا سکتی ہے نہ اس کو اس عظیم ملک کے ماضی وحال ومستقبل کی تعمیری روایات میں نظر انداز اور فراموش کیا جاسکتا ہے۔ پس ہمارے دیش کا کلیان اسی میں ہے کہ یہاں جملہ راستباز بانیانِ مذاہب کو ہر شخص عزت واحترام کی نظر سے دیکھے۔ دنیا کے عہد قدیم وجدید میں جتنے بھی رسول نبی رشی منی ریفارمر دنیا میں تشریف فرما ہوئے وہ سب خیر خواہ انسانیت تھے اور آج بھی ان کی مذہبی یادگاریں ویدواوستا توراتِ وانجیل وقرآن وغیرہ وغیرہ ہمارے سامنے جملہ پیغمبروں کی صداقت کا اعلان کررہی ہیں۔ اسی حقیقت کو رسالہ زیر اشاعت "محمد رشی" میں آشکارا کرنے کی ایک ہلکی سی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ ہندیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا

شیخ الاسلام ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری قدس سرہ العزیز کو جنہوں نے بھارت ورش کی زمین پر تقریبا نصف صدی تک یہاں کے مختلف مذاہب میں رواداری و محبت کے لیے ہر ممکن سعی فرمائی اور اپنی ہر ممکن کوشش سے باشندگان ہند کے سامنے اس حقیقت کو واضح کیا کہ حضرت محمد عربی ﷺ بھی اللہ کے سچے راست باز پیغمبروں کے سلسلہ کی ایک نہایت ہی بیش قیمت سنہری کڑی ہیں۔ ان کی تکذیب یا توہین تمام رسولوں، رشیوں، منیوں کی تکذیب و توہین ہے۔ اس سلسلہ میں ''محمد رشی'' نامی مقالہ کو حضرت مولانا کی ایک اہم ترین پاکیزہ یادگار کہا جا سکتا ہے اور اس کی اشاعت پر اراکین تبلیغی کمیٹی مومن پورہ کو مبارکباد دی جا سکتی ہے۔ سیرت مقدسہ کی اس حقیر سی خدمت کو اللہ پاک قبول فرمائے۔ آمین

آج دنیائے انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہی یہ ہے کہ نوع انسان کو عربی پیغمبر کی راست بازی آپ کے اخلاق فاضلہ آپ کی بلند ترین تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔ مگر یہ کس قدر افسوس ناک حقیقت ہے کہ بیشتر مسلمان ہر سال مجالس میلاد مروجہ یا عید میلاد النبی کی خودساختہ تقاریب پر صدہا روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں جس کا بیشتر حصہ صرف ظاہری نمائش پر صرف ہو جاتا ہے۔ اور پھر کافی رقم پیشہ ور غزل خوانوں اور قصہ گو واعظوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ کاش یہی روپیہ پیغمبر اسلام کی سیرت مقدسہ کی اشاعت پر خرچ ہوتا۔ اردو۔ انگریزی۔ ہندی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ بنگالی۔ تامل۔ کنٹری۔ ملیالم وغیرہ زبانوں میں آپ کی پاکیزہ تعلیمات کو شائع کر کے باشندگانِ ملک کو آپ کے مقدس مشن سے آگاہ کیا جاتا۔

اے برادران اسلام:

آنکھیں کھولو، حقیقت کو سمجھو، قرون اولیٰ کے مسلمان جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے سچے فدائی تھے ان میں مجالس میلادِ مروجہ اور عید میلاد النبی جیسی تقاریب کا رواج نہیں تھا۔ خود سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزہ زندگی میں بھی ان تقاریب کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر آپ نے یہ حق کہاں سے حاصل کر لیا۔ کہ آپ اسلام کے نام پر روزانہ نت نئی تقاریب ایجاد کرتے جائیں اور ان کو خواہ مخواہ اسلام کے سر منڈھتے چلے جائیں۔ یاد رکھیے جو پیر مشائخ ملاّ ان خودساختہ رسموں

میں الجھا کر آپ کو آپس میں لڑا رہے ہیں یہ اسلام کے وہ نادان دوست ہیں جن کے ہاتھوں آج اسلام نالاں ہے۔ آپ اگر اسی طرح اسلام کے ان نادان دوستوں کے ہاتھوں کھیلتے رہے اور اپنی قوت کو آپس ہی میں لڑ بھڑ کر پاش پاش کرتے رہے تو یاد رکھیے قدرت کا زبردست ہاتھ آپ کو حرف غلط کی طرح دنیا سے مٹا دے گا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

محمد داؤد راز

مومن پورہ۔ بمبئی

یکم ربیع الاول ۱۳۷۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم

دیباچہ

ہم مسلمانوں کا دعوٰی ہے کہ دنیا میں خدا تعالٰی کی طرف سے مختلف اوقات میں بشیر ونذیر آتے رہے۔ جو دنیا کے لوگوں کو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں وعظ ونصیحت کرتے رہے۔ جن کو نبی۔ رسول ۔ رشی۔ منی۔ ولی ۔شہید۔ وغیرہ ناموں سے آج دنیا موسوم کرتی ہے۔ اس سلسلہ کے سب سے بڑے نبی یا رشی بلکہ مہا رشی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو اللہ کے حکم سے دین اسلام کو دنیا میں پھلانے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ عرب کے مشہور شہر مکہ شریف میں ۲۲ اپریل ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ نیک بختی اور پارسائی کے ساتھ جب ۴۰ سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ کو سلسلہ نبوت کا سرتاج بنایا گیا۔ آپ نے اللہ کے حکم سے اس بات کا اعلان فرمایا کہ پہلے نبیوں' رشیوں نے میرے آنے کی خبر دی ہے۔ اَلَّذِی یَجِدُوْنَہٗ مکتوباً عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ یعنی محمد رشی نبی کا ذکر توریت انجیل وغیرہ میں لکھا ہے۔ موجودہ توریت وانجیل وغیرہ میں گو انسانی کلام کی ملاوٹ نظر آتی ہے تاہم ان میں کلام الٰہی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اسی طرح وید میں گو مختلف قسم کے اشعار ہیں جو مختلف متکلموں کے مختلف خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم ان میں بھی اصلیت کا نشان ملتا ہے سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت محمد رشی ﷺ کی بابت وید میں بھی خبر ملتی ہے۔ اس مضمون پر کئی علماء نے رسالے لکھے ہیں۔ سب سے آخری رسالہ اس بارے میں مولانا ابراہیم سیالکوٹی کا بشارات محمدیہ ہے۔ جس کو زمانہ رواں کی ضرورت کے مطابق اختصار کرکے ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

نوٹ:۔ اس رسالہ میں ہم نے صرف وید۔ توریت۔ اور انجیل تینوں کتابوں سے پیشگوئیاں نقل کی ہیں۔

فیصلہ کن صورت:

آج کل [1] ہندوستان میں بڑے تینوں مذہبوں میں سخت مقابلہ ہو رہا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر ان مذاہب کے حامی محض خدا کے لیے مقابلہ کرتے ہوں گے۔ تو یہ رسالہ ان کے لیے بہت مفید ہوگا کیونکہ ہر مذہب کی جڑ بنیاد ان کے مُلہم کی راستی ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اس کا مذہب سچا ہے نہیں تو نہیں۔ چونکہ ان پیشگوئیوں سے ثابت ہوگا کہ حضرت محمد رشی [2] ﷺ اللہ کے ملہم ہیں اس لیے ان کا مذہب (اسلام) بھی سچا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

خادم دین اللہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری

---

[1] اگرچہ یہ ۳۴ سال پہلے کا ذکر ہے مگر حال اب بھی ہی ہے ۱۲ منہ

[2] رشی کے معنی ہیں بزرگ مقدس ۱۲ منہ

حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئی

"سام وید میں"

آپ کا نام مبارک خاص طور پر ذکر کر کے اس طرح کی گئی ہے:۔

۱۔ وہ ہر مقدس رسم کا مربی

۲۔ رعد والا

۳۔ نہایت تعریف کیا گیا "اندر"

۴۔ قلعوں کا توڑنے والا۔ جوان۔ عقیل۔ بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا۔

۵۔ تو نے اے پتھر رکھنے والے والا کے گایوں سے مالا مال گڑھے کو پھاڑا! یہ دیوتا دباتے ہوئے تیرے پہلو میں آئے اور خوف سے آزاد ہو کر انہوں نے تیری مدد کی۔

۶۔ انہوں نے دعا کے بھجنوں کے ساتھ اس اندر کی شان بیان کی جو اپنی قوت سے حکومت کرتا ہے۔ جس کے ہزاروں بلکہ اس سے بھی کہیں کثرت سے عطیے آتے ہیں"

(سام وید۔ دوسرا حصہ۔ باب پنجم۔ فصل اول۔ پر پاٹھک بستم ص ۱۲۵) مترجم بابو پیارے لال صاحب زمیندار بروٹھا مطبوعہ ودیا ساگر پریس۔ بروٹھا ضلع علیگڑھ ۱۸۹۷ء)

اس عبارت میں جس قدر اوصاف و کمالات ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب پورے حضرت محمد رشی میں پائے جاتے ہیں۔ اور آپ کے سوا کوئی اور شخص ایسا نہیں جس میں یہ سب وصف اجتماعی طور پر پائے جائیں۔ نہ آپ سے پہلے ہوا نہ بعد۔ لہٰذا اس بشارت و تعریف کا مصداق آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہم ان اوصاف کا آپ میں پورا پورا پایا جانا ثابت کرتے ہیں اس عبارت میں ممدوح کا وصفِ اول یہ بیان کیا گیا ہے:۔

ہر مقدس رسم کا مربی:

اس وصف کو ہم کامل طور پر آپ میں دیکھتے ہیں اور منکرین بھی شہادت دیتے ہیں کہ آپ ہر نیک اور پاک رسم کی تائید اور اشاعت کرنے والے تھے نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر بھی کر کے

دکھانے والے تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں ہر بری رسم کی مذمت کرنے والے بلکہ مٹانے والے تھے ملک عرب کو جملہ خرابیوں سے حضرت محمد رشی نے پاک صاف کر کے خدائے قدوس کے دربار میں ان کو جھکا دیا۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے۔

سو واضح ہو کہ نیکی کا سب سے اعلیٰ رکن توحید الٰہی ہے (ذات میں، صفات میں، اور استحقاق عبادت میں) اس کے جاری اور قائم کرنے اور اس کی ضد یعنی شرک کے مٹانے میں جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی۔ اس کی نظیر کہیں نہیں پائی گئی۔ اس کے تعلیمی ثبوت کے لیے قرآن شریف کا مطالعہ کرو۔ جو توحید کی تعلیم اور شرک کی مذمت سے بھرا پڑا ہے۔ اور عملی ثبوت کے لیے آپ کا اطمینان خاطر اور حضور قلب سے نماز پڑھنا اور امت میں اس عادت کو تاکیدی طور پر چھوڑنا کافی ثبوت ہے۔ اور شرک کے مٹانے کا عملی ثبوت مانگو تو فتح مکہ پر آپ کا اپنے دستِ مبارک سے بتوں کو توڑنا اور کعبۃ اللہ کو ان سے خالی کر کے اسے عبادتِ الٰہی کے لیے خالص کرنے کو دیکھ لو۔

نیکی کا دوسرا رکن اخلاقِ فاضلہ ہیں اور ان کا ظہور یا تو اپنی عادات میں ہوتا ہے یا دوسروں کے تعلقات و معاملات میں۔ سو اس کے متعلق بھی آپ ﷺ نے ہر پہلو سے کامل تعلیم کی۔ اور خود عملی طور پر کر کے دکھا دیا۔ مثلاً صدق و دیانت' عفت و حیا' جود و سخا' علم و تواضع' شفقت و رحمت' عفو و کرم ماتحتوں اور زیر دستوں سے رفق و ملائمت' مظلوموں کی دادرسی' یتیموں کی پرورش' بیوگان کی خبر گیری' دوستوں اور دشمنوں سے کشادہ پیشانی اور فراخدلی سے پیش آنا۔ معاملات میں دوست و دشمن ہر دو کے ساتھ عدل و انصاف برتنا۔ جانب حق کی رعایت کرنا۔ ناحق پر کسی کا ساتھ نہ دینا۔ دشمنوں سے سلوک و مہربانی۔ دوستوں کی مدارات و خاطر داری۔ بحث و مناظرہ میں محض اصلاح خلق کو مدنظر رکھنا۔ خود سخت زبانی سے پرہیز کرنا اور دوسرے کی سختی کو بڑے حوصلے سے برداشت کرنا۔ سب سے شیریں زبانی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ برائیوں سے نفرت، بے حیائیوں سے کراہت۔ جبر و تعدی سے پرہیز۔ غرض جملہ اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ صالحہ کی تعلیم کامل طور پر حضرت محمد رشی نے فرمائی۔ اور خود پورے طور پر اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ ایسا کہ اس وقت سے آج تک مخالفین کو بھی سوائے تسلیم کے کوئی راہ نہ ملی۔ تفصیل کیلئے ہماری کتاب ''اخلاق محمدی'' کا مطالعہ کریں۔ سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ مقدس کا دوسرا وصف۔

رعدوالا:

ہونا بیان کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا صاحب سیاست و بارعب ہوگا کہ مخالفین اس سے دبیں گے۔ اور خوف کھائیں گے۔ اور رعد کی طرح دور دور تک اس کی ہیبت ہوگی۔ یہ وصف بھی آپ میں کامل طور پر پایا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر ظاہر ہے کہ آپ نہایت شجاع، بہادر اور جوانمرد تھے اور مقابلہ کے وقت مخالفین پر آپ کا رعب و خوف چھا جاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جن لوگوں کو آپ سے نہایت بے تکلفی اور اکثر صحبت رہتی۔ مجلس میں وہ بھی آپ سے ہیبت کھاتے۔ حالانکہ آپ نہایت شیریں زبان اور نرم طبع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شجاع اور جری مرد کے کئی واقعات ایسے ہیں جن سے یہ امر بخوبی ظاہر ہے اور یورپ کے مصنفین نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ مقدس کے لیے تیسرا امر یہ ذکر کیا گیا ہے۔

نہایت تعریف کیا گیا:

اس امر پر ہم کو زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو ترجمہ آپ کے نام پاک محمد ﷺ کا ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ مصدر تحمید سے جس کے معنی ہیں بہت تعریف کرنا۔ پس محمد اسم مفعول کے معنی ہوئے ''نہایت تعریف کیا گیا''۔

کیا اس سے زیادہ وضاحت اور صفائی سے بھی کوئی امر بیان ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کی تعریف و تعیین کے لیے اس کا نام اور اوصاف ہر دو امر ذکر کیے جائیں۔ تاکہ اگر کوئی دوسرا شخص نام میں شریک ہو تو وہ مقصود شخص اپنے اوصاف کے سبب متمیز ہو جائے اور اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف کسی دیگر میں بھی پایا جائے اور کسی کو پہچان و عرفان میں التباس و اشتباہ واقع ہو تو نام کی تعین سے معلوم ہو جائے۔

اب ہم تمام ہندوؤں خصوصاً مذہبی تحقیق میں دم مارنے والے آریہ صاحبان سے نہایت محبت سے پوچھتے ہیں کیا وہ مخلوق میں سے حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا شخص بتا سکتے ہیں جس کا نام محمد (بہت تعریف کیا گیا) ہو۔ اور اس میں جمیع کمالات و صفات مذکورہ سام وید

پائے گئے ہوں یا پائے جاتے ہوں

بس تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اگر تلاش کرنے اور علم کی تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے پر ان کو کسی ایسے شخص کا پتہ نہ ملے اور ہم بالکل یقین سے کہتے ہیں کہ ان کو ہرگز ہرگز نہیں ملے گا تو ان کو چاہیے کہ اس برگزیدہ ہستی کو جس کی بشارت وتعریف اور اسم گرامی وہ اپنی اس کتاب میں پاتے ہیں جسے وہ سب سے پرانی اور ابتدائے دنیا سے اور خدا کی طرف سے الہامی مانتے ہیں بڑی خوشی سے قبول کرلیں گے۔ اور حضرت محمد ﷺ رشی پر صدق دل سے ایمان لاکر اور آپ کا اتباع و اطاعت کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں۔

مراد ما نصیحت بود کر دیم حوالت با خدا کر دیم ورفتیم

اندر:

سام وید کی عبارت میں اس مقدس برگزیدہ کی صفت میں تیسرا لفظ جس کے معنی ہیں صاحب اقبال۔ حضرت محمد رشی کا صاحب اقبال ہونا ایسا ظاہر اور روشن ہے کہ مخالف موافق ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے۔ اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات ولادت سے وفات تک ایسے صحیح طور پر ثابت اور مشہور ہیں کہ آج تک کسی شخص کی سوانح عمری اس تفصیل کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔ یتیمی کی حالت میں پرورش پانا اور پھر تبلیغ احکام الٰہی کے باعث رشتہ داروں اور ہم وطنوں کا دشمن ہو جانا۔ طرح طرح کی اذیتیں سہنا اور آخر کار اپنے ارادہ میں کامیاب ہونا۔ اور فتح مکہ پر مخالفین کا مغلوب ہو کر آپ ﷺ سے عذر خواہی کرنا۔ اور آپ کا سب کو معاف کر دینا۔ اور اپنی زندگی میں عرب کے سرداروں اور شہزادوں کا اپنے فرمان کا مطیع ومنقاد دیکھ لینا۔ اور دور تک آپ کا رعب چھا جانا اس صفت ''اِندر'' [1] کو آپ کے حق میں صاف ثابت کررہا ہے۔ لہٰذا زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

[1] ''اِندر'' سے مراد یہاں خدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ جو ''ان'' کا لفظ بھی ہے جو خدا کی شان میں نہیں آسکتا۔

سوامی دیانند جی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب میں اسماء الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے "اندر" بھی اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ذکر کیا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ سب سے بڑھ کر جاہ وحشمت والا ہے شاید کوئی یہ کہہ دے کہ اس عبارت سم وید میں جس پر ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اندر سے مراد خدا تعالیٰ ہے لہٰذا اس شبہ کو دور کرنا ضروری ہوا۔

سوامی دیانند جی نے اسی باب کے شروع میں اس سوال کے جواب میں کہ خدائے تعالیٰ کی صفات کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو لغت کی رُو سے دیگر اشیاء پر بھی مستعمل ہو سکتے ہیں تو ہم کسی موقع پر اس صفت کو اللہ تعالیٰ سے کس طرح مخصوص کر سکتے ہیں۔ بیان کیا ہے کہ جس لفظ کے کئی معنی ہوں اس کو ایک معنی میں خاص کرنے کے لیے سلسلۂ کلام اور قرائن پر نظر کرنی چاہیے۔ اور جیسا موقع ہو ویسے معنی مراد لینے چاہئیں۔ سوامی جی کا یہ بیان معقول ہے اور ہم کو اس سے اتفاق ہے۔ پس ہم اس عبارت سام وید میں بھی اسی قاعدہ بیان کردہ سوامی جی سے ثابت کرتے ہیں کہ اس عبارت میں پہلی دفعہ جو لفظ "اِندر" آیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں۔ بلکہ اس کی مخلوق میں سے کوئی برگزیدہ صاحبِ اقبال شخص مراد ہے اور دوسری دفعہ جو لفظ اندر وارد ہوا ہے بے شک اس سے خدا تعالیٰ مراد ہے کیونکہ اول تو اس اندر کی صفت میں اس سے آگے جوان کہا گیا ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ اس کی مخلوق میں سے کسی کی ہو سکتی ہے۔ دوم اس لیے کہ اس کی صفت میں کہا گیا ہے "بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا" اور یہ صفت ہمارے مدعا کو ایسا صاف ثابت کرتی ہے کہ محتاج تفصیل نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ سب کا پیدا کرنے والا ہے نہ کے پیدا کیا گیا۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ (پ۲۴۔ زمر)

یعنی اللہ ہی سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر شے کا کارساز ہے۔

اس بیان سے صاف ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر لفظ "اندر" سے مخلوق خدا میں سے کوئی شخص ہے اور چونکہ پچھلے بیان میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں۔ اس لیے آپ کے سوا اور کوئی مراد نہیں ہو سکتا۔

قلعوں کوتوڑنے والا:

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی پانچویں صفت ''قلعوں کوتوڑنے والا'' بیان کی گئی ہے۔یہ صفت بھی حضرت محمد رشی ﷺ کو پوری پوری حاصل ہے۔کیونکہ آپ نے عرب کے ایسے محکم قلعے فتح کیے جو کبھی بھی کسی سے فتح نہ ہو سکتے تھے۔اوران قلعہ گزینوں کو بھی اپنے قلعوں کی مضبوطی اور رستوں کی دشوار گزاری اور کبھی بھی کسی سے فتح نہ ہونے کی وجہ سے ایسا گھمنڈ اور گمان تھا کہ وہ کبھی بھی مفتوح نہیں ہوسکیں گے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں خیبر (عرب) کے محکم قلعوں اوران کے رہنے والے اہل کتاب کے گمان بلکہ ان کی مضبوطی کی نسبت خود مسلمانوں کے خیال کو اس طرح بیان کیا ہے۔

هُوَالَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْامِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَا نِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَاَتَا هُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔ (حشر پ ۲۸۔ ع ۱)

''وہ خدا ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے لیے نکال باہر کیا۔مسلمانو!تم کو تو گمان بھی نہ تھا کہ وہ کبھی نکلیں گے اور وہ بھی اس خیال میں تھے کہ ان کو (خدا کی پکڑ) سے بچالیں گے۔تو جدھر سے ان کو گمان بھی نہ تھا خدا کے لشکر نے ان کو آلیا۔اوران کے دلوں میں (مسلمانوں کی) دھاک ڈال دی۔کہ لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے۔تو اے لوگو!جن کی آنکھیں ہیں (اس واقعہ سے) عبرت پکڑو۔''

جوان:

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی نسبت چھٹا وصف اس کا ''جوان'' ہونا بیان کیا گیا ہے۔اوراس سے مراد جوانمرد اور شجاع اور دلاور اور بہادر ہوتا ہے۔کیونکہ جوانی کی عمر کو پہنچنا کوئی

کمال نہیں۔ بلکہ لوازماتِ جوانی یعنی شجاعت۔ بہادری اور جوانمردی و دلاوری اور بلند ہستی و استقلالِ مزاج اور مصائب میں ہمت نہ ہارنا اچھے اوصاف اور قابل مدح کمالات ہیں اور یہ سب صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے۔ حضرت محمد ﷺ رشی کی شجاعت کے اثبات میں صرف اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ بہت سی جنگوں میں آپ بہ نفسِ نفیس شامل ہوتے رہے۔ اور بڑی جوانمردی سے مخالفین کے مقابلے میں قائم رہتے رہے اور کبھی بھی پسپا نہ ہوئے اور استقلالِ مزاج اور بلند ہمتی تو ایسی عیاں ہے کہ محتاجِ بیان نہیں۔ کیونکہ قوم اور ہم وطنوں کی مخالفت اور ہر روز کی اذیت و تکلیف رسانی سے گھبرا کر کبھی بھی آپ اپنی ڈیوٹی تبلیغ حق سے قاصر نہیں رہے۔ اور اس امر کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے اور تسلیم کیوں نہ کریں۔ واقعات اور آخر کار آپ کا اپنے جملہ مقاصد میں کامیاب ہونا اور اپنے دستِ مبارک سے اسلام کا تخم لگا کر اس کے درخت کو زندگی ہی میں بار آور دیکھ لینا مخالفوں کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ امید ہے منکرین انصاف سے غور کریں گے۔

عقیل:

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی ساتویں صفت ''عقیل'' بیان کی گئی ہے۔ عقل خدا کی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور جس کسی پر یہ نعمت زیادہ ہو وہ اپنے ہم جنسوں میں زیادہ ممتاز ہوتا ہے۔ عقل کے متعلق دو قوتیں ہیں۔ ایک علمی دوسری عملی۔ بعض میں علمی قوت غالب ہوتی ہے اور عمل میں قاصر ہوتے ہیں بعض میں عملی قوت تو غالب ہوتی ہے لیکن وہ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان ہر دو وصف میں کامل ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کے حکمت آموز کلمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور دانائی کے گر ہیں۔ اور آپ ﷺ کی عملی زندگی کی پوری کیفیت آپ کی زندگی کے حالات مطالعہ کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا:

سام وید کی عبارت میں اس مقدس برگزیدہ کی آٹھویں صفت ''بے اندازہ قوت کا پیدا کیا

گیا'' ہے۔آپ اس وصف میں بھی پورے تھے۔اور کبھی بھی آپ نے بزدلی اور کسل مندی ظاہر نہیں کی۔اور کسی کام سے عجز وضعف کا عذر نہ کیا۔ بلکہ حضرت کی پاک زندگی میں ایسے ایسے واقعات بھی ثابت ہوئے ہیں کہ جس کام سے عرب کے بہادر لوگ عاجز آگئے ہیں۔اور آپ نے اسے پورا کر دکھایا ہے۔ چنانچہ غزوۂ خندق میں جس کا بیان سام وید کی اس عبارت میں ہے اور اس کی تفصیل ابھی آئے گی۔ خندق کھودنے کے موقع پر ایک جگہ زمین کا پتھریلا ٹکڑا ایسا سخت نمودار ہوا کہ لوگ کام کرنے سے عاجز آگئے۔ آپ ﷺ کے پاس اس بات کا ذکر کیا گیا آپ ﷺ نے بڑی دلیری سے فرمایا اَنَا نَازِلٌ یعنی میں آتا ہوں۔ پس باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کو تین روز کا فاقہ تھا آپ نے کدال (کھودنے کا آلہ) پکڑ کر ایسی ضربیں لگائیں کہ وہ پتھریلا ٹکڑا ریت کی طرح چور چور کر دیا۔اسی طرح آپ کے کئی واقعات ہیں۔جن کے ذکر سے خوف طوالت ہے اور بوجہ مسلم کل ہونے کے محتاج بیان نہیں۔

پتھر رکھنے والا:

سام وید کی عبارت مذکورہ میں اس برگزیدہ خدا کو ''پتھر رکھنے والا'' کر کے پکارا گیا ہے۔ جو آپ ﷺ کے حجر اسود کے نصب کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی اور اس میں آپ کی دانائی اور عقلمندی کا ثبوت ہے۔اور وہ اس طرح ہے کہ کعبۃ اللہ کی عمارت ایک سیلاب اور طوفان کے سبب منہدم ہوگئی تھی اس لیے قوم قریش نے اسے ازسرنو تعمیر کرنا چاہا۔ جب عمارت حجر اسود تک پہنچی تو ان میں اس بات کی تکرار ہوئی کہ حجر اسود کو کون رکھے۔اس مبارک کام میں فخر حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کا جی للچایا۔اور زبانی تکرار سے نوبت دست وگریبان تک پہنچی۔ اور ہر فریق دوسرے کو جنگ میں طلب کرنے لگا۔ حتیٰ کہ قبیلہ بنی عبدالدار نے مرجانے اور ڈھیر رہ جانے پر قسم کھالی۔ آخر کار جوش وخروش فرو ہونے پر رفع تنازعہ کے لیے یہ قرار پایا کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں حاضر ہو وہی حجر اسود کو نصب کرے۔

شب انتظار دراز ہوگئی اور امید سبقت سے رات بھر ہر شخص کا سینہ دھڑکتا رہا۔ ناگاہ سب سے

پہلے وہی آفتاب ہدایت و برکت مشرق کامیابی و سبقت سے مسجد حرام میں چڑھا نظر آیا۔ سب لوگ مارے خوشی کے ھٰذا الامین کے نعرے مارنے لگے۔ اور اپنی رات بھر کی جوشیلی آرزوؤں اور سینہ کوب ولولوں کے پورا نہ ہونے کو یک قلم بھول گئے۔ اس خوشی کے اظہار کے لیے قریش کے جو الفاظ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب ''محمد اینڈ اسلام'' میں اس واقعہ کے متعلق بیان کیے ہیں ہم ان کی نقل سے نہیں رک سکتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"Lo it is the faithful one! they cried, we are content"

''اہا! یہ تو امین صاحب ہیں۔ ان پر ہم سب راضی ہیں۔''

حضرت محمد رشی نے اپنی زیرکی اور فراخ حوصلگی کے ثبوت کے لیے ایک چادر بچھائی۔ اور حجر اسود کو اس پر رکھ کر جوشیلے عربوں سے کہا کہ تم میں سے ہر قبیلہ کا ایک ایک بزرگ شخص اس کو اٹھائے۔ پس اس پسندیدہ خوش تدبیر سے سب نے بخوشی خاطر چادر کو پکڑ کر حجر اسود کے رکھنے کی بلندی تک اٹھایا۔ اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ خاص سے اسے نصب کیا۔

اس مبارک صبح کو کعبۃ اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے تشریف لانا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا۔ بلکہ اٹل اور غیر مبدل تقدیر کا مقرر کیا ہوا تھا۔ اور یہی معاملہ بہ ہیئت وقوعی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدمہ تھا۔ کیونکہ قوم کی قیل وقال اور جنگ وتکرار سے ان کی اخلاقی حالت ظاہر ہو رہی ہے اور آپ کے سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں آنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سوائے آپ کی ذاتِ بابرکات کے اس کار خیر کو انجام دینے کے لائق اور کوئی نہ تھا۔ اور پتھر رکھنے کے وقت جو آپ نے سب کو خوش کر کے اس کام میں اپنا شریک بنالیا اس میں راز مضمر تھا۔ کہ آخر کار یہ جنگجو اور لڑاکے عرب آپس میں بھائی بھائی اور شیر و شکر ہو کر توحید الٰہی کے پھیلانے میں آپ کے معاون و مددگار ہو جائیں گے۔ اور حجر اسود کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست خاص سے رکھا تو اس کے معنی توحیدِ الٰہی کا بنیادی پتھر رکھنے کے تھے، اور اس میں اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی بات یہی ہے کہ مشرک نجس ہیں پس وہ اس سال کے بعد مسجد کعبہ کے نزدیک نہ آنے پائیں اس کے جلالی اعلان کا بھی ایک معنی سے اشارہ تھا۔

اس بیان سے آپ کی صفت ''پتھر رکھنے والا'' بخوبی ثابت ہے۔ اور یہ تاریخی واقعہ ایسا مسلّم و

مشہور ہے کہ مورخین اسلامی وغیر اسلامی سب متفق ہیں۔

گڑھے کا کھودنا:

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی نسبت اس کا ایک وصف "گڑھے کا کھودنا" بھی مذکور ہے۔ جس سے دشمنوں سے بچاؤ اختیار کرنے کے لیے خندق کا کھودنا مراد ہے۔ کیونکہ اس برگزیدہ خدا کے اوصاف مذکورہ بالا جنگی کمالات ہیں۔ شاہی جنگوں میں ضرورت کے وقت خندق کا کھودنا سب کو معلوم ہے۔

یہ بھی حضرت کے حق میں ثابت اور مورخین کے نزدیک مسلّم ہے۔ چنانچہ ۵ ھ میں جب ابوسفیان نے یہود بنی نضیر کی سازش سے دس ہزار کے لشکر جرار سے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا اور شہر کے یہود بنی قریظہ بھی عہد و پیمان توڑ بیٹھے اور منافقین کی طرف سے بھی یہ خطرہ تھا کہ مخالفین کا ساتھ دے کر ان کو شہر کے غیر محفوظ مقامات بتا دیں گے، تو حضرت ﷺ نے شہر کی حفاظت کے لیے ایک خندق کھودنے کا حکم کیا۔ جس کا ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے دشمنوں نے ہر چند حملے کیے مگر ہر دفعہ ناکام رہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کی امداد کے لیے فرشتے نازل کیے۔ اور تند باد کا ایک ایسا بھاری طوفان بھیجا کہ ابوسفیان محاصرہ اٹھا کر رات ہی کو بھاگ نکلنے پر مجبور ہوا۔

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدۂ خدا کی تعریف اس طرح سے بھی کی گئی ہے:

"یہ دیوتا دباتے ہوئے تیرے پہلو میں آئے' اور خوف سے آزاد ہو کر انہوں نے تیری مدد کی' انہوں نے دعا کے بھجنوں کے ساتھ اس اِندر کی شان بیان کی جو اپنی قوت سے حکومت کرتا ہے۔ جس کے ہزاروں بلکہ اس سے بھی کثرت سے عطیے آتے ہیں۔"

دیوتا پاک باطن اور بزرگ لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور مراد حضرت محمد ﷺ رشی کے اصحاب؄ ہیں جنہوں نے ہر طرح سے آزاد ہو کر کھلے میدان میں آپ کی مدد کی۔ اور جنگوں میں دعائیں اور تکبیریں اور خدا تعالیٰ کی تعریفیں کہیں اور یہ امر ایسا ظاہر و باہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور مشہور عام ہونے کی وجہ سے محتاج بیان نہیں۔ چونکہ یہ سب امور جنگ کے متعلق ہیں اس لیے خدا کے عطایا سے مال غنیمت مراد ہے۔ اور یہ امر بھی آپ کے حق میں ایسا عیاں ہے کہ

مخالفین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

خدا کے فضل و توفیق سے ہم نے سام وید کی عبارت مذکورہ کا مصداق ہونا حضرت محمد رشی کو بہت صفائی سے ثابت کر دیا ہے۔ اور تاویل و کھینچ تان اور کسی کے تعصب کو راہ نہیں دی۔ اگر کسی ویدک دھرمی کو اس کے ماننے میں تامل ہو تو وہ اس عبارت مذکورہ کی صحیح تفسیر بیان کر دے۔ ہم اس پر غور کریں گے' انشاء اللہ!

حضرت محمد ﷺ رشی کی بابت پیشگوئی تورات میں

تورات جو آج کل بائبل کے مجموعہ میں سب سے پہلے ہے اس کے پانچ حصے ہیں جن کو پانچ کتابیں کہا جاتا ہے۔ ان میں سے پانچویں کتاب میں جس کا نام استثناء ہے لکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔ اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں مجمع کے دن مانگا۔ اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں' اور ایسی شدت کی آگ پھر دیکھوں تا کہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کہ کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔"
(باب ۱۸)

اس عبارت میں چند باتوں پر غور کرنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے۔

۱۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے وہ رسول پیدا ہوگا۔

۲۔ وہ رسول حضرت موسیٰؑ جیسا ہوگا۔

۳۔ جو اس رسول کو نہ مانے گا خدا اس کو پوچھے گا۔

پہلی بات کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد دوشاخوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔

۱۔ بنی اسرائیل ۲۔ بنی اسمٰعیل۔ بوجہ مورث اعلیٰ ایک ہونے کے یہ دونوں خاندان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی کہلانے کا حق رکھتے تھے۔ اور کہلاتے بھی تھے۔ اس لیے بنی اسمٰعیل میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اس پیش گوئی کا صدق ہے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت اور باسیاست نبی تھے۔ اسی طرح سے حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم بھی باشریعت اور صاحبِ حکومت نبی تھے۔

۳۔ نمبر سوم کا ثبوت بھی صاف ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِمَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (پ ۴)

"یعنی جو کوئی اس رسول (حضرت محمد رشی) سے منہ پھیرے اور مومنین کی راہ کے سواء اور راہ چلے تو جدھر کو وہ جائے گا ہم بھی اس کو ادھر ہی روانہ کر دیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے۔ وہ بری جگہ ہے"۔

اس آیت قرآنی اور تورات کی مرقومہ عبارت کا مطلب ایک ہی ہے جس کو شیخ سعدی مرحوم نے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ۔ (not printed)

پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ ﷺ

فیصلہ آسان:

عیسائیوں کو ہماری اس تقریر میں اختلاف ہوا اور وہ اس عبارتِ منقولہ کو حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہ جانیں بلکہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے حق میں بتادیں تو ان کے ساتھ فیصلہ کی آسان صورت ہے۔

حضرت مسیحؑ کے دنیا سے جانے کے بعد مسیحؑ کا شاگرد پطرس حواری اپنے زمانے کے لوگوں کو بطور نصیحت کہتا ہے "پس توبہ کرو۔ اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں۔ تاکہ خداوند کے

حضور سے تازگی بخش ایام آئیں۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے لیے رہے۔ اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آئیں کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اس نبی کی نہ سنے قوم میں سے نیست کیا جائے گا۔ بلکہ سب نبیوں نے سموئیل سے لے کے پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے ہو۔ جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے۔ جب ابراہامؑ سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پائیں گے۔ تمہارے پاس خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو اٹھا کے پہلے بھیجا کہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کے برکت دے۔" (رسولوں کے اعمال باب ۳)

اس عبارت میں اس پیش گوئی کا ذکر ہے جو ہم نے تورات سے نقل کی ہے نہ صرف ذکر ہے بلکہ اس پیش گوئی کے انتظار کرنے کا حکم بھی ہے مطلب عبارت مرقومہ کا یہ ہے۔ پطرس کہتا ہے کہ جناب مسیح کا دوبارہ دنیا میں تشریف لانا ان واقعات کے پورا ہونے پر موقوف ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام نے بطور پیش گوئی کے فرمائے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ نبی جس کی بابت حضرت موسیٰ نے خبر دی تھی آجائے۔ اس کلام سے صاف ثابت ہے کہ تورات کی پیش گوئی کے مصداق حضرت مسیح نہیں بلکہ ان کے سوا وہ نبی ہے جو جناب مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے سے پہلے دنیا میں آئے گا۔ اور وہ حضرت محمد رشی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّد

حضرت محمد ﷺ رشی کے حق میں پیش گوئی انجیل میں

عیسائیوں اور یہودیوں کی مجموعہ کتابوں کا نام "بائبل" ہے۔ اس میں وہ حصہ جسے یہودی اور عیسائی دونوں مانتے ہیں "پرانا عہد نامہ" کہلاتا ہے۔ اور دوسرا حصہ جسے خاص عیسائی مانتے ہیں اس کا نام "عہد جدید" ہے۔ جس میں چار انجیلیں ہیں، جن کے یہ نام ہیں: انجیل متی۔ انجیل

مرقس۔انجیل لوقا۔انجیل یوحنا۔

عیسائی ان چاروں انجیلوں کو الہامی مانتے ہیں۔ان میں سے چوتھی انجیل کے سولھویں باب میں حضرت عیسیٰ مسیح کے الفاظ درج ذیل ہیں جو یہ ہیں۔

"میں تمھیں سچ کہتا ہوں کہ تمھارے لیے میرا جانا ہی فائدہ ہے۔کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تمھارے پاس نہ آئے گا۔پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا۔گناہ سے اس لیے کہ دے مجھ پر ایمان نہیں لائے۔راستی سے اس لیے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں۔اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔عدالت سے اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گی۔لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گی۔وہ میری بزرگی کرے گی۔۔۔"

(انجیل یوحنا باب ۱۶)

اس عبارت میں جناب مسیح نے آنے والے نبی کے جتنے نشان بتائے ہیں وہ سب کے سب حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہیں اور کسی پر نہیں۔اس پیشگوئی کے تین حصے ہیں۔

۱۔ تسلی دینے والا ۲۔ جناب مسیح کے منکروں کو راستی سے تقصیروار ٹھہرانے والا

۳۔ دنیا کا سردار ۴۔ عدالت سے مجرموں کو سزا دینے والا

۱۔ پہلی بات کا ثبوت تو صاف ہے کیونکہ حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کئی جگہ قرآن مجید میں بشیر کا لفظ آیا ہے۔اور بشیر کے معنی میں تسلی دینا داخل ہے۔کیونکہ اس کا اصلی ترجمہ ہے خوش خبری دینے والا۔جو خوشخبری دے گا وہ اس بات کی تسلی دے گا کہ تمھارے نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے۔بلکہ مقبول ہوں گے۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تسلی دینے والے ہیں۔کیونکہ آپ بشیر ہیں۔

۲۔ جناب مسیح کے منکروں (یہودیوں) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قرار دیا اور ان پر بہت کچھ خفگی کا اظہار کیا۔چنانچہ سب کو معلوم ہے۔

۳۔ عدالت تو آنحضرت ﷺ نے ایسی فرمائی کہ آج تک اس کے برابر کی کوئی کر نہیں سکا۔ ہر قسم کے جرائم کی سزائیں مقرر اور جاری فرمائیں۔ چور کی سزا۔ زانی کی سزا۔ ڈاکو کی سزا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی اعلیٰ درجے کی جاری فرمائیں کہ باید و شاید۔ اس کی تفصیل جو دیکھنا چاہے وہ ہمارا رسالہ ''اسلام اور برٹش لاء'' ''سیاست محمدیہ اور قوانین انگریزیہ کا مقابلہ'' مطالعہ کرے۔

نوٹ: تورات اور انجیل میں اور بھی بہت سی پیش گوئیاں ہیں جو ہمارے نبی اکرم سید العرب و العجم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں۔ مگر بغرض اختصار ہم ان ہی دو پر قناعت کرتے ہیں۔

ورخانہ اگر کس است   یک حرف بس ست

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

منصف مزاج مخالفوں سے امید ہے کہ وہ اس مختصر سے ٹریکٹ کو بغور مطالعہ کر کے فائدہ اٹھائیں گے۔ والسلام

ابوالوفاء ثناء اللہ

محرم ۱۳۴۲ھ   اگست ۱۹۲۳ء

☆☆☆

اخلاقِ محمدی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکر خدا کرنے والے، لغویات سے دور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔

انصاف کے معاملے میں قریب و بعید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برابر ہوتا تھا۔ مساکین سے محبت فرمایا کرتے، غربا میں رہ کر خوش ہوتے۔ کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے۔ اور کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے۔ جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے جب تک کہ وہی نہ چلا جائے۔ صحابہؓ سے کمال محبت فرمایا کرتے۔ سفید زمین پر (بلا کسی مسند و فرش کے) نشست فرمایا کرتے تھے۔ اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے تھے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے۔[1] دشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے تھے۔[2]

حجۃ الاسلام غزالیؒ لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مویشی کو چارا خود ڈال دیتے۔ اونٹ باندھتے۔ گھر میں صفائی خود کر لیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے۔ بازار سے جا کر خرید لیتے۔ خود اسے اٹھا لاتے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ، خورد و بزرگ کو پہلے سلام کیا کرتے۔ جو کوئی ساتھ ہو لیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے۔ غلام و آقا، حبشی و ترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے۔ رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لیے کہتا قبول فرما لیتے۔ جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا اسے برضا و رغبت کھاتے۔ رات کے کھانے میں صبح کے لیے اور صبح کے کھانے میں سے شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے۔ نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے۔ مگر ہنستے نہ تھے۔ اندوہگیں تھے مگر ترش رو نہ تھے۔ متواضع مگر جس میں دنایت نہ تھی۔ باہیبت

---

[1] خلاصہ تاریخ العرب پروفیسر سیڈیو۔ ص ۴۲

[2] شفا عیاض۔ ص ۳۱۲

جس میں درشتی نہ تھی۔ سخی تھے، مگر اسراف نہ تھا۔

ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے تھے۔ کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے تھے۔ سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے۔ (کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالی۔ مطبوعہ نولکشور ۱۸۸۲ء)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:۔

جو کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یکبارگی آجاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آبیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔ [1]

کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس سال تک خدمت کی، اس عرصہ میں انہیں کبھی اُف تک نہ کہا۔ زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آتی تھی۔ نہ کسی پر لعنت کیا کرتے۔ دوسرے کی اذیت وآزار پر صبر کیا کرتے۔ خلق خدا پر نہایت رحمت فرماتے۔ ہاتھ یا زبان مبارک سے کبھی کسی کو شر نہ پہنچا۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے۔ ہر شخص و ہر چیز کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی بادشاہت کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔ (حجۃ اللہ بالغہ، ص ۲۸۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطیع کو بشارت پہنچاتے۔ عاصی کو ڈر سناتے۔ بے خبروں کی پناہ تھے۔ خدا کے بندہ و رسول۔ جملہ کاروبار کو اللہ پر چھوڑ دینے والے، نہ درشت خو، نہ سخت گو، چیخ کر نہ بولتے، بدی کا بدلہ ویسا نہ لیتے۔ معافی مانگنے پر معاف فرمایا کرتے۔ گنہ گار کو بخش دیتے۔ ان کا کام کجی ہائے مذاہب کو درست کر دینا ہے، ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان دیتی۔ غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاق فاضلہ سے بہرور تھے۔

☆☆☆

---

[1] یہ فقرہ سیدنا علی مرتضیٰ کے کلام کا ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں من راہ بدیھۃً ھابہ ومن خالطہ محبۃ عشقہ۔

مسئلہ تقلید شخصی

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ تقلید شخصی

دیباچہ

آج کل مناظرانہ تحریرات میں دو عیب عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ مخالف کا مطلب اس کے الفاظ میں نہیں بتایا جاتا۔ بلکہ اپنے الفاظ میں غلط ملط کیا جاتا ہے۔ (دوم) سخت کلامی اور طعنہ زنی سے جواب کو مزین کیا جاتا ہے۔ ناظرین دیکھیں گے ہمارا یہ رسالہ ان دونوں عیوب سے خالی ہے۔ لہ الحمد۔

مسئلہ تقلید کے حامی احناف میں دو گروہ ہیں۔ ایک دیوبندی عقیدہ والے دوسرے بریلوی عقائد کے معتقد اس مسئلہ میں ان دنوں گروہوں کے اہل علم سے باقاعدہ مکالمہ ہو چکا ہے۔ پہلے صاحب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری (دیوبندی) ہیں۔ جن کے ساتھ مکالمہ بصورت رسالہ شائع ہو چکا ہے اسکا نام "تنقید تقلید" ہے۔ اسکی قیمت پانچ آنہ ہے۔ دوسرے صاحب مولانا محمد شریف صاحب ہیں جن کے ساتھ مکالمہ اس رسالہ کی صورت میں ناظرین کے سامنے ہے۔

اطلاع: چونکہ مولوی محمد شریف صاحب کوٹلوی اس نوجوان کے والد ماجد ہیں جس نے مولانا الوالد الماجد مدظلہ پر قاتلانہ حملہ ہونے کی خبر ان لفظوں میں دی تھی کہ توہین آمیز کلمات (نبی کو بشر رسول کہنے) کا بہترین جواب آپ کو کل ملے گا۔ (اخبار الفقیہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ صفحہ ۴ کالم ۱)

اسلئے یہ رسالہ بھی یادگار حملہ کا تیسرا نمبر ہے۔ امید ہے ناظرین اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور دونوں بلکہ تینوں مناظروں (مولانا چاند پوری، کوٹلوی اور امرت سری) کے حسن خاتمہ کی دعا کرینگے۔

نوٹ: رسالہ ہذا میں مولوی محمد شریف صاحب کوٹلوی کے رسالہ "مناکحت وہابیہ" کا جواب بھی درج ہے جو موصوف نے اختراع جدید کی ہے یعنی اہل حدیث حنفی کی آپس میں رشتہ داریوں کو خلاف شرع قرار دیا ہے۔ یہ دونوں مضمون اخبار اہل حدیث امرتسر میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

طالب دعا

مرتب رسالہ ہذا (ابو رضاء) عطاء اللہ منیجر اخبار اہل حدیث امرتسر

شوال ۱۳۵۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۸ء

مسئلہ تقلید شخصی

منقول از اخبار ''اہل حدیث امرتسر''

اہل حدیث جب سے جاری ہوا ہے مسئلہ تقلید شخصی پر بہت سے اصحاب اس کے مخاطب رہے ہیں۔ ایک وقت گزرا ہے کہ اس مسئلہ میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری سے خطاب ہورہا تھا جو کتاب کی صورت میں مطبوعہ مل سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد مولوی عبدالعزیز آف گوجرانوالہ سے خطاب ہوتا رہا۔ یہ بھی مطبوعہ ہے۔ یہ دونوں اصحاب آپس میں ہم مشرب (دیوبندی) ہیں۔ آج ہمارا خطاب مولوی محمد شریف صاحب ساکن کوٹلی لوہاراں (ضلع سیالکوٹ) سے ہے جو پکے بریلوی اور پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے مرید ہیں۔ ہم ان کے مضمون کی بھی وہی عزت کرتے ہیں جو دیگر علمائے مقلدین کے مضامین کی کرتے رہے ہیں۔ یعنی سارے کا سارا نقل کر کے ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں تاکہ ان کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا ایک بہترین موقع مل جائے۔

ہمیں اس شریفی مضمون سے خاص دلچسپی ہے کیونکہ موصوف نے اس میں اصطلاحات منطقیہ سے بھی کام لیا ہے۔ اور جس مضمون میں منطقی اصطلاحات سے کام لیا گیا ہو۔ وہ ہمارے لیے خصوصاً موجب مسرت اور باعث کشش ہوتا ہے کیونکہ علوم آلیہ میں سے علم منطق ہمارے نزدیک محبوب ترین علم ہے۔

مقام حیرت ہے:

کہ مسئلہ تقلید شخصی کو اہل تقلید دلیل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ تقلید کی ماہیت ہی میں عدم علم داخل ہے۔ اور بقول امام غزالی (قدس سرہ) تقلید علم کے کسی درجے میں نہیں (المستصفی للغزالی) پھر جس چیز کی ماہیت میں عدم علم داخل ہو اس کو علم سے ثابت کرنا ضدان مفترقان ای تفرق۔ خیر یہ انکا طریق کار ہے وہ جس طرح چاہیں کریں۔

پیر جماعت علی شاہ علی پوری کو ان کے کسی مرید نے مقام گوآ علاقہ بمبئی سے چند سوال بھیجے۔

انہوں نے بغرض جواب مولوی محمد شریف صاحب کو بھجوا دیئے۔ مولوی صاحب نے ان کے جوابات "الفقیہ" مورخہ ۲۱۔ اکتوبر میں درج کرائے۔ سوالات مع جوابات "الفقیہ" سے لے کر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ناظرین جوابی نوٹوں کو ساتھ ملا کر اس مضمون کو غور سے پڑھیں:۔

سوالات یہ ہیں:

مذاہب اربعہ وآئمہ اربعہ کا ثبوت قرآن سے نہیں نہ اس کی ضرورت تھی نہ اب ہے۔ مذاہب اربعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بھی نہ تھے۔ ایک دین کی بجائے چار بنانے کی کیا حاجت؟ دین جبکہ پورا ہو گیا پھر مذاہب اربعہ کو کیوں قائم کیا گیا؟ ہمارا دین اسلام ہے اور ہم مسلمان پھر حنفی شافعی کہلانا کیوں؟ آئمہ اربعہ نے اپنی تقلید کے لیے نہیں فرمایا۔ چار نمازیں چار مذاہب پر پڑھیں تو پانچویں نماز کس مذہب پر پڑھی جائے؟ اس عقیدہ کے آدمی سے ملنا جلنا مجالست ومواکلت کا کیا حکم ہے؟ اسماء سائلین۔ قادر خان۔ عمر خان۔ شیخ فقیر۔ شیخ آدم۔ شیخ عثمان۔ شیخ یعقوب وغیرہم۔ از واسکوڈے گاما۔ علاقہ گوآ۔ (بمبئی) الجواب وباللہ التوفیق

قرآن کریم میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ "کہ تیرا رب (یا رسول اللہ) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند فرماتا ہے۔" اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کو پسند فرمائے وہ مالک ہے۔ اس کے پسند فرمانے پر کسی کو اعتراض (1) کا حق نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لاکھوں فرشتوں میں سے چار فرشتوں کو پسند فرمایا اور سب سے افضل بتایا۔ جبرائیل علیہ السلام' میکائیل علیہ السلام' اسرافیل علیہ السلام' عزرائیل علیہ السلام کوئی نہیں کہہ سکتا نہ کسی کو حق حاصل ہے کہ کہے اللہ تعالیٰ نے ان چاروں کو کیوں منتخب فرمایا۔ وہ مالک ومختار ہے جسے چاہے پسند فرمائے۔ کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (پ ۱۷)

(1) بے شک اعتراض نہیں جسے چاہے وہ بادشاہ بنائے جسے چاہے وزیر۔ بادشاہ مومن ہو یا کافر ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس پر اعتراض کریں وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ مگر یہ صیغہ تکوینی ہے تشریعی حدود تک اس کا اثر لازمی نہیں۔ (تکوینی صیغہ کے معنی ہیں خالقیت جس کے ماتحت نیک وبد کل مخلوق داخل ہے)۔

اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے اللہ تعالیٰ نے چار پیغمبروں کو اولوالعزم بنایا اور سب پر فضیلت [1] دی۔ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، رسول کریم ﷺ۔ اس میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا اللہ تعالیٰ جیسے چاہے کرے جسے چاہے پسند کرے۔ کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کئی صحیفے نازل فرمائے۔ مگر چاروں کتابوں کو سب پر فضیلت دی۔ تورات، زبور، انجیل، فرقان، اس پر بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ وہ جسے چاہے پسند فرمائے۔

اسی طرح ہزارہا صحابہ میں سے اللہ تعالیٰ نے چار اصحاب [2] کو ممتاز فرمایا اور سب پر فضیلت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ اس میں بھی کسی کو اعتراض کا حق نہیں وہ جو چاہے کرے جسے چاہے عزت دے اور پسند کرے۔ اسی طرح سرور عالم ﷺ کی شریعت کے رواج دینے والے ہزارہا ارباب طریقت میں سے حق تعالیٰ نے چار ہی کو منتخب فرمایا۔ چار [3] ہی سلسلے نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی پسند فرمائے اور دنیا کو ان چاروں سلسلوں میں منسلک فرمایا۔ اس میں بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ اللہ جسے چاہے پسند فرمائے۔ اسی طرح ہزارہا مجتہدین شریعت میں سے اللہ تعالیٰ نے چار ہی کو پسند [4] فرمایا۔

اور دنیا کو ان چاروں کا ہی گرویدہ بنایا۔ امام اعظم و امام مالک و امام شافعی۔ امام احمد رحمہم اللہ

---

[1] بے شک چار کو اولوالعزم بنا کر فضیلت دی مگر افضل اور مطاع ایک ہی کو قرار دیا۔ جس کا ارشاد ہے لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔ یعنی اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری تابعداری کے سوا چارہ نہ تھا۔

[2] چار اصحاب کو خلافت پر ممتاز فرمایا۔ ورنہ رتبہ میں اور بھی ان کے مساوی ہیں۔ ابوعبیدہ امین الامت کسی طرح کم نہیں۔ عشرہ مبشرہ کی فضیلت تو مشہور ہے۔ حافظ ابن حزم محدث کا قول تو یہ ہے کہ امت میں سب سے افضل ازواج مطہرات ہیں۔ پس آپ کا یہ جملہ منظور فیہ ہے۔ بعد ثبوت آپ کے دعوے کا مثبت نہیں۔

[3] ان سلسلوں میں آپ نے مجددی سلسلہ کیوں چھوڑ دیا اور چودہ خانوادے بھی بھول گئے۔

[4] یہ بھی ٹھیک نہیں۔ صحیح ترمذی اور شروح حدیث میں دیکھئے کہ کتنے آئمہ مذاہب ملتے ہیں۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان چاروں کو اللہ نے کیوں مقبول [1] فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔ تفسیر احمدی میں حضرت ملا جیون استاذ عالمگیر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کا انحصار محض فضل الٰہی پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پسند کرے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا محبوب بناتا ہے تو پہلے آسمانوں پر اس کی محبوبیت کا چرچا ہوتا ہے پھر زمین میں اس کی قبولیت عامہ ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا ہوتی ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پھر ہر ایک کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے پس مذاہب اربعہ اگر خدا کے نزدیک مقبول و محبوب نہ ہوتے تو دنیا میں ان کی قبولیت نہ ہوتی۔ قرآن شریف میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل اچھے کیے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دوستی اور محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا [2] ہے۔ جاننا چاہیے کہ شروع شروع حدیثوں کے لکھنے کا رواج نہ تھا۔ زبانی روایتیں بیان کیا کرتے تھے۔ وضاعین نے موقعہ پا کر حدیثیں وضع کرنی شروع کیں اور کئی حدیثیں من گھڑت بنا کر رواج دیں۔ اس وقت صحیح، ضعیف، موضوع حدیث کا امتیاز مشکل ہو گیا لوگوں نے اسنادیں بھی گھڑنی شروع کیں تو اور مشکل پیدا ہو گئی۔ اسلیئے اس زمانہ کے لوگوں نے بالاتفاق آئمہ اربعہ کو منتخب [3]

---

[1] بے شک آئمہ اربعہ مقبولان خدا سے ہیں مگر کیا سارے صحابہ کرام (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مقبولان الٰہی میں سے نہیں؟ مقبول ہونا اور بات ہے اور مطاع بالتقلید ہونا اور بات ہے۔ پس آئمہ اربعہ کے مقبول خدا ہونے سے ان کی تقلید کا ثبوت دینا دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام نہیں پیدا کرتا۔ [2] بے شک دوستی اور محبت پیدا کر دیتا ہے مگر اس دوستی اور محبت کے حقدار سب سے زیادہ صحابہ کرام ہیں۔ پھر کیا ان کے بھی مذاہب مروج ہیں یا ان کی بھی تقلید کی جاتی ہے۔ ذرہ اپنی کتب اصول کو دیکھئے جہاں لکھا ہے "تقلید الصحابی لیس بواجب"

[3] تنقید حدیث کے لیے آئمہ اربعہ کو کس نے منتخب کیا اور انہوں نے تنقید کے کیا اصول بنائے؟ ان سب باتوں کا ثبوت بہم پہنچانا آپ کے ذمے ہے ان چاروں اماموں نے اصول تنقید جو بنائے تھے ان کو آپ روشنی میں لائے ہوتے تو ہم بھی غور کرتے۔

مولوی صاحب! میدان مناظرہ اور خانقاہ ارادت دو مقام الگ الگ ہیں۔ خانقاہ ارادت میں بے دلیل بات مریدوں پر اثر کر جاتی ہے جہاں سوال کرنا مرادف کفر ہوتا ہے۔ یقین نہ ہو تو اپنے پیرو مرشد جماعت علی شاہ کے وعظ میں آپ کبھی سوال کر کے دیکھ لیں۔

کیا کہ ان آئمہ کی تحقیق پر عمل کیا جائے تا کہ ہر ایک کو نئے سرے سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ رہے لہٰذا اجماع امت سے ائمہ اربعہ (1) کی تقلید متعین ہوئی اور ان سے علیحدگی سواد اعظم سے علیحدگی قرار پائی اور سواد اعظم سے الگ ہونے کو سرور عالم ﷺ نے من شذ شذ فی النار فرمایا کہ جو الگ ہوا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

یہ کہنا کہ دین ایک ہے۔ اس کے چار دین کیوں کیئے؟ سراسر غلط فہمی ہے۔ کیونکہ دین چاروں کا ایک ہی ہے۔ یہ اعتراض دین اور مذہب کے نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ دین تو اسلام ہے اور مذہب طریق عمل کا نام ہے۔ اسلام ایک جنس ہے اس کے تحت میں کئی انواع ہیں (2) حنفی،

(1) یہی نمبر سارے مضمون کی جان ہے کہ اجماع امت سے آئمہ اربعہ کی تقلید متعین ہوگئی ہے آپ نے تو حسب عادت صرف زبانی دعوی کر کے مضمون کو ختم کر دیا مگر ہم آپ کو بے دلیل جواب نہیں دینا چاہتے بلکہ مع حوالہ جواب عرض کرتے ہیں اور آپ کو بروز انتباہ کرتے ہیں کہ خلافی مضمون لکھتے ہوئے یقین کر لیا کیجئے کہ علمائے اہل حدیث خصوصاً اخبار ''اہلحدیث'' ابھی زندہ ہے۔ جس کا قول ہے:

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں   کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

ہم آپ کے دعوے کے خلاف ایک مستند تحریر پیش کرتے ہیں غور سے سنئے۔ درالمختار (شامی) کا محترم مصنف لکھتا ہے لیس علی الانسان التزام مذھب معین (مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۵۳)

یعنی مذاہب اربعہ میں سے کوئی مذہب اپنے اوپر واجب کر لینا کسی انسان پر لازم نہیں ہے مصنف موصوف آگے چل کر جلد سوم میں لکھتے ہیں۔ اما التزامه فلم یثبت من السمع اعتبار ملزما (صفحہ ۱۹۶)

بتائیے اگر اجماع سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا تو یہ حضرات کیوں اس کو غیر ثابت کہتے؟ حیرانی ہے یہاں تو مولوی صاحب اجماع کے مدعی بنتے ہیں مگر ذرا آگے چل کر سوادِ اعظم کی آڑ لیتے ہیں۔ اجماع اور سوادِ اعظم دونوں مفہوم باہم مخالف بلکہ متناقض ہیں۔ آپ کی کتب اصول میں یہ ذکر تو ہے کہ اجماع حجت ہے مگر اکثریت کو حجت کسی نے نہیں کہا۔ مثال کے طور پر ایک دو مسئلے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

(۱) بتائیے وجوب وتر کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ اور بھی کوئی ہے؟

(۲) قضائے قاضی کے ظاہر و باطن میں نافذ ہونے میں بھی امام صاحب کے ساتھ کوئی ہے؟

کیا ان مسائل میں آپ سوادِ اعظم کی پیروی کریں گے؟ (دیدہ باید)

(2) یہ نمبر خاص اہل علم کے قابل توجہ ہے۔ آپ اسلام کو بمنزلہ جنس کے کہتے ہیں اور مذاہب اربعہ کو انواع۔ مولوی صاحب سنئے! جنس بحیثیت ماہیت متقررہ نہیں ہوئی جب تک اسکے ساتھ فصل مقوم نہ ملے۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ حیوان بحیثیت حیوان کہیں متحقق نہیں۔ جب تک اس کے ساتھ فصول مقومہ نہ ملیں۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

پس اگر اسلام ایک جنس ہے تو وہ حنفیت اور شافعیت سے پہلے متحقق تھا یا نہیں؟ اگر تھا اور یقیناً تھا تو اسلام جنس نہ ہوا۔ اگر نہیں تھا تو اسلام ائمہ اربعہ سے شروع ہوا۔ رسول اکرم ﷺ سے نہیں ہوا۔ جس کا لازمی نتیجہ آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خلافت راشدہ بلکہ ولایت ائمہ اربعہ بھی اسلام سے پہلے کی ہیں۔ کیونکہ ان اوقات میں حنفیت شافعیت وغیرہ نہ تھی۔

ایک اور طرح سے: سچ تو یہ ہے کہ علم منطق کے استعمال سے ہمیں خاص لذت آتی ہے اس لئے جی نہیں چاہتا کہ اس منطقی بحث کو چھوڑ دیں۔ کیونکہ بقول عرفی

لذیذ بود حکایت در از تر گفتم   چنانکہ حرف عصا گفت موسی اندر طور

پس عرض یہ ہے کہ جنس کی تعریف اہل منطق کے نزدیک یہ ہے۔ **ھو المقول علی الکثیرۃ المختلفۃ الحقائق** اور نوع کی تعریف یہ ہے۔ **ھو المقول علی الکثیرۃ المتفقۃ الحقائق۔**

پھر جنس اور نوع دونو ایک کیسے ہوئیں جبکہ ان دونو کی تعریفات متبائن ہیں۔ وجوہ مذکورہ کو ملحوظ رکھ کر بتائیے کہ آپ نے سائل کے سوال کو پختہ کر دیا ہے یا جواب دیا۔

واضح ترین طریق سے اہل منطق کی بستی میں بطور خدمت گار رہنے والے بھی جانتے ہیں کہ جو فصل نوع کیلئے مقوم ہوگا وہ جنس کیلئے مقسم ہوگا۔ مثلاً حیوان (جنس) کے ساتھ فصل (ناطق وغیرہ) ملکر انواع بنانے کیوجہ سے مقوم ہونگے تو جنس کیلئے مقسم کہلائیں گے۔ جس کی وجہ سے جنس متعدد اشکال میں تقسیم ہو جائے گی۔ **فافھم فانہ غیر دقیق** اس کے دفعیہ کے لیے آپ کا یہ کہنا کہ دین تقسیم ہوتا تو نمازیں اور روزے تقسیم ہوتے۔ ایسا قول ہے کہ منطقی سن کر مسکراتا ہوا زیر لب کہے گا۔ تو آشناء حقیقت نہ خطا اینجاست کیا اچھا ہوتا اگر آپ مضمون لکھ کر مدرسہ دیوبند کے کسی استاد کو دکھا لیتے پھر آپ ایک اور مزید بات لکھتے ہیں کہ حنفی اگرچہ مسلمان ہیں لیکن اس کو صرف مسلمان کہنا دوسرے انواع سے ممتاز نہیں کرتا وقت یہ کہ اسے حنفی نہ کہا جائے۔ یہ کلام بھی اصول منطق کے خلاف ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ جنس لابشرط شئی جنسیت کے درجے میں متقرر نہیں ہوتی۔ جب تک فصل مقوم اس کے ساتھ ملکر اسے نوع نہ بنا دے۔ پھر حنفی کو قبل حنفیت مسلمان کہنا گویا فصل مقوم کے بغیر جنس کو متقرر ماننا ہے جو داب محصلین کے خلاف ہے۔

مولانا ما ھکذا یا سعد تورد الابل

مولوی صاحب! آپ تو اس سوال کا جواب دینے بیٹھے تھے کہ ایک دین سے چار دین کیسے بنا دیئے؟ کیا آپکا یہ کلام سائل کا جواب ہے یا اس کی تائید ہے؟ ہم تو اس کو سائل کی تائید جانتے ہیں کیونکہ جنس (حیوان لابشرط

شافعی، مالکی، حنبلی، شیعہ، خارجی، مرجیہ وغیرہ ہم۔ جیسے حیوان ایک جنس ہے جس کے تحت میں کئی انواع ہیں، انسان، بقر، غنم، ابل وغیرہ۔ پس انسان کو صرف حیوان کہنا اگرچہ انسان بھی حیوان ہے۔ دوسرے انواع سے ممتاز نہیں کرتا۔ تاوقتیکہ اسے ناطق نہ کہا جائے۔ اسی طرح حنفی اگرچہ مسلمان ہے لیکن اسے صرف مسلمان کہنا دوسرے انواع (شافعی، مالکی حنبلی، وغیرہم) سے ممتاز نہیں کرتا۔ تاوقتیکہ اسے حنفی نہ کہا جائے۔ پس حنفی شافعی کہلانا اس لیے ہے کہ دوسرے انواع سے ممتاز ہو۔ جس طرح سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ پھر بھی کوئی صدیقی، کوئی فاروقی، کوئی عثمانی، کوئی علوی کہلاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان اپنے مقتدا اور پیشوا کے نام سے حنفی، شافعی، نقشبندی، قادری کہلاتا ہے۔

اگر بقول معترض دین کے چار حصے کئے ہوتے تو نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ احکام بھی تقسیم کرکے بقدر حصہ ہر ایک ادا کرتا۔ یعنی نمازیں پانچ ہیں تو ایک مذہب کے لیے سوا نماز آتی ہے۔ حالانکہ سب پانچ ہی پڑھتے ہیں۔ اسی طرح تیس روزے بھی چار پر تقسیم کرتے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ چاروں مذاہب میں تیس ہی روزے ہیں۔ اسی طرح زکوۃ و حج کے بھی چار حصے نہیں کئے گئے۔ ظہر کی نماز میں چار رکعت فرض ہیں۔ اگر دین کو چار حصے کیا جاتا تو ایک ایک رکعت نماز ظہر کی ہر ایک مذہب کو حصے میں آتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہی چار رکعت فرض ظہر ہر مذہب میں ہے۔ لہٰذا یہ قول سراسر غلط ہے کہ دین کے چار حصے کرکے چار دین بنا لئے گئے ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے ہیں جو صریح قرآن مجید میں نہیں ملتے۔ یا آیت اور حدیث میں دو معنوں کا احتمال

(گزشتہ سے پیوستہ)

شئی) مرتبہ جنسیت میں بے شک واحد ہے۔

مگر مرتبہ انواع میں ضرور متعدد ہو جاتی ہے۔ آپ نے حنفیت، شافعیت وغیرہ کو نوعیت کا مرتبہ دے کر کسی بزرگ کے شعر کو کیسا صادق ٹھہرایا ہے۔

دین حق راہ چار مذہب ساختند ؎ رخنہ در دین نبی انداختند

میں اس موقع پر علمائے مقلدین کو جو علم معقول کے زیور سے آراستہ ہیں بآنگ دہل یہ عرض پہنچاتا ہوں کہ وہ اپنے خداداد علم منطق کو ملحوظ رکھ کر جواب دیں کہ حیوان کی جملہ انواع کو متعدد انواع کہا جاتا ہے یا ایک ہی نوع؟

جو مسئلہ قرآن وحدیث میں صراحتہ نہ ہے تو اس وقت مجتہدین کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں ❶

❶ اس قسم کی باتیں سن کر ہم مسکرا دیتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ایسی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی عمر کا کچھ حصہ علوم شرعیہ کی تحصیل میں صرف نہیں کرتے۔

ہاں صاحب! جن آیات اور احادیث میں دو دو معانی کا احتمال ہے آپ اپنے احباب واقران کی مدد سے ان کی فہرست مرتب کریں اور بتائیں کہ سب سے پہلے بڑے امام (ابوحنیفہ صاحب) نے ان کے متعلق کیا فرمایا ہے تاکہ ہم بھی ان دو احتمال والی حدیثوں کو ایک معنی میں معین کر کے ان کی تقلید کا مسئلہ سمجھیں۔ اب آپ لوگوں کے کرنے کے لیے یہی ایک کام رہ گیا ہے اس کے سوا باقی باتوں کا وقت گذر چکا ہے۔ ہم علی وجہ البصیرت کہتے ہیں اور دکھا سکتے ہیں کہ کتب حدیث کی شروح اور قرآن مجید کی تفاسیر انہی لوگوں کی تصنیف کی ہوئی ہیں جن کو آپ لوگ مجتہد نہیں مانتے۔ امام بخاری اور آپ کی صحیح کے شارحین اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم تا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (قدس اللہ اسرارہم) کو ہم اس مطلب کے لئے پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ آپکی خاطر آپ ہی کے خاندان میں سے ایک دو بزرگوں کو پیش کرتے ہیں جن کو آپ لوگ مجتہد نہیں جانتے۔ (کیونکہ اجتہاد آپ کے نزدیک کسی غیر معلوم الکیفیت مرتبے کا نام ہے) مگر اس کے باوجود ان کی تطبیقات اور توجیہات کو بصد فخر پیش کیا کرتے ہیں۔ ان بزرگوں سے ہماری مراد امام طحاوی اور صاحب ہدایہ وغیرہما ہیں۔ امام طحاوی کی تو کتاب ہی کا نام شرح معانی الاثار ہے اور ہدایہ پر تو گویا حنفی مذہب کا دارومدار ہے۔

مولوی صاحب! آپ بتائیں کہ ان کتابوں میں احادیث مشکلہ کی جو تشریح کی گئی ہے وہ ان بزرگوں کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے یا امام صاحب کے صریح اقوال سے ماخوذ ہے مختصر یہ ہے کہ آپ کا فرض ہے کہ آپ احادیث مشکلہ کی تشریحات پر مشتمل کوئی مفصل کتاب پیش کریں جو ائمہ اربعہ خصوصاً امام ابوحنیفہ صاحب کی تصنیف کردہ ہو۔ مگر اس کو پیش کرنے سے پہلے مولانا شبلی مصنف ''سیرۃ النعمان'' کا یہ قول بھی سامنے رکھ لیں کہ

''حق یہ ہے کہ آج امام ابوحنیفہؒ صاحب کی تصنیف کا ایک ورق بھی دنیا میں کہیں نہیں ہے۔''

الحاصل آپ احادیث مشکلہ کی تشریحات اپنے امام کی تصنیف میں پیش کریں اس کے بعد ہمیں حق ہوگا کہ ان تشریحات کو اپنے علم سے بھی جانچیں پھر جو جانب ہمیں پسند آئے گی اسے اختیار کر لیں گے۔ آپ ہمارے اس فعل کی سند اور مثال طلب کریں گے تو ہم آپ کو موطا امام محمد پڑھنے کا مشورہ دیں گے۔ جس میں بہت جگہ امام محمد (شاگرد امام ابوحنیفہ) امام صاحب کے خلاف توجیہات کو ترجیح دیتے ہیں اور اس مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتے ہدایہ میں بھی کئی ایک جگہ امام صاحب کے اقوال کو چھوڑ کر صاحبین (امام محمد اور امام ابو یوسف) کے اقوال کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی ادنی طالب علم سے بھی مخفی نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ ''اجتہاد وتقلید'' ملاحظہ ہو مولانا! ہم آپ کی احادیث مشکلہ کی تشریحات کی فہرست دیکھنے کے لیے چشم براہ ہیں۔ جہاں تک ہو سکے آپ بہت جلد اس کو شائع کر دیں تاکہ گفتگو آگے چل سکے۔

مٹا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی رکھے ہے ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

ملے تو مجتہد کا استنباط یا قیاس مانا جاتا ہے [1] اس میں غیر مجتہد کو مجتہد کی تقلید لازم ہوتی ہے اسی طرح آیت یا حدیث متحمل المعانی ہو تو ایک معنی متعین کرنے کے لیے مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے [2] اور یہ تقلید عین ایمان ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ جب ان کو سرور عالم ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تو کس طرح فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے عرض کی کہ کتاب اللہ پر فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو وہ مسئلہ قرآن مجید میں نہ پائے تو اس نے عرض کی کہ پھر سنت رسول ﷺ پر فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا کہ اگر تو سنت میں بھی نہ پائے تو اس نے عرض کی اجتھد برائی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ سرور عالم ﷺ نے فرمایا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے رسول کو توفیق دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو رسول کریم ﷺ نے قاضی بنا کر بھیجا تو اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو جو فیصلہ کرے لوگ اس کو نہ مانیں بلکہ لوگوں پر قاضی کا فیصلہ ماننا لازم ہے اور یہ بھی آپ نے نہیں فرمایا کہ جو مسئلہ قرآن حدیث میں نہ ملے میں موجود ہوں۔ کسی آدمی کو بھیج کر مجھ سے دریافت کر لینا۔ اپنے اجتہاد سے فیصلہ نہ کرنا بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے حکم سے مجتہدین کو اجتہاد کی اجازت تھی اور ان کے اجتہادی مسئلہ کو مان لینا لوگوں پر لازم تھا اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

مثال کے طور پر دیکھو۔ حدیث میں آیا ہے: لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن۔ جو الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک نفی کمال کہ اس کی نماز کامل

---

[1] بے شک مجتہد کا کام استنباط کرنا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے اصول مسلمہ المجتہد یصیب ویخطی کو بھی ملحوظ رکھیں مجتہد کبھی حق بجانب ہوتا ہے اور کبھی غلطی کر جاتا ہے۔ اس اصول کا بڑا ثبوت امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے طرز عمل سے ملتا ہے۔ جن کی بابت علماء کا قول ہے انھما خالفا فی ثلثی مذھبه (مقدمہ شرح وقایہ لکھنوی) یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف (شاگردان امام ابوحنیفہؒ) نے اپنے استاد کے دو تہائی مذہب میں اختلاف کیا۔ کیا یہ تقلید ہوئی یا ترک تقلید؟

[2] اس کا جواب آئندہ صفحات میں مفصل آ چکا ہے ہاں ہم قرآن کی وہ آیات اور وہ احادیث سننا چاہتے ہیں جن سے بقول آپ کے تقلید کا عین ایمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نہیں۔جیسے حدیث لا صلوة بحضرة طعام میں اور لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد میں اور لا ایمان لمن لا امانة له میں نفی کمال ہے۔دوسرے نفی ذات کہ نماز ہوتی ہی نہیں۔اب ان دو معنوں میں سے ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مراد کیا ہے اور کونسا معنی صحیح ہے۔یہاں ایک مجتہد کی تقلید کی جائے گی۔وہ جن معنوں کو صحیح کہے گا مانا جائے گا۔چنانچہ حنفیہ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو افضل سمجھ کر ان کی تقلید کی اور انکے بیان کردہ معنوں کو صحیح مانا۔یعنی نفی کمال کو صحیح سمجھا۔اور شافعیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر حسن ظن کر کے انکی تقلید کی۔اور ان کے بیان کیے ہوئے معنی کو صحیح جانا۔دونوں نے حدیث پر عمل کیا لیکن بواسطہ تقلید مجتہد۔جس سے معلوم ہوا کہ بجز تقلید حدیث پر عمل ہو نہیں [1] سکتا۔اسی طرح حنفیہ شافعیہ کا اختلاف ہے

[1] یہ حدیث مسئلہ تقلید میں سردفتر لکھی جاتی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب اپنے ناظرین تک عموماً اور مدعیان تقلید شخصی تک خصوصاً پہنچا دیں۔پس وہ غور سے سنیں۔یہ حدیث محکمہ قضا کے متعلق ہے۔چنانچہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اکرم ﷺ نے قاضی بنا کر بھیجا۔(بالفاظ دیگر جج یا مجسٹریٹ)

سب جانتے ہیں کہ جج ہر مقدمہ میں اجتہاد کیا کرتا ہے اور اپیل کا محکمہ اس کے اجتہاد کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔بسا اوقات جج کا فیصلہ محکمہ اپیل میں جا کر ٹوٹ جاتا ہے اور یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔قاضی کا اجتہاد کرنا اور اس میں غلطی کر جانا ایسا بدیہی امر ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ماتحت قاضیوں کی اپیلیں اعلیٰ حاکموں کے پاس ہوتی تھیں اور بسا اوقات اُن کے فیصلے مسترد بھی ہو جاتے تھے چنانچہ یہی سسٹم آج ہمارے زمانے میں بھی پایا جاتا ہے اس کو تقلید سے کیا تعلق،ہم دیکھتے ہیں کہ سب جج کے فیصلے کی اپیل کی جاتی ہے جو ڈسٹرکٹ جج کے ہاں منظور نہ ہو تو ہائی کورٹ (عدالت عالیہ) تک پہنچتی ہے۔اسی طرح اسلامی حکومت کا قانون تھا۔

مولانا! آپ اپنے علم و فضل کو ملحوظ رکھ کر سچ بتایئے کہ قطع نظر امام صاحب کی تقلید کے ان احادیث کے دو معنی میں سے کون سے معنی آپ کے نزدیک صحیح ہیں۔اگر آپ نے علمی تحقیق سے وہی معنی صحیح سمجھے ہیں جو بقول آپ کے امام صاحب نے کیے ہیں تو آپ مقلد نہ رہے۔کیونکہ آپ کا علم امام صاحب کے علم سے موافق ہو گیا۔اس کو تقلید نہیں کہتے۔دیکھو کتب اصول فقہ۔(جمع الجوامع وغیرہ)

اگر آپ کی تحقیق امام صاحب کے بیان کردہ مطلب کے خلاف ہے مگر آپ پھر بھی امام صاحب کے قول کو صحیح سمجھتے ہیں۔جس کی غلطی کی شہادت آپ کا علم دیتا ہے تو معاف فرمایئے آپ مقلد تو ہیں مگر صاحب دیانت نہیں۔کیونکہ یہ بات دیانت کے خلاف ہے کہ آپ ایک بات کو غلط سمجھ کر بھی کسی کے (بقیہ آئندہ صفحہ پر

اور وہ دونوں حق پر ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک نماز ایک مذہب پر پڑھے دوسری دوسرے مذہب پر یہ ہرگز جائز نہیں۔ ❶ یہ تو دین میں ایک کھیل ہے۔ عاقل بالغ کو چاہیے کہ سوچ سمجھ کر

(گزشتہ سے پیوستہ) ___

لحاظ سے اس کو قبول کریں۔ فرمان خداوندی پر غور کیجئے ارشاد ہے اذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربی (جب بولو سچ بولو چاہے کوئی تمہارا اقربی ہو)۔ بہر حال مسئلہ تقلید شخصی نے ہمارے مخاطبوں کو اس حد تک پریشان کر رکھا ہے جس کا نقشہ کسی شاعر نے اس شعر میں دکھایا ہے۔

مصیبت میں پڑا ہے سینے والا چاک داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ٹانکا تو یہ ادھڑا

❶ ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ ہمارے جملہ مخاطب مسئلہ تقلید شخصی میں اپنے سلف کے اقوال کو بھول جاتے ہیں۔ خدا جانے ان کو اپنے مخالف سمجھتے ہیں یا ان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ مسئلہ تقلید شخصی جیسا ضروری حکم (جو حد فاصل ہے دو فرقوں کے درمیان) اور ثبوت اس کا زبانی۔ ایں چہ بوالعجبی است اب میں مولوی صاحب کے برخلاف ایک معتبر حوالہ پیش کرتا ہوں۔ جو یہ ہے۔

لو صلی یوما علی مذهب واراد ان یصلی یوما اخر علی غیره فلا یمنع منه (درالمختار مصری جلد اول صفحہ ۵۳) یعنی کوئی شخص ایک دن حنفی بن کر نماز پڑھے اور دوسرے دن شافعی بن کر (علی القیاس تیسرے دن مالکی بن کر) تو اسے روکا نہ جائے۔ بتائیے یہ فتویٰ آپ کے اس قول کے خلاف ہے یا نہیں؟ مولانا مسئلہ تقلید یا کوئی ایک اختلافی مسئلہ لکھتے ہوئے۔ یہ خیال دل سے نکال دیا کریں کہ علمائے اہل حدیث کتب فقہ سے واقف نہیں۔ اس لئے آپ جو چاہیں کہہ جائیں۔

واقعہ عجیب! مولانا سید نذیر حسینؒ صاحب دہلوی (المعروف میاں صاحب) قدس اللہ سرہ جب حج کو تشریف لے گئے تو مخالفین نے حاکم وقت کے پاس شکایت کی کہ یہ شخص کتب فقہ کی توہین کیا کرتا ہے۔ آپ نے جواب میں حاکم وقت کو فرمایا میں خود کتب فقہ پڑھاتا ہوں۔ ہدایہ وغیرہ کے چند مشکل مقامات بتاتا ہوں آپ فقہائے شہر کو بلائیں میں ان کے سامنے یہ مقامات پیش کر کے حل کراؤنگا۔ مکہ شریف کا حاکم چونکہ حقیقت سمجھ گیا تھا اس لیے اس نے یہ مقابلہ تو نہ کرایا مگر میاں صاحب کو بعزت واحترام رخصت کر کے بحفاظت تام مدینہ شریف تک پہنچا دیا (جزاہ اللہ)

اعلان عام! آج جتنے مسائل شرکیہ بدعیہ جماعت اہلحدیث اور بریلوی احناف میں باعث نزاع بن رہے ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ فقہ حنفیہ اور اصول فقہ حنفیہ کے پیش نظر اہل حدیث کی جانب غالب ہے۔ جسے انکار ہو وہ آزمالے اور سن رکھے۔

انا سلمة ابن الاکوع الیوم یوم الرضع

جس مذہب کو اعلیٰ وارفع سمجھے ❶ اسے اختیار کرلے۔ پھر اسی پر ہمیشہ عامل رہے البتہ اگر ایک مذہب اختیار کر لینے کے بعد اسے دوسرا مذہب افضل واعلیٰ ثابت ہو تو ہمیشہ کیلئے دوسرے مذہب پر ہو جائے۔ ❷ یہ نہیں کہ ایک مسئلہ ایک مذہب کا لے اور دوسرا مسئلہ دوسرے مذہب کا۔ اس طرح تو ایک پانچواں مذہب پیدا ہو جائے گا۔ جس پر سلف صالحین میں سے کوئی نہ ملے گا۔ مثلاً امام صاحب کا مذہب ہے کہ قے یا خون یا نکسیر جاری ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ ایک شخص نے وضو کیا پھر خون نکلا یا نکسیر جاری ہوئی۔ اس نے مذہب شافعی رحمہ اللہ کے مطابق دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک قے اور نکسیر اور خون نکلنا نواقض وضو سے نہیں۔ پھر اس نے نماز پڑھی۔ اس میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ تو یہ نماز کسی مذہب میں نہ ہوئی ❸ شافعیہ کے نزدیک اس لیے کہ اس نے فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھا

---

❶ '❷ مقلد کو کسی امام کی فضیلت کا علم کیونکر ہو سکتا ہے جس حال میں کہ وہ مقلد ہے۔ اس بیچارے کی حیثیت تو ایسی ہے جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے۔ البتہ آپ کی اجازت سے صاحب مسلم الثبوت کے الفاظ پیش کیے دیتے ہیں جو اصول فقہ کے بڑے مستند عالم ہیں۔ آپ اجماع کی بحث میں فرماتے ہیں:

لا عبرة للكافر و المقلد في الاجماع یعنی مسئلہ اجماع میں کافر اور مقلد کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں۔

پھر ایسا بے حیثیت شخص کسی عالم یا امام کو افضل سمجھے تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ آپ کی مزید تشفی کے لیے میں اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور حوالہ پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ **المقلد كالاعمى** (اعلام) اس کا ترجمہ آپ خود ہی کر لیجئے۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس امر میں سخت متحیر ہیں کہ مقلد اپنے امام کو کیسے افضل سمجھ سکتا ہے جبکہ اس میں شناخت کی لیاقت ہی نہیں۔ **وللتفصيل مقام آخر**۔

❸ آپ نے اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں دی۔ میں آپ کو ایک عظیم واقعہ کیطرف متوجہ کرتا ہوں حنفی مذہب کے رکن امام ابو یوسف حمام سے غسل کر کے نکلے تو اطلاع ملی کہ حمام سے مردہ چوہا نکلا ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق یہ غسل جائز نہ تھا آپ نے [illegible] سے فرمایا آج ہم امام مدینہ کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ امام مدینہ (امام مالک) کے مذہب [illegible] امام ابو یوسف [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب یہاں [illegible] آپ کے [illegible]

غیر مقلد ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی ایک معین شخص کی (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اور حنفیہ کے نزدیک اس لیئے نہیں کہ اس کا وضو نہیں۔ لامحالہ ایک مذہب کا اختیار لازم ہوگا۔

اسی طرح شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ ایک شخص وضو کر کے ذکر کو ہاتھ لگاتا ہے اور اسلیئے کہ امام صاحب کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ دوبارہ وضو نہیں کرتا۔ پھر نماز پڑھتا ہے۔ اس میں فاتحہ خلف الامام پڑھتا ہے تو یہ نماز بھی دونوں مذہبوں میں نہ ہوئی حنفیہ کے نزدیک اسلیئے کہ فاتحہ خلف الامام ان کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے اور شافعیہ کے نزدیک اسلیئے کہ وہ بے وضو ہے۔ تو لازم ہوا کہ ایک ہی مذہب [1] اختیار کرے۔ یہ کہنا کہ آئمہ اربعہ کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں غلط ہے اللہ فرماتا ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ معلوم ہوا کہ جب ہم اپنی لاعلمی کے وقت کوئی مسئلہ اہل علم سے پوچھیں گے تو اس پر عمل لازم ہو جائے گا۔ [2] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اہل علم سے پوچھ کر نہ مانو تاوقتیکہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

تقلید فرض واجب نہیں ہے۔ ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ کے مخاطبوں کا اعتقاد استدلال کے متعلق یہ ہے:۔

آنچہ نہ قال است نہ قال الرسول فضل بود فضل مخواں اے فضول

ایسے گروہ کے سامنے اگر آپ ایسی بے سروپا باتیں کرینگے۔ جیسے اس مضمون میں کی ہیں تو آپ ان کے منہ سے یہ شعر سنیں گے۔

گزر عشقت خبرے ہست بگوائے واعظ ورنہ خاموش کہ ایں شور وفغاں چیزے نیست

صفحہ ہٰذا: [1] ایک ہی مذہب اختیار کرے۔ کیا قرآن کے حکم سے یا حدیث کے حکم سے یا کسی امام کے حکم سے یا محض آپکے فرمانے سے؟ قرآن وحدیث اور اقوال آئمہ میں تو آپکے اس فتوے کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ آپ زبانی لسانی ضرور یہ نصیحت کرتے ہیں۔ سو اسکے جواب میں یہ شعر عرض ہے

ناصحا! اتنا تو دل میں تو سمجھ اپنے کے ہم لاکھ ناداں ہیں کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

مولانا قرآن مجید کے الفاظ آپ کے اور ہمارے سامنے ہیں۔ ان کا لحاظ رکھیے۔ نہ اپنی طرف سے کچھ بڑھایئے اور نہ ہمیں بڑھانے دیجئے۔

[2] اوّل تو اس آیت میں زمانہ رسالت کے مشرکین سے خطاب ہے کہ تم کو مسئلہ نبوت سمجھنے میں اگر دقت پیش آرہی ہے تو اہل کتاب سے یہ مسئلہ پوچھ لو کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب آدمی (انسان) تھے۔ چنانچہ ساری آیت یوں ہے: وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

دنیا کے تمام اہل علم سے دریافت نہ کرلو۔ تو جب ایک ہی اہل علم سے ہم نے ہمیشہ مسئلہ پوچھا تو ہم نے اس آیت پر عمل کیا پھر ہم کس حکم کے ساتھ دوسرے اہل علم سے پوچھ سکتے ہیں البتہ جس

(گزشتہ سے پیوستہ)

فسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون بالبینات و الزبر۔ (پ ۱۴ ع ۱۲) (یعنی) ہم (خدا) نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے۔ ہم ان کی طرف بذریعہ وحی دلائل اور صحائف بھیجتے تھے۔ پس (اے مشرکو) اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے پوچھ لو۔

اس آیت کا سیاق اور عبارت النص صراحۃً مشرکین عرب کے متعلق ہیں۔ اگر آپ اس کو اپنے اوپر لگاتے ہیں تو آپ کا اختیار ہے لیکن مہربانی کر کے پہلے ہمارے دو سوالوں کو حل کر دیجئے:۔

۱۔ اصول فقہ کی دلالات اربعہ میں سے کونسی دلالت ہے جس کے ساتھ آپ اس آیت سے امام معین کی تقلید ثابت کرتے ہیں۔ مہربانی کر کے پہلے اس کا تعین کیجئے۔ کوئی جلدی نہیں بے شک اپنے ہم خیال علماء سے مشورہ کر لیجئے یا کتب اصول ملاحظہ فرما لیجئے۔ ہم زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ صرف اصول شاشی دیکھ کر جواب دیجئے کہ آپ کا استدلال دلالات اربعہ میں سے کس دلالت کے ساتھ ہے۔

۲۔ سوال کا معنی پوچھنا ہے۔ بتائیے آپ کس مجتہد سے پوچھتے ہیں اور کن الفاظ میں پوچھتے ہیں۔ قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ پر سائلین کی طرف سے کئے گئے سوالات میں یسئلونک وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا مجیب کو مخاطب کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ اس آیت کے ماتحت کسی مجتہد سے سوال کرتے ہیں تو کیا آپ نے کبھی یوں کہا ہے کہ:۔

حضرت امام اعظم صاحب! اس مسئلے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ مختصر یہ ہے کہ آپ لوگوں نے یہ آیت تو خوب یاد کر لی ہے لیکن سوال اور اہل الذکر (دونوں الفاظ) کے صحیح مفہوم پر غور نہیں کیا۔ ہاں زمانہ حاضر کے بے علم لوگ جن کے حق میں لا تعلمون صادق آتا ہے وہ اپنے ہمعصر علماء سے پوچھ سکتے ہیں جیسے آپ کے گاؤں کے لوگ آپ سے پوچھتے ہیں۔ اگر ایسے سوالات کا نام تقلید ہے تو پوچھنے والے آپ کے مقلد اور آپ ان کے لیے امام و مجتہد ٹھہرے۔ لاریب (کیا یہ صحیح ہے؟)

لطیف سوال مولانا! اس آیت میں دو الفاظ اہل الذکر اور (فاسئلو کے مخاطب) سائل قابل غور ہیں۔ مہربانی کر کے بتائیے کہ آپ بذات خود ان دو گروہوں میں سے کس گروہ میں داخل ہیں؟ مجتہد ہونے کے تو آپ مدعی نہ ہوں گے۔ خدانخواستہ کیا دوسرے گروہ (بے علموں) میں داخل ہیں؟ (میں اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ کو آپ کے حلقے کے لوگ اچھا خاصہ عالم جانتے ہیں۔ اس لیے میں آپ کو لا یعلم (بے علم) تصدیق نہیں کر سکتا) مولانا! آپ کو بے علم جاننا مجھے ہرگز پسند نہیں۔ کیونکہ ساری عمر عالم رہ کر عمر کی آخری منزل میں بے علم ہونا ثم رددناہ اسفل سافلین کی مصداق بننا ہے جب صورت حال یہ ہے کہ آپ نہ مجتہد ہیں نہ جاہل تو آپ کو اس آیت سے کیا تعلق؟ مہربانی کر کے صاف صاف بتائیے کہ آپ مذکورہ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ) ______________________

دوفریقوں میں سے کس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟ اگر آپ حکم فاسئلوا کے مخاطب ہیں تو اپنے آپ کو بے علم کہلانا پڑے گا اگر اہل الذکر کے مصداق ہیں تو دائرہ تقلید سے باہر آنا پڑے گا۔ بہر حال آپ کے حق میں یہ شعر خوب موزوں ہے۔

دو گونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

ایک اور طرح سے اچھا ہم مانے لیتے ہیں کہ آپ حکم فاسئلوا کے ماتحت مخاطب ہیں اور اہل الذکر سے مراد آئمہ مجتہدین ہیں۔ مگر یہ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں اہل الذکر مطلق ہے جس کی کوئی قید مذکور نہیں۔ اور مطلق کا حکم علمائے اصول کے نزدیک جو کچھ ہے وہ آپ سے مخفی نہ ہوگا کہ وہ کہا کرتے ہیں **الاتی بای فرد کان اتیا بالمامور به** یعنی مطلق کے کسی فرد پر عمل کرنے والا حکم کی تعمیل سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ علمائے اصول کے الفاظ میں اس کی مثال آیہ کریمہ **فاقروا ما تیسر من القرآن** ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں قرآن کو جو حصہ آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ فرض ادا ہو جائے گا۔ (نورالانوار وغیرہ)

اب اس حکم کے ماتحت نمازی سورہ بقرہ کی کوئی آیت پڑھے یا سورۃ آل عمران کی یا سورہ نساء کی پڑھے یا سورہ اعراف کی۔ سورہ کوثر پڑھے یا سورہ اخلاص۔ بہر حال حکم خداوندی کی تعمیل ہو جائے گی...... اس اصول کے مطابق جتنے مجتہدین گذرے ہیں (چاہے چار ہوں یا چار سو۔ چار ہزار ہوں یا چار لاکھ) ان میں سے جس کسی کا اجتہادی قول کسی کے علم میں صحیح ہو وہ اس پر عمل کر کے فرمان ایزدی سے فارغ ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا کہ تمام اماموں کی جستجو کریں۔ صرف صحیح ترمذی دیکھ لیں جس کے ہر باب میں چند فقہائے کرام کے نام مرقوم ہیں۔ ان میں سے جس کا قول سائل کے فہم کے زیادہ قریب ہو وہ اسی پر عمل کر کے اس حکم (فاسئلوا) کی تعمیل کر سکتا ہے۔ اس طرز عمل کو تقلید شخصی سے کیا تعلق؟ بلکہ اس سے تو تقلید شخصی کی تردید ہوتی ہے۔

مولانا! جو فرق قضیہ مہملہ اور قضیہ مخصوصہ میں ہے وہی فرق آپ کی تقلید شخصی اور آیت کے مصداق میں ہے (**فافهم فانه دقیق**)

اظہار تاسف! علمائے مقلدین کہا کرتے ہیں کہ "اہل حدیث علوم آلیہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان کا مبلغ علم زیادہ سے زیادہ ہدایت النحو اور بخاری شریف تک ہوتا ہے" مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخاطب علمائے مقلدین بالخصوص مسئلہ تقلید شخصی میں (جو اسلام کے دو بڑے فرقوں میں مابہ الامتیاز ہے) ان علوم (معقول اور اصول) کو کام میں نہیں لاتے شاید مضر جانتے ہیں۔ ہمیں اس بدگمانی کی ضرورت نہیں کہ وہ ان علوم سے واقف نہیں۔ ہاں اس امر کی شکایت ضرور ہے کہ وہ ان علوم سے کام نہیں لیتے۔ ورنہ مسئلہ تقلید شخصی پانچ منٹ کا کام ہے اب ہم اس نمبر کو بادل نخواستہ اس شعر پر ختم کرتے ہیں۔

نہیں معلوم تم کو ماجرائے دل کی کیفیت سنائیں گے تمہیں ایک دن یہ داستان پھر بھی

(اہل علم سے ہم دریافت کریں گے وہ ضروری ہے کہ ایسا ہو جو ہمارے ہر ایک مسئلہ کا جواب دے سکے۔ ❶ تو وہ بجز مجتہد دوسرا ہو نہیں سکتا۔ جس کا مذہب مدون ہو۔ پھر ہر ایک جزی کا اس سے جواب ہو سکے۔ تو وہ بفضلہ تعالیٰ ائمہ اربعہ ہیں جن کا مدون ہے اور ہر ایک مسئلہ کا جواب ان سے مل سکتا ہے تو ان آئمہ اربعہ میں سے جس کو ہم نے افضل و اعلیٰ سمجھا اور اس سے مسئلہ پوچھا۔ پھر ہم ہر ایک مسئلہ اسی سے پوچھیں گے کیونکہ جس کو ایک بار افضل و اعلم سمجھا اب اس کو چھوڑ کر ادنی کی طرف کیوں رجوع کریں۔ تو لا محالہ ایک ہی کو مسئول عنہ بنانا پڑے گا اور یہی تقلید شخصی ہے اور یہ کہنا کہ مذاہب اربعہ کی ضرورت نہیں بالکل غلط ہے ائمہ اربعہ نے ایسے ایسے اصول وضع کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے قرآن و حدیث پر عمل ہو سکتا ہے۔ اگر ان کے اصول کو اپنا معمول نہ بنایا جائے تو آج ایک حدیث بھی رسول کریم ﷺ سے کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا حدیث کی صحت ضعف کے لیے اصول ان ائمہ نے بنائے۔ ❷ راویوں کی جرح قدح کی تحقیق انہوں نے کی۔ عام، خاص، مشترک، مجمل، حقیقت، مجاز انہی لوگوں نے بیان فرمائے۔ کوئی شخص ان کی تحقیق کو چھوڑ کر ایک مسئلہ بھی صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔

---

❶ ہر ایک مسئلے کا جوب دینے والا کوئی مجتہد ہوا بھی ہے؟ علم اصول کی مستند کتاب تلویح بر توضیح دیکھ کر جواب دیجئے گا کہ کس امام نے چالیس مسائل میں سے صرف چار مسئلوں کا جواب دے کر فرمایا تھا باقی (چھتیس) میں نہیں جانتا۔ ایسا کہنے والا غالباً آپ کے نزدیک مجتہد نہ ہوگا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک بڑے امام نے فرمایا تھا: ما ادری ما الدھر (میں نہیں جانتا کہ زمانہ کیا چیز ہے) ایسا کہنے والا غالباً آپکے نزدیک قابل تقلید نہ ہوگا۔

❷ ''اصول حدیث ائمہ اربعہ نے بنائے'' ذرہ اس فقرے کی تفصیل بتایئے؟ وہ کون سے اصول حدیث ہیں جو امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے بنائے تھے۔ ہاں ایک بات ضرور ملتی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک حدیث مرسل (جس میں صحابی کا نام مذکور نہ ہو) یا مجہول الحال راوی کی حدیث متروک نہ ہونی چاہیے۔ مگر دوسرے ائمہ ان ہر دو قسم کی حدیث کو متروک قرار دیتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آپ نے علم اصول کی اصطلاحات عام، خاص، مجمل، مشترک وغیرہ کی ایجاد امام صاحب سے منسوب کی ہے جو سراسر عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ہمیں کسی معتبر کتاب کے حوالے سے بتایئے کہ ان اصول کے بانی ائمہ اربعہ میں سے کون کون تھے؟ ہماری تحقیق میں تو یہ سب متاخرین کی محنت کا نتیجہ ہے۔

مولانا! آپ جیسے معمر بزرگ جن کی ساری عمر بحث مباحثہ اور اہل توحید کی تردید میں گذری ہو اور اپنے علم و فضل کے اعتماد پر اہل حدیث اور اہل تقلید میں مناکحت (رشتہ ناطہ) کو بھی ناجائز قرار دیا ہو۔ اگر ایسی کچی کچی باتیں کریں تو آپ کے جواب میں اس کے سوا کیا کہوں ما ھکذا یا سعد تورد الابل۔

یہ کیسی ناشکری ہے کہ آج یہ کہا جائے کہ مذاہب اربعہ کی کوئی ضرورت نہیں [1] اور یہ کہنا کہ مذاہب اربعہ حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھے۔ مغالطہ ہے سرور عالم ﷺ کے زمانہ میں ضرورت ہی کیا تھی۔ [2] جس مسئلہ کی ضرورت ہوتی حضور ﷺ سے دریافت کرلیا جاتا۔ البتہ جولوگ

[1] مذاہب اربعہ کی نفی کرنے میں اتنی ناشکری نہیں ہوتی جتنی کہ کتب احادیث کی طرف سے بے اعتنائی برتنے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی تینوں طبقوں (خیر القرون) میں مذاہب اربعہ موجود نہ تھے لیکن احادیث نبویہ پر برابر عمل ہورہا تھا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے دو مسئلے (خلافت اور وراثت) حدیث نبوی کی روشنی میں طے کئے گئے تھے۔ اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ احادیث نبویہ سے بے اعتنائی برتنا زیادہ ناشکری (کفران نعمت) کا موجب ہے۔

[2] مولوی صاحب آپ نے تو معترض کے اعتراض کو اور پختہ کردیا۔ وہ کہتا ہے چونکہ زمانہ رسالت میں مذاہب اربعہ کا ثبوت نہیں ملتا اس لیے ان کی ضرورت نہیں۔ آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ لوگ براہ راست رسول اکرم ﷺ سے مسائل پوچھ لیا کرتے تھے۔ کیا اس سے سائل کی تائید ہوتی ہے یا تردید؟ مثلاً آپ کے گاؤں میں کوئی شخص کہے کہ مجھے مولوی صاحب سے دودھ مانگنے کی ضرورت نہیں اور آپ جواب میں کہیں کیونکہ تو نے اپنے گھر میں گائے رکھی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ آپ اس کے دعوے کی دلیل پیش کرکے اس کی تائید کرینگے نہ کہ تردید۔ فافہم۔

مولانا! یہ میدان مناظرہ ہے۔ مسجد میاں جان محمد مرحوم میں جلسۂ عرس نہیں کہ جو جی میں آیا کہہ دیا پوچھنے والا کون؟

لطیفہ! مولانا احمد حسن مرحوم کانپوری علم فلسفہ کے ایک بڑے مشہور استاد تھے۔ جب آپ فلسفہ کی مشہور کتاب صدرا پڑھایا کرتے اور کوئی ایسا مقام آجاتا کہ جہاں مصنف کہیں سے کہیں نکل جاتا تو مولوی صاحب موصوف فرمایا کرتے" چلو! چلو!! یہ تو مولوی عبدالرب کا وعظ ہے"۔ ہم (طلباء) پوچھتے کہ حضرت! مولوی عبدالرب کا وعظ کیسا ہوتا تھا؟ آپ جواب دیتے کہ مولوی صاحب مرحوم کا وعظ یہ تھا آپ والعادیات ضبحا الایہ پڑھ کر استنباط فرمایا کرتے تھے کہ اس سے محرم میں حلوہ پکانے کا جواز نکلتا ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مولوی عبدالرب مرحوم دہلی میں ہو گزرے ہیں مگر اب معلوم ہوا ہے کہ ابھی ایک مولوی صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں موجود ہیں جن کا نام نامی مولوی محمد شریف ہے وہ جلسہ عرس امرتسر میں آکر ایسی ہی تقریریں فرمایا کرتے ہیں جن کی بابت یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے۔

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کیلئے

اے جناب! اس اقتباس میں تو آپ نے مسئلہ تقلید شخصی کا فیصلہ ہی کردیا۔ صحابہ کرام نے جو جو سوالات رسول اکرم ﷺ سے کئے اور آپ نے ان کے جوابات بھی دیئے وہ سب کے سب کتب احادیث میں موجود ہیں جو آج کل کی اصطلاح میں گویا عدالت عالیہ (ہائیکورٹ) کے فیصلہ جات ہیں پھر (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

حضور علیہ السلام سے دور تھے وہ اپنے اپنے علاقہ صحابی کو اپنا مقتدا جانتے تھے۔ اور ہر ایک مسئلہ میں انہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یہی تقلید تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ عقد الجید میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام جس جس ملک میں گئے اس ملک کے لوگوں نے انہی کو اپنا مقتدا بنایا۔ یہی تقلید تھی جو حضور ﷺ کے زمانہ میں پائی جاتی تھی [1] جیسے کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں گزرا علاوہ اس کے کسی چیز کا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہونا ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تو قرآن شریف بھی کتابی صورت میں جمع نہ تھا۔ کتب حدیث بھی اس زمانہ میں [2] نہ تھیں۔ تو کیا یہ بھی منع ہے۔ اور یہ کہنا کہ دین پورا ہو گیا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ

(گزشتہ سے پیوستہ) انہی مسائل میں مجتہد کی رائے تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص عدالت عالیہ کا فیصلہ موجود ہوتے ہوئے ماتحت عدالت سب جج کی رائے ڈھونڈھتا پھرے۔ یہ طریق کار اختیار کرنے والے یا اس کی ترغیب دینے والے کے حق میں کیا یہ ارشاد موسوی صادق نہیں آئے گا؟ اتستبدلون الذی هو ادنی بالذی هو خیر (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ کیا تم لوگ اعلیٰ درجے کی چیز چھوڑ کر اس کے عوض ادنی درجے کی چیز حاصل کرنا چاہتے ہو؟)

(صفحہ ہذا) [1] بے شک دور دراز رہنے والے مسلمان صحابہ کرام کو اپنا مقتدا مانتے تھے مگر ان سے پوچھتے کیا تھے؟ یہی نا کہ آپ رسول ﷺ کے صحابی ہیں اس مسئلے میں آپ نے حضور ﷺ کا کیا ارشاد سنا ہے؟ پھر جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہوتا بعینہ وہی بیان کر دیتے۔ بعض دفعہ سفر کر کے دوسرے صحابی کے پاس بھی جاتے اور اس سے بھی پوچھ کر مزید اطمینان حاصل کرتے۔ اس زمانے کے حالات کی پوری تفصیل آپکے مسلمہ گواہ (شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ) نے اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ میں کی ہوئی ہے۔ اگر آپ حجۃ اللہ کو دیکھ لیتے تو ہرگز یہ بات نہ کہتے۔ آؤ ہم مسئلہ تقلید شخصی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم کو منصف مان لیں اور انہوں نے زمانہ سلف کے مسلمانوں کے بارے میں تحقیق فرمائی ہے اسی کو کافی سمجھیں۔

شاہ صاحب موصوف حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:

تعیین مذہبی (تقلید شخصی) پہلی تین صدیوں میں نہ تھی بلکہ چوتھی صدی (ہجری) میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔

(ملاحظہ ہو حجۃ اللہ باب حکایت حال الناس قبل الماۃ الرابعۃ)

[2] زمانہ رسالت میں صحابہ کرام کے پاس قرآن شریف الگ الگ سورتوں کی شکل میں لکھا ہوا موجود تھا۔ چنانچہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور ﷺ فرماتے اسکو فلاں سورت میں لکھ لو۔

احادیث گو بصورت کتب (بخاری، مسلم وغیرہ) موجود نہ تھیں مگر قرآن مجید کی (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

دِیۡنَکُمۡ صحیح ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس آیت کے نزول کے بعد سرور عالم ﷺ نے کوئی کلام نہیں کی۔ اگر کی ہے تو کیا وہ حجت شرعی نہیں؟ بلکہ یہ آیت تو مذاہب اربعہ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین پورا ہو چکا ہے۔ پس اگر آئمہ اربعہ کے استنباطات وقیاسات نہ مانے جائیں یا دین میں سے نہ سمجھے جائیں تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ کئی ایسے مسائل ملیں گے جن کا قرآن وحدیث میں صریح ذکر نہیں۔ مثلاً روٹی یا پانی سے عمداً روزہ توڑنے پر کفارہ ہونا۔ یا حقہ سے روزہ کا ٹوٹنا۔ پھر اس پر کفارہ لازم ہونا یا نوٹوں پر زکوٰۃ دینا۔ یا پانی میں پاخانہ کی ممانعت ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ پھر کس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ دین مکمل ہو گیا ہے۔ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مسائل اربعہ کے استنباطات وقیاسات ان مسائل کے مظہر ہیں۔ (1) جو قرآن حدیث میں آئے ہیں لیکن ظاہر نہیں۔ اور ہر ایک اسے سمجھ نہیں سکتا فطوبٰی حامل فقه غیر فقیه اور رب مبلغ اوعی له من سامع میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ———

طرح قلمی بیاضوں میں برابر لکھی جاتی تھیں۔ صحیح بخاری میں باب کتابت العلم ملاحظہ کریں۔

ناظرین کرام! مسئلہ تقلید شخصی اتنا بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کے دو بڑے گروہوں میں ایک وسیع خلیج کی طرح حائل رہا ہے۔ مگر اس کے ثبوت میں مولوی صاحب ایسی کچی باتیں کرتے ہیں جو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ گویا ایک لحاظ سے آپ نیا علم کلام ایجاد کر رہے ہیں۔ ایسے ہی مواقع پر یہ مشہور کہاوت بولی جاتی ہے۔ ہمارے پیر میں کرامت ہے کہ لو ہا ترا دے اور بھس ڈبو دے۔

(صفحہ ہذا) (1) مولانا! آپ نے استنباط، قیاس اور اظہار حکم یہ تین الفاظ بول کر مسئلہ تقلید شخصی کو خوب صاف کر دیا ہے۔ جزاك الله احسن الجزاء ایں کار از تو آمد مرداں چنیں کنند

سنیئے جناب! جتنے مسائل آپ نے پیش کئے ہیں ان کو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی آیت یا حدیث سے استنباط کر کے نکالا ہے یا از خود ایجاد کیا ہے؟ ایجاد کرنا تو مجتہد کا منصب نہیں۔ اس لئے کہ کسی مسئلے کو قرآن یا حدیث کی سند کے بغیر ایجاد کرنا افتراء علی اللہ ہے جو کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ پس مطلع صاف ہے کہ اس آیت یا حدیث کو (جس سے کسی مجتہد نے مسئلہ نکالا ہے) پیش کر کے ہمارے دستخط کرا لیجئے قصہ ختم۔ آپ نے خود ہی مجتہد کو مظہر حکم کہا ہے۔ موجد حکم نہیں کہا۔ مظہر حکم کے معنی ہیں مخفی حکم کو ظاہر کرنے والا۔ استنباط کے معنی بھی یہی ہیں کہ کسی نص صریح سے کوئی مخفی حکم نکالا جائے اس سے ہم منکر نہیں ہیں۔

مثلاً حدیث شریف میں آیا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب مت کیا کرو۔ اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ایسے پانی میں پاخانہ کرنا بھی منع ہوگا کیونکہ وہ بھی ناپاکی ہے۔ بحالت روزہ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اور یہ کہنا کہ آئمہ اربعہ نے اپنی تقلید کے لیے نہیں فرمایا۔ بالکل غلط ہے۔ انہوں نے جو اصول وضوابط وضع کیے۔ تو کیا وہ اس لیے وضع کیے کہ لوگ عمل نہ کریں۔ انہوں نے کتابیں لکھوائیں تو اس لیے کہ کوئی ان پر عمل نہ کرے۔ نہیں انہوں نے مسلمانوں کے عمل کے لیے آسانی کر دی۔ اور ہر ایک مسئلہ کا جو کہ ابھی وجود میں بھی نہ آیا تھا۔ جواب لکھ دیا۔ تا کہ ہمیں تکلیف نہ ہو ہمارے لیے روٹی پکا کر رکھ دی کہ خود پکانی نہ پڑے۔ ہاں جن لوگوں نے آئمہ کا دامن چھوڑا۔ اور خود قرآن وحدیث سمجھنے کا دعویٰ کیا وہ گمراہ ہو گئے اور کئی دوسروں کو بھی ساتھ لے کر ڈوبے۔ اعاذ ناالله منهم ❶ البتہ آئمہ نے اپنے مجتہد شاگردوں کو فرمایا تھا کہ ہمارا قول

(گزشتہ سے پیوستہ)

تین کام کھانا پینا جماع کرنا ممنوع ہیں۔ ایک صحابی نے آ کر عرض کیا کہ حضور! میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے۔ یہ سنکر آپ نے اسکو روزہ توڑنے کا کفارہ دینے کا حکم دیا۔ اس پر قیاس کر کے امام صاحب نے قصداً کھانے پینے کی چیز استعمال کر کے روزہ توڑنے والے پر کفارہ ادا کرنا واجب ٹھہرایا۔
آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے چچا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صاحب اس قیاسی مسئلہ کو نہیں مانتے سو یہ آپکے گھر کا معاملہ ہے۔ آپ خود آپس میں نپٹ لیں۔ محتسب را درون خانہ چہ کار آج کل نوٹ تجارتی کاروبار میں سکے کی طرح چلتے ہیں۔ اس لیے ان پر زکوٰۃ اسی طرح فرض ہو گی جس طرح سونے چاندی کے سکوں پر فرض ہے۔
ریل گاڑی رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی مگر کشتیوں کا استعمال برابر ہوتا تھا۔ اسی لیے کشتیوں پر قیاس کر کے ریل گاڑی میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔
قرآن مجید کا ایک جامع ارشاد بھی سن لیجیے!
"فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا"
یعنی بوقت خوف یا پیادہ یا سواری کی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو۔ چونکہ ریل گاڑی بھی سواری میں داخل ہے۔ اس لیے اگر نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو چلتی چلتی گاڑی میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔
(صفحہ ہذا) ❶ اس اقتباس میں مولانا بڑے ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ اہل حدیث کو گمراہ اور گمراہ کن قرار دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مکان کے ارد گرد اہل حدیثوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے اور ان کی شکلیں دیکھ کر آپ کو طیش آ رہا ہے۔ وہ لوگ مولانا کی سخت کلامی کے جواب میں غالباً یہ شعر پیش کرتے ہوں گے یا کریں گے۔

مکش بہ تیغ ستم والہان سنت را   نہ کردہ اند بجز پاس حق گناہ دگر

ہاں مولانا! ہم پہلے بھی پوچھ آئے ہیں اور اب مکرر پوچھتے ہیں کہ وہ اصول کیا تھے جو آئمہ اربعہ نے وضع کئے تھے کبھی وہ آپ نے دیکھے بھی! ہم آپ کو تکلیف دیتے ہیں کہ ان کو معلوم کرنے کیلئے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہمارا رسالہ "تقلید شخصی و سلفی" ملاحظہ کیجئے۔ پھر بتایئے کہ وہ اصول ایسے ہیں جن سے مسئلہ تقلید شخصی ثابت ہو سکے آپ کا یہ فرمانا کہ آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں چونکہ ہمارے عمل کے لیے لکھی گئی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنی چاہیے۔"

مولانا! آپ نے جو چند رسالے لکھے ہیں یا آئندہ لکھیں گے تو کیا انکے لکھنے سے آپکا مقصود بھی اپنی تقلید شخصی کرانا ہے یا ہوگا؟

مولوی صاحب! آپکا فقرہ ذیل کہ آئمہ اربعہ کا دامن چھوڑ کر حدیث کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔ ذرہ تشریح طلب ہے۔ آئمہ اربعہ خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب (جس میں آپ نے احادیث نبویہ کی تفہیم یا تشریح کی ہو) اگر آپکے پاس موجود ہو تو اسے پیش کریں تا کہ ہم بھی اس سے استفادہ کریں۔ اگر نہیں پیش کر سکتے تو آپ بھی اسی اعتراض کے مورد ٹھیرے جو ہم پر وارد کر رہے ہیں۔ علاوہ اسکے میں آپ سے یہ بھی پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات سے پہلے قرآن و حدیث کو سمجھنے کا کیا طریقہ تھا؟ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولانا عبدالحکیم مرحوم سیالکوٹی (شارح خیالی) بازار میں جا رہے تھے کہ اچانک ایک طالب علم پر نگاہ پڑی جو خیالی (۱) کا سبق یاد کر رہا تھا۔ آپ نے ذرا وہاں ٹھہر کر پوچھا "میاں کیا پڑھ رہے ہو" طالب علم مذکور ممدوح کو پہچانتا نہ تھا اس نے کہا کہ میں خیالی کا سبق یاد کر رہا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہارے استاد کے پاس خیالی کا حاشیہ "عبدالحکیم" بھی ہے؟ اس طالب علم نے کہا کہ "نہیں"۔ مولوی صاحب نے جواباً فرمایا تمہارا استاد خیالی کا مطلب کیسے سمجھتا ہوگا؟ ذہین طالبعلم نے جواب دیا کہ جس طرح عبدالحکیم نے سمجھا ہے۔ مولوی صاحب موصوف اسکی ذہانت کے قائل ہو کر آگے چل دیئے۔ خیالی علم کلام کی ایک بڑی مشکل کتاب کا نام ہے جس کے متعلق یہ کلام مشہور ہے:

خیالات خیالی بس بلند است نہ ایں جا جائے قل احمد نہ جند است
ولے عبدالحکیم از رائے عالی بحل کردہ خیالات خیالی

مولانا! اس لطیفے سے آپکو بھی کچھ فائدہ ہوا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں نے آئمہ اربعہ کا مرتبہ نبوت کے منصب کی طرح بہت بلند سمجھا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ آپ لوگوں کو اونچے پہاڑ پر چڑھنا اس سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی عالم اپنے فہم سے قرآن و حدیث کا مطلب سمجھے لیکن جب اپنے اختراعی مسائل پر اتر آتے ہیں تو میت کے تیجے، ساتے، چالیسویں کا ثبوت بھی قرآن مجید سے دینے لگ جاتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

سنئے! اور کان کھول کر سنئے! مسائل مندرجہ ذیل کا ثبوت آئمہ اربعہ کی فقہ سے عموماً اور امام صاحب کی فقہ سے خصوصاً دیجئے۔

(۱) بڑے پیر صاحب کی گیارہویں (۲) مولود مروجہ کی مجلس (۳) بریلی کی گاگریا (۴) مزارات پر قبے بنانا۔ (۵) قبروں پر چراغاں کرنا۔ (۶) قبروں پر چادریں چڑھانا۔ (۷) اہل قبور (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اگر کسی حدیث صحیح کے خلاف پاؤ تو چھوڑ دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا۔ پھر بڑے وثوق سے فرمایا کہ ہمارا قول کوئی مخالف حدیث نہیں۔ اگر تم مخالف پاؤ تو چھوڑ دو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان آئمہ کو اپنی حقانیت پر پورا پورا یقین تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ جب خلاف دیکھو تو چھوڑ دو۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ تم اگر کسی حدیث کو اپنے فہم میں صحیح سمجھو اور ہم نے جس آیت یا حدیث سے مسئلہ اخذ کیا ہے۔ اس کو تم اپنی سمجھی ہوئی حدیث کے خلاف سمجھو تو وہ آیت یا حدیث چھوڑ دو۔ جس سے ہم نے مسئلہ سمجھا ہے۔ بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا ہے کہ میرا قول (جس کے لیے کوئی دلیل نہ ہو) وہ بھی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو چھوڑ دو۔ اور ایسا خدا کے فضل سے کوئی مسئلہ نہیں۔ جس میں مجتہد کے پاس دلیل نہ ہو۔ ❶ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(گزشتہ سے پیوستہ) سے استمداد کرنا (۸) میت کی جمعرات (۹) جلسۂ عرس کرنا (۱۰) تصور شیخ رکھنا (۱۱) رسول اکرم ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر جاننا (۱۲) شیئاً للہ پڑھنا۔

کیا یہ مسائل ائمہ اربعہ کی کتب مدونہ میں ملتے ہیں یا آپ نے خود ایجاد کیے ہیں؟ اگر دوسری صورت ہے تو یہ فتویٰ آپ پر بھی عائد ہوتا ہے کہ آپ بھی گمراہ اور گمراہ کن ہیں۔

مولوی صاحب!

آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر
مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

❶ (صفحہ ہذا) مولوی صاحب! اگر آپ کا یہ خیال صحیح ہے تو فرمائیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جو فاتحہ خلف الامام آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ مسائل کے قائل ہیں کیا انکے پاس بھی دلائل ہیں؟ ان کے سوا سینکڑوں مسائل ہیں جن میں آئمہ ثلاثہ میں سے ایک یا دو یا تینوں حنفیہ کے خلاف ہیں۔ کیا ان سب مسائل کے دلائل بھی ان کے پاس ہیں؟ اگر ہیں تو آپ ان کو ترک کرنے کا حق کیونکر رکھتے ہیں۔ امام صاحب کا اپنے شاگردوں کو فرمانا کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دینا گو آپ اس کی کتنی ہی تاویل یا تحریف کریں اس سے یہ امر تو بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ آئمہ اربعہ کے اقوال شریعت میں منتہائے کلام نہیں کیونکہ منتہائے کلام صرف خدا رسول کا کلام ہے۔ انہی معنی میں کہا گیا ہے۔

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے دردانہ درج مصطفیٰ ہے:

صوفی و عالم و حکیم دینی کرتے رہے اس کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب و مقتدا ہے وہ بھی اسی در کا اک گدا ہے
ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار

نوٹ: ایسے بے ہودہ اعتراضات کرنے والے وہابی معلوم دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ملنا جلنا ممنوع ہے۔ اللہ فرماتا ہے وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ حدیث میں آیا ہے المرء مع من احب۔ (1)

پس مسلمانان اہلسنت کو لازم ہے کہ ایسے اعتقاد والے لوگوں سے بچتے رہیں کہ یہ گمراہ کر

(1) اس نوٹ میں بھی مولوی صاحب بہت خفا نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایسے اعتراج کرنے والے وہابی معلوم ہوتے ہیں۔ ''معلوم ہوتے ہیں'' کہنا تو استنباط کا درجہ ہے یوں کہئے کہ وہابی ہیں۔ کیا کسی کا اعتراض سن کر کسی عالم سے جواب پوچھنا اصل معترض سے محبت کرنے کا ثبوت ہے؟ مثلاً آپ کا کوئی معتقد کسی آریہ سے کوئی اعتراض سنے یا ستیارتھ پرکاش کو پڑھ کر آپ سے کوئی بات پوچھے تو وہ آریوں سے محبت کرنے والا ٹھہرے گا۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ ان اعتراضات کے جوابات ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اس لیے ہم اپنی بھیڑوں کے گلے کو الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ سچ ہے۔

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں کنجے گرفت وترس خدا رابہانہ ساخت

اہل حدیث کا مذہب اور اس کی شہادت:

ناظرین کرام! اہل حدیث کا مذہب ہے: لا إلہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی اللہ کو الوہیت میں واحد لاشریک ماننا۔ اور محمد رسول ﷺ کو اطاعت اور اتباع میں واحد ماننا۔ امور شرعیہ میں کسی امتی کی ذاتی رائے کو داخل نہ جاننا مسلم ہونے کے لیے حنفی شافعی وغیرہ بننے اور کہلانے کو داخل اسلام نہ سمجھنا۔ ہاں ان بزرگوں کو مبلغ اسلام اور خدام اسلام سمجھ کر ان کی عزت کرنا۔ مگر عمل کے لیے صرف قرآن وحدیث پر نظر رکھنا۔ یہ ہے جماعت اہل حدیث کا مذہب۔ اس کی شہادات قرآن وحدیث' اقوال آئمہ اور کتب مفصلہ مثل کتاب معیار الحق وغیرہ میں درج ہیں۔

آج ہم ایک مستند عالم' علماء احناف ہند کے سرتاج کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کو ایک دفعہ عدالت میں سوال ہوا کہ' کیا حنفی' شافعی ہونا اسلام میں کوئی ضروری شرط ہے؟ آپ نے باقرار صالح (حلفاً) جواب فرمایا:

حنفی وغیرہ ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا۔ اور پیغمبر صاحب اور اصحاب رضی اللہ عنہم اور امام رحمۃ اللہ علیہ کے وقتوں میں حنفی شافعی وغیرہ (ناموں) سے مسلمان موسوم نہ تھے۔ (مجموعہ فتاوی لکھنوی جلد اول صفحہ ۳۸۵)

ہمارے مخاطب مولوی محمد شریف صاحب غالباً (بلکہ یقیناً) اس فتوے سے متفق ہیں کیونکہ آپ نے بھی زمانہ رسالت یا عہد خلافت راشدہ میں ان ناموں کا ثبوت نہیں دیا۔ چونکہ آپ نے تقلید شخصی کی فرضیت یا وجوب پر کوئی شرعی دلیل نہیں دی لہٰذا اس پر یہ کہنا بالکل بجا ہے۔

نہ رکھے تقلید کی کچھ بھی سند پھر اس پہ اڑتے ہیں عجب دانا مقلد ہیں کہ بے ہتھیار لڑتے ہیں

دیں گے اور سواد اعظم کے متبع رہیں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔ فقط والسلام علی من اتبع الھدی ھذا من عندی و العلم عند اللہ امر برقمہ ابو یوسف محمد شریف الکوتلوی عفا اللہ عنہ"

(الفقیہ ۲۱۔ اکتوبر ۳۸)

تقلید شخصی بطرز منطق

اسلام وہ دین ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا جو حنفیت شافعیت سے بہت پہلے مستحق تھا۔ پس حنفیت شافعیت وغیرہ نسبتیں اگر اس میں فصول کی طرح داخل ہیں تو یہ مذاہب انواع مختلفہ ہونے کی وجہ سے متبائن ہوں گے۔ ولم یقل بہ احد۔ اور اگر یہ نسبتیں داخل فی الماہیت نہیں بلکہ محض ذہنی ہیں جیسے ہندی سندھی وغیرہ میں تو یہ مذاہب اصناف ہوں گے۔ جن کی ماہیت متحدہ ہوگی۔ اختلاف صرف ذہنی ہوگا۔ پس اصحاب تقلید کو اختیار ہے کہ ان دونوں شقوں میں سے جو شق چاہیں اختیار کریں اگر دونوں ناپسند ہوں تو منطقی قاعدہ سے تیسری بتائیں۔

والسلام! ھا انا ابو الوفاء

"مناکحت وہابیہ" کا جواب

کوٹلی ضلع سیالکوٹ کے مولوی محمد شریف صاحب خاص دل و دماغ کے بزرگ ہیں۔ حنفیہ کرام (بریلوی حضرات) سے بھی ترقی یافتہ ہیں۔ آپ کی ترقی کا نمونہ آپ کی ایک تحریر ہے جس میں اپنے خیال کے حنفی اور اپنے مخالف رائے اہل توحید (اہل حدیث اور دیوبندی) میں مناکحت جائز نہیں سمجھتے چنانچہ ان کی تحریر "مناکحت وہابیہ" اس پر شاہد ہے۔ اس تحریر کا جواب بالا جمال و بالتفصیل اخبار "اہل حدیث" میں دیا گیا۔ ناظرین کے استفادہ کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ اجمالی جواب حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کی طرف سے لکھا گیا۔ بعد انتظار تفصیلی جواب مولوی عبداللہ صاحب ثانی نے لکھا۔ ہر دو درج ذیل ہیں۔ (مرتب)

کوٹلوی ضلع سیالکوٹ کے علمائے مقلدین تقلید ترک کر گئے

مناکحت وہابیہ پر اجمالی نظر:

ایک چھوٹا سا ٹریکٹ موسومہ بہ ''مناکحت وہابیہ'' نظر سے گزرا۔ جو مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی تالیف ہے۔ ان حضرات سے ہم کو جسمانی تعارف نہیں ہے سنتے ہیں کہ آپ موضع کوٹلی میں احناف مقلدین کے امام ہیں اور تقلید شخصی میں ایسے پختہ ہیں کہ غیر مقلدین کے ساتھ مناکحت (لڑکی لڑکے کا رشتہ) بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اور دلیل میں قرآن وحدیث تو کیا اپنے امام کا قول بھی پیش نہیں کرتے۔ محض خیالی اور ہوائی قلعے بناتے ہیں۔ چونکہ ان کا دعویٰ تقلید شخصی کا ہے۔ اسی لیے ہم ان کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ پہلے مقلد کا منصب سمجھیں کہ کیا ہے۔ ہمارے لفظوں میں نہیں علمائے اصول کے الفاظ میں غور کر کے اپنے لئے فیصلہ کریں کہ وہ فتویٰ دے کر دائرہ تقلید سے باہر ہو گئے یا نہیں (ہمارے خیال میں تو یقیناً آپ تقلید سے باہر ہو گئے) وجہ اس کی یہ ہے کہ مقلد کا مرتبہ ایک غلام کا سا ہے۔ جس طرح غلام کوئی کام اپنے مالک کے اذن کے بغیر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مقلد اپنے امام کے قول کے بغیر فتویٰ نہیں دے سکتا۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت کتب اصول سے سنئے! مسلم الثبوت میں ہے:۔

اما المقلد فمستنده قول مجتهده یعنی مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے۔ اس کا اپنا علم یا ظن کوئی چیز نہیں۔ صاحب توضیح نے مقلد کا طریق استدلال اپنے لفظوں میں یوں لکھا ہے:۔ فیقول المقلد هذا ما ادی الیه راء ابی حنیفة و کل ما ادی الیه راء ابی حنیفة فهو عندی صحیح یعنی مقلد اپنی دلیل یوں بیان کرے کہ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کی یہ رائے ہے اور جو رائے امام ابوحنیفہ کی ہو میرے نزدیک وہی صحیح ہے۔ یہ دو عادل گواہ ہمارے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ مقلد اپنے ہر ایک مذہبی قول وفعل پر اپنے امام کا قول پیش کرے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو تقلید سے خارج ہو جائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسالہ مذکور میں مصنف نے اپنے دعوے پر اپنے امام کا قول پیش نہیں کیا بلکہ ایسے نازک اور اہم مسئلہ میں

اپنے قیاسات اور خیالات سے کام لیا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔
چونکہ وہابی لوگ ہم حنفیوں کو مشرک کہتے ہیں اسلیئے باہم مناکحت جائز نہیں۔ اگر وہابی حنفیوں کو بدعتی ٬مشرک لکھنا٬ کہنا٬ سمجھنا چھوڑ دیں تو آج ہی رشتہ لینا دینا شروع ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۴)

یہ ہے فاضل مصنف کا دعویٰ۔ اس کی دلیل مصنف اور اس کے ہم نواؤں سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے اس دعویٰ اور دلیل پر کیا وہ طریقہ استدلال صادق آتا ہے جو صاحب توضیح نے مقلد کے لیے بتایا ہے۔ جس کو اردو الفاظ میں آپ کے سامنے یوں رکھتے ہیں کہ وہابی حنفی میں مناکحت جائز نہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ صاحب نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اور اگر یہ صحیح ہے تو امام کا قول پیش کر کے بے شک مقلد بنے رہیئے اور اگر نہیں ہے تو کسی آیت یا حدیث میں کھینچا تانی کی قسم کا استدلال کر کے دائرہ تقلید سے باہر نہ ہو جایئے۔ کیونکہ مقلد جب استدلال کرتا ہے تو دائرہ تقلید سے نکل جاتا ہے۔ جو اس کے حق میں ہمارے نقطہ نگاہ سے تو اچھا ہے۔ کیونکہ ہمارے افراد میں کثرت کا موجب ہے مگر آپ کے نقطہ نگاہ سے کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ ورنہ آپ کے بھائی بند آپ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھیں گے۔

مل گئی اے دل تجھے کفران نعمت کی سزا   میرے پہلو سے گیا پالا ستمگر سے پڑا

نوٹ: کئی سال کا واقعہ ہے جن دنوں میں دیوبند اور گنگوہ سے حلت کوا کا فتویٰ شائع ہوا تھا تو بریلوی خیال کے مقلدین نے بڑی لے دے کی تھی۔ میں ان دنوں کسی کام پر دیوبند گیا تھا۔ حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے۔ کیوں یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ فرمایا اور ٹھیک فرمایا کہ ہم کہتے ہیں کہ چونکہ ہم فریقین (دیوبندی اور بریلوی) حنفی مقلد ہیں امام ابوحنیفہ صاحب کا فتویٰ ہم دونوں پر نافذ ہے پس تم لوگ ہمیں امام ابوحنیفہ کا قول دربارہ حرمت کوا دکھا دو ہم مان جائیں گے۔

واقعی حنفی مقلد کے لیے سنہرا اصول ہے کہ اپنے امام کے قول پر مدار کار رکھے۔ اگر اس سے سرمو تجاوز کرے گا تو تقلید سے باہر ہو جائے گا۔ اس اصول کے ماتحت مولوی محمد شریف صاحب کوٹلوی ہمیں بتائیں ہم ان کو اس رسالہ (وہابیہ سے مناکحت) کی وجہ سے مقلد سمجھیں یا غیر مقلد۔ اس کا جواب مدلل بہ اصول فقہ آنے پر اصل رسالے پر نظر کی جائے گی۔ انشاء اللہ (ابو الوفاء)

رسمی حنفیوں کے مفتی کوٹلی میں

مناکحت وہابیہ کا تفصیلی جواب:

رسالہ مناکحت وہابیہ کوٹلی ضلع سیالکوٹ سے شائع ہوا ہے۔ جس کے متعلق حضرت مولانا مدیر مدظلہ نے ''اہلحدیث'' میں مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۳۸ء میں ایک مقالہ لکھا تھا جس میں اصولاً تحریر فرمایا تھا کہ مقلد پر بحیثیت مقلد ہونے کے لازم ہے کہ ہر مسئلے میں اپنے امام کا قول سنداً پیش کرے۔ اس کے سوا اور کچھ کہنے کا اسے حق نہیں۔ ''مناکحت وہابیہ'' کا مصنف چونکہ مقلد ہے۔ اس لیے اس کا فرض ہے کہ اپنے پیش کردہ مسائل پر اپنے امام کا قول پیش کرے۔ بحوالہ کتب اصول فقہ اس کو مدلل لکھا تھا۔ اس اصولی تبصرہ کا جواب تا حال نہ منصف دے سکا اور نہ ان کے اعوان وانصار جرات کر سکے ہیں نہ آئندہ دے سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

اس کے بعد احباب کوٹلی کا تقاضا آیا ہے کہ تفصیلی جواب بھی شائع ہونا چاہیے۔

چنانچہ انکے شوق کو ہم پورا کئے دیتے ہیں۔ ورنہ حضرت مولانا موصوف کے آہنی پنجہ سے ایسے لوگ کبھی نہیں چھوٹ سکتے۔ درحقیقت وہی اصول فیصلہ کن ہے۔

کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ میں ایک بستی ہے۔ جہاں کے ایک مفتی صاحب بریلوی خیال کے رسمی حنفی ہیں۔ ان کی طرف سے ایک فتویٰ شائع ہوا ہے کہ اہل حدیث و حنفی کے مابین کوئی رشتہ نکاح کا نہ ہونا چاہیے نہ ان وہابیوں کو لڑکی دیں نہ لیں۔ رشتہ کیوں نہ ہو۔ مفتی صاحب نے اس کی بیس وجہیں تحریر کیں جو قابل دید ہیں۔ بغرض ملاحظہ ناظرین انہیں کے الفاظ میں درج ذیل ہیں۔

(۱) ہم لوگ یا رسول اللہ کہتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

(۲) ہم مقبولان بارگاہ الٰہی سے توسل پکڑتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

(۳) ہم تقلید شخصی ضروری مانتے ہیں وہ اسے شرک سمجھتے ہیں۔

(۴) ہم مجلس میلاد میں قیام کرتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

ہم تصور شیخ کرتے کراتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

(۵) ہم یا شیخ عبدالقادر پڑھنا جائز سمجھتے ہیں وہ اسے شرک سمجھتے ہیں۔

(۶) ہم پیر صاحب کی گیارھویں دیتے ہیں وہ اسے شرک جانتے ہیں۔

(۷) ہم پیر صاحب کا بکرا جب خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حلال جانتے ہیں وہ اسے شرک اور حرام کہتے ہیں۔

(۸) ہم سرور عالم کو عالم ماکان و مایکون سمجھتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

(۹) ہم حضور علیہ السلام کو مختار مانتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

(۱۰) ہم حضور علیہ السلام کو نور کہتے ہیں اور صرف بشر کہنے کو بے ادبی سمجھتے ہیں وہ اسے شرک کہتے ہیں۔

(۱۱) ہم جمعہ کے بعد ظہر پڑھتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۲) ہم ایصال ثواب کے لیے تیجا' دسواں' چالیسواں کرتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۳) ہم کفنی لکھتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۴) ہم کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۵) ہم میت کی اسقاط کرتے کراتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۶) ہم تین دن میت کے بعد کلمہ پڑھتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۷) ہم جنازہ کے بعد دعا مانگتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۸) ہم بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں وہ اسے بدعت کہتے ہیں۔

(۱۹) ہم ۱۲۔ ربیع الاول کو میلاد شریف کی خوشی میں جلوس نکالتے ہیں وہ بدعت کہتے ہیں۔

(۲۰) (رسالہ وہابیہ سے مناکحت صفحہ ۲۔۳)

وجوہ مذکورہ بالا کے مفتی صاحب یوں فتویٰ مرتب کرتے ہیں۔ چونکہ وہابی (اہلحدیث) حنفیوں کو مشرک کہتے ہیں اور حنفی ان کو مشرک کہتے ہیں اس لئے دونوں کو جائز نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے رشتہ لین دین کا معاملہ کریں۔ اس پر آپ نے تمام وہ آیتیں جو مشرکوں سے علیحدگی کے متعلق آئی ہیں انہی دو گروہوں پر منطبق کی ہیں۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ الایہ وَلَا

تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ الایہ کو آج کل کے اپنے جیسے حنفیوں اور فرقہ اہل حدیث پر چسپاں کیا ہے کہ چونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو مشرک بدعتی کہتے ہیں لہٰذا ان کو ناجائز ہے کہ باہم رشتہ (مناکحت) کریں۔

یہ ہے خلاصہ تمام رسالہ کا جس سے مفتی صاحب نے باہم اسلامی گروہوں میں منافرت کی کوشش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے خلف بشیر میاں نے منافرت انگریزی کا ملکہ اپنے اباجی سے ہی سیکھا ہے بہرحال اب ہم نے اس رسالہ پر تین طرح سے بحث کرنی ہے۔

(۱) مفتی صاحب کے بیان کردہ عقائد اصل حنفی مذہب کو لحاظ رکھ کر کیا واقعی متنازعہ ہیں؟

(۲) امور مذکور کی مذہبی حیثیت کیا ہے اور کیا وہ فی الواقع جزو مذہب قرار دیئے جانے کے قابل ہیں؟

(۳) اگر کوئی ان کو شرک یا بدعت کہے تو وہ حق بجانب ہے؟ یا ان کی تردید کے باعث خود بدعتی اور مشرک کہلانے کا حق دار ہے۔

امر اوّل کے متعلق تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کرتے ہیں کہ کوئی ذی علم وصاحب دیانت امور مذکورہ کو اہل حدیث کے درمیان متنازع قرار نہیں دے سکتا اگر یہ امور باعث نزاع ہوتے تو زمانہ سابق میں ان پر بحث ہوتی اور وہ آج کتب فقہ حنفیہ میں بحثیں درج ہوتیں۔ مگر کتب حنفیہ ایسے بدعیہ شرکیہ امور سے خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا مدیر "اہل حدیث" کے مواخذہ (جس کا ذکر ابتدائی نوٹ میں ہم نے کیا ہے) کا جواب آج تک مفتی معہ اعوان وانصار نہیں دے سکے اور نہ دے سکیں گے۔ انشاء اللہ

پس بات بالکل واضح ہے جن امور میں عہد سابق کے مسلمان مختلف نہ تھے بلکہ بالاتفاق ان کو بدعت سمجھتے تھے۔ آج ان کو باعث نزاع خیال کرنا نہایت ہی کم علمی کا ثبوت ہے یا ہٹ دھرمی اور ضد ہے۔ جو مسلمان کی شان سے ابعد ہے۔

امر دوم: اس کے متعلق ہم تفصیلی بحث کرنا چاہتے اور نمبروار ہر ضمن کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ عوام کو بخوبی سمجھ آجائے کہ ان امور کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ ناظرین پھر سے تمام نمبر سلسلہ وار پڑھیں اور جواب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مفتی صاحب کا تقابل قابل داد ہے ہم سے مراد آپ کی یقیناً احناف ہیں جس کا مطلب صاف ہے کہ حنفی یارسول اللہ کہتے ہیں اور ہم (اہل حدیث) یارسول اللہ کہنے کو شرک کہتے ہیں۔ پس مفتی صاحب یاد رکھیں ہم حق گوئی میں کسی لومتہ لائم سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ ہم نے لم یخش احد الا اللہ پڑھا ہوا ہے۔ ہمیں نہ کبھی کا ڈر ہے نہ کسی سے حلوہ مانڈہ کا لالچ ہے۔ پس سنئے اور صاف سنئے ہم رسول اللہ ﷺ کو حاظر ناظر جان کر یارسول اللہ کہنے والے کو مشرک کہتے ہیں مگر یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ کے حنفی علماء بھی اس عقیدہ میں ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب قاضی خان میں ہے۔ من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر جو بزرگوں کے ارواح کو حاضر سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور سنئے!

ہندوستان کے استاد حنفیہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم لکھتے ہیں۔

"اگر کوئی التحیات میں السلام علیك ایها النبی پڑھے اور عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم ﷺ خود خطاب سلام کا سنتے ہیں (تو) وہ مشرک ہے۔" (فتاوی رشیدیہ صفحہ ۹۹ جلد ۱)

اور لیجئے! رئیس الحنفیہ مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم لکھتے ہیں۔ "اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند و بہمہ حال برنداء ما مطلع مے شوند اگرچہ از بعید است شرک است۔" پھر مولانا نے عبارت قاضی خان مندرجہ بالا استناداً تحریر فرمائی ہے۔ (فتاوی لکھنوی صفحہ ۳۲۸ جلد ۱۔ طبع اوّل)

(۲) توسل بہ مقبولان بارگاہ الٰہی کو شرک نہیں کہتے۔ ثبوت طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں دعا کرنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ یہ ہے: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب مجھے پکارنے والا پکارے تو میں قبول کرتا ہوں۔ نیز فرمایا۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ مجھے پکارو میں منظور کروں گا۔ اس میں وسیلے کا ذکر نہیں۔ اس کے خلاف طریق دعا کا ثبوت ہو تو پیش کیجئے۔

(۳) اس کا بھی ثبوت مطلوب ہے چونکہ آپ اس (تقلید شخصی) کو مذہبی امر قرار دیتے ہیں اور ایسا مذہبی کہ اس کو واجب یا فرض تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ہم اصول کے مطابق ثبوت مانگتے ہیں کہ اس ضروری امر کا وجود ان ضروریات اسلام میں ہونا چاہیے۔ حالانکہ قرون خیر میں کوئی اس کو نہ جانتا تھا بلکہ شاہ ولی اللہ مرحوم نے تو اس کا وجود چوتھی صدی ہجری میں بتایا ہے۔ تو

صاف بات ہے کہ اس سے قبل کے مسلمان ایک واجب یا فرض سے خالی رہے۔ تو پورے مسلمان (معاذ باللہ) کس طرح ہوئے۔ اگر وہ سچے اور پکے مسلمان اور مومن تھے اور یقیناً یہی بات صحیح ہے تو کیا وجہ ہے کہ آج صدیوں کے بعد اس امر (تقلید شخصی) کو جزو اسلام قرار دیا جائے۔ اس کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے۔ ہاں جو کوئی تقلید شخصی کو ایسا ویسا کہتا ہے اس کے زیر نظر یہ آیت ہوگی۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ الایہ یعنی جو شخص پکے سچے مؤمنوں کی سبیل کے سوا دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ (تقلید شخصی) پکے سچے مومنوں (صحابہ، تابعین اور انکے اتباع و آئمہ رحمہم اللہ) میں نہ تھی۔ اس لئے یہ راستہ ان کا غیر ہے۔ آپ کے پاس اس کا جواب ہو تو احسن طریق پر ادا کریں۔

(۴) اس کے متعلق بھی ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس کا وجود قرون خیر سے ثابت کیجئے اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اپنے حنفی علماء کا فتویٰ سنئے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

"مولود مروجہ بدعت ہے اور بسبب غلط امور مکروہ کے مکروہ تحریمہ ہے" (صفحہ ۱۴۱ جلد ۱) عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے۔ مجلس مولود مروجہ خود بدعت ہے اور اس میں قیام کو سنت موکدہ جاننا بھی بدعت ضلالت ہے۔ (صفحہ ۱۴۲)

فتاویٰ رشیدیہ میں محفل میلاد کے بدعت ہونے پر تقریباً ساٹھ علماء کے دستخط موجود ہیں دیکھو۔ (صفحہ ۱۴۱ تا ۱۶۱)

(۵) اس امر کا بھی ثبوت مطلوب ہے۔ عہد نبوی و قرون مشہود لھا بالخیر سے ثابت کیجئے۔ اور یہ بھی بتائیے کہ تصور شیخ نماز میں بھی ہوگا؟ اگر ہوگا تو حدیث نبوی ان تعبد اللہ کانك تراہ الخ کے خلاف تو نہیں ہوگا۔ اور جب نماز الگ کرے گا تو یہ ذکر میں شامل ہے یا الگ امر ہے۔ اگر یہ بھی ذکر ہے تو ذکر الٰہی میں تداخل تو نہیں؟ اور آیت شریفہ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ کے خلاف تو نہ ہوگا۔ اور یہ بھی فرمائیں کہ تصور شیخ سے شرعی غرض کیا ہے اور توجہ الی اللہ کی بجائے تصور شیخ سے کیا حاصل۔ بہر صورت اصول شریعت سے ثبوت دینے کے علاوہ امور مذکورہ پر بھی روشنی ڈالیں۔

(۶) یہ بالکل درست ہے کہ ہم نداء لغیر اللہ کو شرک کہتے ہیں۔ ہم نہیں قرآن پاک بھیجنے والا کہتا ہے۔ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ الآیہ۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارنا۔ اگر تو ایسا کرے گا تو جہنم میں ذلت کے ساتھ ڈالا جائے گا۔

اور سنو! ارشاد لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارا کرو اور فرمایا: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ الآیہ۔ اللہ کے سوا بے بس کی پکار کو سننے والا کون ہے جب بھی وہ پکارے۔

اگر آیات قرآنیہ سے شبہ رفع نہ ہو تو ایک مقتدر حنفی عالم کی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ وظیفہ شیئاً للہ پڑھنا شرک اور موہم شرک ہے۔ (فتاوی رشیدیہ صفحہ ۳۲ جلد ۱)

(۷) ''وہ'' سے مراد مفتی صاحب کی عاملین بالقرآن ہیں جو مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ پڑھ کر نذر لغیر اللہ کو حرام جانتے ہیں۔

مولوی صاحب سنئے! قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جیسا خنزیر حرام ہے ویسے ہی نذر لغیر اللہ بھی حرام ہے۔ یہ قرآن پاک کی آیت ہے اس کی تفسیر دیکھنی ہو تو تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اور امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر ملاحظہ فرمائیں۔ پھر ایمانداری یہی ہے کہ فرمان الٰہی کے سامنے سر جھکا دیں۔ یا اس آیت اور ان تفسیروں کا صحیح مطلب بتا دیں اور ساتھ ہی شرح فقہ اکبر بھی ملاحظہ کر لیں اور جان بوجھ کر آیت قرآنیہ کے خلاف کریں تو آپ کو کوئی منع نہیں کر سکتا۔ ہمیں اگر آیت وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ کا مصداق معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی تو کوٹلی میں آ جائیں گے۔

(۸) ہم بھی جانتے ہیں کہ کھانے پینے میں آپ ہوشیار ہیں۔ یہاں تک کے پیر صاحب کا مال بھی ہضم کر جاتے ہیں۔ اسی لئے تو پیر صاحب کا بکرا بھی کھانے کو تیار ہو گئے۔ مفتی صاحب نے یہ خوب کہی کہ بکرا خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ مفتی صاحب کا اصل مطلب یہ ہے کہ پیر صاحب کے نام پر جو بکرا پکارا جائے وہ اگر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے۔ آیت قرآنیہ کا مطلب صاف ہے کہ خنزیر حرام ہے اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر تقرباً پکاری جائے وہ بھی حرام ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ خنزیر کی حرمت حقیقی ہے تو بکرے کی حرمت حکمی۔ مگر حرام

ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ پھر کیا یہ ٹھیک ہے کہ خنزیر کو کوئی شخص اللہ کا نام لے کر ذبح کر لے تو حلال ہو گا۔ اگر نہیں تو یقیناً نہیں تو بکرے کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کس طرح آپ حلال اور طیب سمجھ کر کھا سکتے ہیں۔

(۹) آپ رسول اللہ ﷺ کو عالم ما کان ویکون (عالم الغیب) کہیں مگر یاد رکھیں مقابلہ زبردست ہستی (خدا) سے ہے۔ اس کے مقابلہ میں آپ کو کوئی ذرہ ناچیز بھی نہ سمجھے گا۔

آپ کہتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ عالم الغیب ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ بزبان سید الانبیاء کہلواتا ہے۔ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ اے پیغمبر اعلان کر دیجیو کہ میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب جانتا ہوں۔

اب بتائیے حضور علیہ السلام سے خدا کہلوائے کہ کہو میں غیب نہیں جانتا۔ اور آپ فرمادیں کہ رسول عالم الغیب ہے۔

کوئی شک نہیں کہ دونوں جملے بالکل ایک دوسرے کی نقیض (ضد) ہیں اور ان کے قائل بھی الگ الگ ہیں اگر ایک فریق سچا ہے تو دوسرا کاذب۔ اب آپ ہی بتا دیں کہ کون سچا ہے ہمارا تو ایمان ہے۔

صدق اللہ ورسولہ۔ اللہ ورسول نے سچ کہا ہے

دیکھیں کوٹلی کے مسلمان کیا کہتے ہیں۔

(۱۰) یہ آپ کی ایمانداری ہے کہ آپ ایک مختار کے مقابلہ میں دوسرا مختار بھی مانتے ہیں۔ قرآن مجید کی مخالفت آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔ اور کوئی کیا کر سکتا ہے۔ آپ جانیں اور مختار جہاں جانے۔ جس نے صاف اعلان کر دیا ہے:۔

بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ۔ اسی (خدا) کے ہاتھ میں ہر چیز کے اختیارات ہیں۔

اور سنئے! جن کو آپ مختار کہتے ہیں ان سے خدا کہلواتا ہے:۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا الآیہ

میں (پیغمبر) اپنے نفس کے برے بھلے کا بھی مالک نہیں

اور اپنی بیٹی کو فرماتے ہیں:

فَاِنِّی لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ میں تیرے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔
اب بتایئے! کون سا کلمہ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو مختار جہاں ہے۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ سے کہلواتا ہے کہہ دو کہ لا املك میں مالک نہیں ہوں۔ قرآن حدیث کی اس صریح تعلیم کے بر خلاف آپ (کوٹلوی) کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام مالک مختار ہیں۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ خدا سچا اور اس کا رسول سچا ان کے کلمات سچے۔ اب دیکھیں بڑے میاں (مولوی محمد شریف) کیا فرماتے ہیں:

(۱۱) ہم بھی حضور علیہ السلام کو نور علی نور خیال کرتے ہیں اور آپ خاکی پیدائش ہو کر اعلیٰ درجہ کا نورِ ایمان حاصل کیے ہوئے ہیں۔ از سرتا پا نور ایمان سے منور ہیں۔ گویا کہ مجسم نور ایمان ہیں۔ مگر پیدائش خاکی۔ جیسے کہ آپ خود فرماتے ہیں:۔ انا سيد ولد آدم میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ آپ اولاد آدم سے ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ الایہ

(۱۲) اگر سچے ہو تو اس فعل کا ثبوت عہد نبوی و عہد صحابہ سے دو ورنہ ہم صاف کہیں گے کہ یہ بدعت ہے۔ اگر اپنے گھر کی شہادت چاہتے ہو تو درمختار دیکھو۔

(۱۳تا۱۸) یہ تمام ٹھیک بدعت ہیں اور ملاؤں نے کھانے پینے کے لیے بنا لئے ہیں اگر سچے ہو تو عہد نبوی و زمانہ صحابہ سے ان کا ثبوت دو۔

ورنہ خاموش کہ ایں شور وفغاں چیزے نیست

(۱۹) یہ افترا ہے ہم بھی بیس رکعت تراویح کو بدعت نہیں کہتے۔ البتہ آٹھ کو سنت ضرور کہتے ہیں۔ حنفی مذہب کے امام شیخ ابن ہمام بھی اسی کے قائل ہیں۔ معلوم نہ ہو تو فتح القدیر دیکھ لیں۔

(۲۰) یہ ٹھیک بدعت ہے۔ اگر نہیں تو اس کا ثبوت چھٹی صدی سے قبل دیجئے۔ اگر نہ دے سکو اور ہرگز نہ دے سکو گے ان شاء اللہ تو یوم قیامت کو یاد کرو دنیا ہمیشہ نہیں رہے گی۔ حلوہ مانڈہ چند روزہ ہے۔ آخر حساب کا دن آ رہا ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ

اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف واپس کیے جاؤ گے۔

آپ کا بہی خواہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم

میرا مطالبہ مباہلہ کرنے کا ہے مناظرہ کرنے کا نہیں

مولوی محمد شریف ومحمد بشیر کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ کو میں عرصہ چار سال سے مباہلہ کے واسطے دعوت دے رہا ہوں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ لوگوں کو سنانا شروع کیا۔ مولوی صاحبان نے فرمایا کہ ناگی ترجمہ غلط کرتا ہے پھر میں نے مباہلہ کرنے کے واسطے دعوت دی تو مولوی صاحبان نے کہا کہ ناگی کوئی عالم نہیں جاہل ہے۔ اس کی حیثیت ہی کیا ہے جس سے ہم مباہلہ کریں۔ علمیت اور حیثیت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ مباہلہ کو نکلو ہم میں سے جو قرآن مجید کا دشمن ہے طاغوت ہے۔ لوگوں کو اپنے پیٹ کے لالچ کے واسطے گمراہ کرتا ہے' جاہل ہے' کم حیثیت ہے' کمینہ ہے' حرام کھانے والا ہے۔ اور ہم میں سے جو خدا سے ڈرتا نہیں' متقی پرہیزگار نہیں' بدکار اور مکار ہے اور ہم سے جو اللہ کی اور نبی ﷺ کی' قرآن مجید کی اور اولیاؤں کی اہانت اور بے ادبی کرتا ہے' قرآن مجید کا ترجمہ غلط کرتا ہے' اور ہم میں سے جو مشرک و بدعتی ہے اس پر خدا کی لعنت ڈالیں۔ اور حق کو ثابت کریں۔ دوسرا یہ کہ جو آدمی مباہلہ میں مدت اور عذاب و بیماری کی شرط لگاتا ہے وہ جاہل ہے۔ قرآن مجید سے بے خبر ہے اور یہ کہ جو کہتے ہیں کہ پتہ کیسے لگے گا کہ یہ مباہلہ کا اثر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس کا قرآن مجید پر ایمان نہیں۔ اس کو اثر کبھی معلوم نہیں ہوگا۔ اگر مولوی صاحبان مباہلہ کو نکلنے کے لیے اپنا حرج اور فضول کام خیال کریں تو میں مبلغ دس روپے کسی کے پاس رکھ دیتا ہوں۔ مباہلہ کر آئیں اور لے لیں۔ امید ہے کہ اب مولوی صاحبان کے سب وہمات رفع ہو گئے ہوں گے اب بہت جلدی تاریخ اور وقت مقرر کر کے بذات خود حق ثابت کرنے کے واسطے خدا پاک کی بارگاہ میں مباہلہ کرنے کو نکلیں گے۔ میں انتظار میں ہوں اور بالکل تیار ہوں۔ جلدی کیجئے۔

تا سیاہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

جس میں قدامت وید کا ابطال خود وید کی اندرونی شہادت سے کیا گیا ہے

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلے مجھے دیکھئے

آریوں نے جوش میں آکر جو بت پرستی کے چھوڑنے سے فطرتاً ان میں پیدا ہوا ہے اپنے بانی ❶ کی تقلید میں بہت سے ایسے دعوے بھی کیے جن کا ثبوت ان کے ذہن کے سوا کسی جگہ نہ ہو سکے۔ مثلاً یہ دعویٰ کہ سب زبانوں کی اصل سنسکرت ❷ زبان ہے۔ جو اس وقت زمین کے چپہ بھر قطعہ پر بھی رائج نہیں یا یہ کہ تمام دنیا میں روشنی، ہدایت، تہذیب، ترقی، وید ہی کے ذریعہ سے پھیلی ہے۔ حتیٰ کہ ریل، تار، توپ، بندوق وغیرہ آلاتِ حرب وید ہی سے بنائے گئے ہیں۔

گو اہلِ علم تو ان کو سنتے ہی ہنس کر خاموش ہو جاتے ہیں مگر یہ لوگ اس خاموشی سے یہ نتیجہ نکالا کرتے ہیں کہ ہمارے دعوے کی بداہت نے ان کو خاموش کرا دیا۔ انہی عجوبہ قسم کے دعووں میں سے قدامت وید کا دعویٰ ہے یعنی یہ کہ وید دنیا کے شروع سے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ ان کے ملہموں ہی سے دنیا شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ دنیا کے شروع میں چار رشی (اگنی، وایو، اوت، انگرس) جوان ❸ تبت میں پیدا ہوئے تھے۔ انہی پر چار وید نازل ہوئے جن کو آج ایک ارب ستانوے کروڑ انتیس لاکھ اڑتالیس ہزار نو سو چھیانوے برس گزرے ہیں۔ ازاں بعد تمام دنیا کے

---

❶ گو دیانندی کہلانے کو آریہ سماجی پسند کرتے ہیں (دیکھو اخبار ست دھرم پر چارک جالندھر ۱۰ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۲) مگر ہم ان کو آریہ کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اس نام کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

❷ اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے آریہ جس قدر کوشش کرتے ہیں اس کا نمونہ اخبار ہتکاری امرتسر مورخہ ۲۷۔ جنوری ۱۹۰۵ء کا بے جا تکلف ہے کہ تورات کی کتاب خروج (باب ۳ کی ۱۳۔۱۴ آیت میں جو I am (یعنی میں ہوں) ہے یہ اصل میں اوم ہے۔ پھر اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ وید آدی شاستروں میں اوم ہی ایشور کا اسم اعظم کہا گیا ہے اور یہی خدا کا نام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ کا استاد بھی کوئی آریہ ہوگا۔ (صفحہ ۶ کالم ۳)

چشم بددور کیا تحقیق ہے اول تو یہی غلط کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آئی ایم کہا ہو کیونکہ ان کی زبان تو عبرانی تھی اور آئی ایم انگریزی ہے۔ دوم آئی ایم (میں ہوں) تو مرکب جملہ ہے اور اوم مفرد ہے۔ سماجی مترو! اسی تحقیق سے یورپ اور امریکہ کو فتح کرو گے؟

آہ سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

❸ دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۹۴ اس شمار کو بھی کئی سال گزرے ہیں۔

باشندوں نے بس وید ہی سے علم، روشنی، ہدایت وغیرہ حاصل کیے۔ اتنے بڑے دعوے پر دلیل کیا؟ کچھ نہیں۔ صرف سوامی دیانند کا پرمان یا معمولی اناپ شناپ۔ اسی گھمنڈ پر یہ لوگ ہمیشہ الہامی کتاب کی شروط میں یہ شرط مقدم لکھا کرتے ہیں کہ وہ کتاب شروع دنیا سے ہو۔

دنیا کی پیدائش اور وید کی قدامت کا مسئلہ علماء یورپ کی تحقیقات میں بڑی وضاحت سے ملتا ہے مگر ایسی تحقیق کی جو آریہ پارٹی کے خلاف ہو ان کے نزدیک جو جتنی بھی قدر و قیمت نہیں۔ جب تک سوامی جی مہاراج کے دستخط نہ ہوں۔ آریہ سماج اس کو عزت اور قبولیت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی۔ خصوصاً یورپ کی تحقیقات ان کے خلاف ''بجوے نہ ارزو'' کے مصداق ہے۔ ہاں! مسلمانوں کے خلاف ہو تو بڑی خوشی سے لکھا جاتا ہے کہ فلاں پروفیسر صاحب یوں لکھتے ہیں اور فلاں پرنسپل صاحب یوں رقمطراز ہیں۔ علماء یورپ کی تحقیقات یہ ہے کہ آریہ قوم ایران سے ہندوستان میں آئی تھی۔ مگر دیانند جی کہتے ہیں:۔

''جب وید اسے نہیں [1] مانتا تو دوسرے غیر ممالک کے رہنے والوں کی من گھڑت باتوں کو عقلمند لوگ کبھی نہیں مان سکتے''۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۷)

لیکن کیا اتنے بڑے زبردست دعوے پر کوئی دلیل اتنی ہی قوی دیانندوں کے پاس ہے؟ آج تک تو نہیں پہنچی آئندہ کو معلوم نہیں مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ موجودہ پارٹی کے بڑے بڑے آرگن بھی اس سے زیادہ کمال نہیں رکھتے کہ سوامی جی کے مطلب کو سمجھ کر دوسروں تک پہنچا سکیں اور بس۔ ان میں صرف یہی کمال ہے کہ ''آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگوئم'' تو آئندہ ان سے کسی دلیل کی توقع محض خام خیالی بلکہ بوالہوسی ہے۔ اس لیے ان سے تو امید نہیں کہ ایسے زبردست دعویٰ کو کسی مضبوط دلیل سے ثابت کریں گے لہٰذا ہم ہی اس کی نفی کے دلائل مختصر طور پر رسالہ میں لکھتے ہیں۔

طبع اوّل کے بعد اس رسالہ کے دو جواب آریوں مصنفوں نے دیے لیکن ان مصنفوں میں ایک مصنف [2] تو اس قابل ہی نہیں کہ اس کی کسی بات کا نوٹس لیا جائے۔ صرف اس کی تحقیق اور

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ وید میں آریوں کے ایران سے آنے کا انکار ہے پھر کیوں نہ وید شروع دنیا سے ہوں گے؟ آریو! سنتے ہو؟ [2] مہاشہ یوگندرپال آنجہانی

ایمانداری کا نمونہ ہی ناظرین کو دکھا دینا کافی ہے۔ آپ اسی رسالہ کے جواب میں حسب عادت شریفہ بالکل بے تعلق کہتے ہوئے ایک حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ لکھتے ہیں جو مع الفاظ حدیث حرف بحرف ہم نقل کر دیتے ہیں۔ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

''جو کوئی اس دین میں عقل کو دخل دے کر نئی ایجاد کرے یا نئی تحقیقات کرے وہ مردود ہے۔''

پھر اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ معقول پسندی سے اسلام اور قرآن کو نفرت ہے۔ (قدامت وید صفحہ ۱۱)

حالانکہ حدیث مذکور کا نہ یہ مطلب ہے نہ یہ ترجمہ ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہمارے دین میں از قسم عبادت کوئی ایسا کام ایجاد کرے جو دین میں سے نہیں یعنی کوئی نئی عبادت بنا دے۔ مثلاً پانچ نمازوں کی جگہ چھ تجویز کرے مہینے کے روزوں کی جگہ دو مہینوں کے بتلائے یعنی از قسم عبادات کوئی ایسا کام نکالے جس کی اصل دین میں اجازت نہیں تو وہ کام رد ہے اور وہ شخص مردود ہے۔ نہ اس میں کوئی علمی تحقیقات سے منع فرمایا ہے نہ ہمیں کسی ایجاد سے روکا ہے بلکہ صرف یہ فرمایا ہے کہ عبادات کے متعلق کوئی بات اپنی طرف سے ایجاد نہ کرو۔

سوامی دیانند نے بہت ٹھیک لکھا ہے کہ جو لوگ ضدی متمرد اور سرکش ہوتے ہیں اور مذہب کی تاریکی میں پھنس کر عقل کو کھو بیٹھے ہیں وہی متکلم کے خلاف منشاء کلام کے معنی کیا کرتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش دیباچہ صفحہ ۷)

سو ایسے متمرد مصنف کی تحقیقات علمی اور مذہبی کا اندازہ ناظرین اسی ایک ہی مثال سے معلوم کر سکتے ہیں ایسے سڑیل مصنف کی کسی بات کا جواب دینا گویا سڑیل بننا ہے علاوہ اس کے اس نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ وہی جس کا جواب ہم طبع اول میں دے چکے ہیں۔

دوسری مصنف سوامی درشنا نند جی [1] سرسوتی ہیں۔ انہوں نے اپنی اخبار موسومہ ''مباحثہ'' میں اس رسالے کے متعلق کچھ لکھا تھا سو اس کا جواب حسب موقع عرض ہو گا۔ انشاء اللہ

[1] آج ہم ان دونوں کو اس دنیا میں نہیں پاتے اس لیے بے ساختہ دل میں آتا ہے
''زندگانی ما نیز جاودانی نیست''

قدامت وید کا ابطال

خود وید سے

چونکہ ہم دیباچہ میں ظاہر کر آئے ہیں کہ علماء یورپ کو آریہ پارٹی بلا وجہ اپنے خلاف معتبر نہیں جانتی اس لیے ہم کوئی دلیل ایسی بیان نہ کریں گے جو وید سے باہر ہو۔ وید کے چند ایک مقام پر تو یہ مسئلہ (کہ وید دنیا کی ابتدا سے نہیں) بطور صراحت کے مذکور ہے۔ بعض مقامات پر بطور اشارے کے ہے۔ رگ وید۔ اشٹک ۸۔ ادھیائے ۸۔ ورگ ۴۹ کا منتر ۲ سوامی دیانند نے "بھومکا میں خود ہی نقل کیا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ بابو نہال سنگھ آریہ ساکن کرنال نے یوں کیا ہے۔

اے انسانو! تم میرے بنائے ہوئے پر انصاف و بے تعصب راستی کو صفت سے موصوف دھرم پر چلو اور ہمیشہ اس پر قائم رہو۔ اور اس کے حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی مخالفت چھوڑ کر آپس میں ملو۔ تا کہ تمہارے درمیان اعلیٰ درجہ کا سکھ ہمیشہ ترقی پائے اور تمام دکھ مٹ جائیں۔ تم آپس میں مل کر حجت تکرار اور مخالفانہ بحث کو چھوڑ کر باہم محبت کے ساتھ بطریق سوال و جواب گفتگو کرو۔ تا کہ تمہارے درمیان سچے علوم اور عمدہ صفات بخوبی ترقی پائیں۔ اور تم صاحب علم و معرفت بن جاؤ۔ تم ہمیشہ ایسی لگا تار سعی و کوشش کرو کہ جس سے تمہارے دل علم کے نور سے روشن اور آنند سے بھر پور ہوں۔ تم کو دھرم ہی پر عمل کرنا چاہیے۔ اودھرم اختیار نہیں کرنا چاہیے (یہاں نظیر دیتے ہیں) (جس طرح زمانہ قدیم کے صاحب علم و معرفت راستی شعار طرف داری و تعصب سے خالی عالم اور ایشور اور دھرم کے حکم کو عزیز جاننے والے تمہارے بزرگ تمام علوم سے ماہر اور لائق وفائق گزر چکے ہیں) مجھ عبادت کرنے کے لائق قادر مطلق وغیرہ صفات سے موصوف ایشور کے حکم کی تعمیل یا میرے بنائے ہوئے دہرم پر عمل کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی اسی دھرم کے پابند رہو تا کہ وید میں بتائے ہوئے دھرم کا تم کو بلا شک وشبہ علم ہو جائے"۔ (صفحہ ۶۴)

اسی کتاب (بھومکا مصنفہ سوامی جی) کا اردو ترجمہ لالہ منشی رام جالندھری نے بھی کیا ہے جو گروکل پارٹی میں ایک اعلیٰ پایہ کے مہاتما ہیں جن کی کوشش سے ایک گروکل (دینی مدرسہ) ہردوار میں جاری ہوا ہے جس کے سرپرست بھی لالہ صاحب موصوف ہی ہیں۔ لالہ صاحب نے

اس منتر کا اردو ترجمہ یوں لکھا ہے۔

"پرمیشور کہتا ہے کہ اے انسانو! میرا کہا انصاف پر مبنی، طرفداری سے بری، سچے اوصاف سے روشن جو دھرم ہے اس کو تم اچھی طرح حاصل کرو یعنی اس کے حصول کے لیے ہر قسم کے اختلافات کو چھوڑ کر اتفاق سے رہو۔ جس سے تمہارا اعلیٰ سکھ ہمیشہ بڑھتا رہے اور ہر ایک طرح کا دکھ دور ہو جائے۔ تم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو کر باہمی گپ شپ اور مغالطہ وغیرہ الٹی بحث کو چھوڑ کو باہمی محبت سے سوال و جواب کے طریقہ پر تحقیق کرو تا کہ سچے علم اور اعلیٰ اوصاف کی تم میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہے۔ تم لوگ اپنے علم حق کو سدا بڑھاتے رہو جس سے تمہارا من منور ہو کر تمہاری ہمت کو بڑھا دے تا کہ تم لوگ عالم ہو کر ہمیشہ راحت حاصل کرتے رہو۔ تم لوگوں کو دھرم کا ہی کرنا واجب ہے نہ کہ ادہرم کا۔ اس میں تمثیل دیتے ہیں (جو عالم نیک بے رعایت بزرگ پرمیشور کے دھرم کے پریمی تم سے پہلے گزر چکے ہیں) جس طرح کہہ دے قادر مطلق پرمیشور کے دہرم پر چلتے تھے اسی طرح پر تم بھی اسی سچے دہرم پر چلو۔ جس سے ویدک دہرم بے خوفی کے ساتھ ظاہر ہو۔" (صفحہ ۱۵۷۔ جلد اول)

ان دونوں ترجموں میں گو کسی قدر لفظی اختلاف ہے مگر ہماری غرض جس لفظ سے ہے وہ برابر دونوں میں ہے۔ جس کو ہم نے (جلی قلم سے زیر خط) لکھا ہے ناظرین غور سے دیکھیں۔

اب ہم ذرا تفصیل سے بتلانا چاہتے ہیں۔ اس منتر میں ایشور حکم دیتا ہے کہ اے مخاطبو! تم اپنے سے پہلے لوگوں کی جو تمہارے بزرگ گزر چکے ہیں ان کی تابعداری کرو۔ اس لفظ سے (کہ تمہارے بزرگ گزر چکے ہیں) صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جس وقت وید کی تصنیف یا نزول یا (بقول آریان) الہام ہوا تھا اس وقت دنیا کی آبادی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ بہت سے ان میں سے نیک تھے اور بہت سے بد اور ریفارمروں کو اصلاح کرتے ہوئے پہلے بزرگوں کی نظیر بتلانی پڑتی تھی جیسا کہ عموماً آج کل بھی ہر ایک قوم کے لیکچرار لیکچروں مین اپنے اپنے بزرگوں کے حالات سنا کر ان کی پیروی کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جو قصے آتے ہیں ان سے بھی یہی غرض ہے کہ بھلے آدمیوں کی چال اختیار کرو اور بروں کی روش سے بچو۔ چنانچہ اس مطلب کو قرآنِ شریف نے خود ہی واضح الفاظ میں بتلا دیا ہے:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

اے رسول تم پہلے لوگوں کے قصے بتلایا کرو تا کہ ان پر غور و فکر کیا کریں اور ہدایت پائیں۔

اس منتر میں (جس سے ہم نے استدلال کیا ہے کہ وید شروع دنیا میں نہ تھے بلکہ بعد میں بنے ہیں) گو کسی طرح کی پیچیدگی نہیں۔ صاف مضمون ہے ایسا کہ کسی شرح یا حاشیہ لگانے کا محتاج نہیں تاہم آریوں نے اس صاف اور سیدھی بات کو بھی اندھوں کی کھیر کی طرح ٹیڑھا کرنا چاہا چنانچہ سوامی درشنانند لکھتے ہیں۔

آپ نے اس تقریر میں تمہارے بزرگ تمام علوم سے ماہر گزر چکے ہیں۔ اس فقرہ پر اعتراض کیا۔ جس کی بابت جواب تحریر ہے۔ چونکہ دھرم کے معیار تین ہیں وید یعنی کلام الٰہی، سمرتی یعنی شریعت، سداچار یا طریقت۔ اگر سوامی دیانند سرسوتی جی کی رگوید آدمی بھاش بھومکا کو بھی بغور ملاحظہ فرما لیتے تو آپ پر ساری حقیقت کھل جاتی کیونکہ رگوید آدمی بھاش بھومکا کے بھاشا ترجمہ میں ان تینوں اصولوں کا ذکر اسی منتر کے آخر میں کیا ہے اور اس منتر سے سداچار پرمان کی تعلیم دکھلائی ہے۔ وہ بھی کیسے؟ سمجھا کر کہ جیسے تمہارے پہلے بزرگ تمام علوم سے ماہر ہو کر گزر چکے ہیں۔ [1] اسی طرح تم بھی ان کی طریقت اختیار کرو یعنی جیسا کہ وہ دھرم کاریوں پر عمل درآمد کرتے تھے۔ تم بھی اس طریقہ پر اپنی زندگی گزارو۔ مولوی صاحب چونکہ ایشر ازلی و ابدی ہے۔ اس واسطے اس کی صفات اور قول بھی ازلی ہیں یہی تو وید کی مکمل تعلیم ہے۔ کیا ویدک اصول دیانندیوں کے دماغ کی بناوٹ ہے۔ نہیں مولوی صاحب وید خود بتلاتا ہے۔ آپ اس منتر سے پہلے دو منتروں کو ملاحظہ کیجیے۔ جس میں لکھا ہے تیہا پورو ملکپت یعنی پرماتما نے یہ سرشٹی ایسی رچی ہے جیسے پہلے رچی تھی گویا ان منتروں سے سرشٹی کو انادی ثابت کیا ہے کیا خوب ہوتا کہ آپ سوال کرنے سے پیشتر ان منتروں کو دیکھ لیا ہوتا تا کہ اس منتر کی حقیقت آپ کے دل پر نقش ہو جاتی مگر آپ مانتے کیسے جبکہ قرآن مجید آپ کو اس کے برخلاف تعلیم دیتا ہے سرشٹی انادی نہیں ہو سکتی

---

[1] مہاراج ذرا سوچ کر تو کہیے کیا کہہ رہے ہو۔ یہ "گزر چکے ہیں" تو وید کی بنیاد اکھاڑ رہا ہے پھر آپ بھی وہی کہتے ہیں؟ (مصنف)

وگرنہ آپ کیا اتنی بھاری غلطی کھاتے کہ سب سے پہلے یا شروع سرشٹی یا دنیا میں وید منتر جبکہ پرماتما نے بنایا تو پہلے سرشٹی ہو چکی ہو گی۔ حضرت سب سے پہلے سرشٹی لکھنا ہی آپ کی علمیت کا ثبوت ہے کیونکہ سب سے پہلے سرشٹی ہو کیسے سکتی ہے بتایئے سب سے پہلے سرشٹی کا آغاز [1] تو نہیں اور انجام ہے بس ایک کنارہ والا دریا کس نے دیکھا ہے۔ دنیا میں جتنی اشیا ہیں واجب الوجود اور ممکن الوجود اور ممتنع الوجود میں آجاتی ہیں۔ واجب الوجود شے کی نہ پیدائش نہ ناش ممکن ہو سکتا ہے اور ممکن الوجود شے کی پیدائش اور ناش ممکن ہو سکتی ہے۔ سو آپ کی پہلی سرشٹی واجب الوجود اور ممکن الوجود میں نہ آنے سے ممتنع الوجود [2] ہے بتلایئے ممتنع الوجود شے کو کون تسلیم کر سکتا ہے۔ البتہ عرب کے بدو [3] تسلیم کریں تو کوئی نئی بات نہیں۔ جنہوں نے خدا کو ازلی و ابدی مانا۔ مگر مادہ وغیرہ اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ ملک تھا ملکیت ندارد۔"

بس یہی تقریر تمام جواب کی جان ہے۔ گویہ بھی نیم بسمل ہے۔ اس لیے ہم نے اس کو نقل کیا

---

1. مہاراج! یہ کس سے آپ نے سنا کہ سرشٹی کا آغاز نہیں۔ یہی تو کل بحث ہے ہمارا رسالہ حدوث دیکھا ہو۔ (مصنف)
2. خوب کہی۔ کوئی پوچھے کہ دلیل کیا ہے؟ آریہ اور ایسا پاپ کہ دلیل بھی دیں؟ (مصنف)
3. عرب کے بدوؤں کا علم تو سب دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ آج تک آریہ مہاشوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ان کے مقابلہ پر دعویٰ اور دلیل میں مطابقت سمجھ سکیں اور یہ جان سکیں کہ دعویٰ کیا ہوتا ہے اور دلیل کیا۔ البتہ وید کے کم علم اور بے عقل مصنفوں کے علم و عقل کا حال ابھی مخفی ہے۔ مہاراج آپ ہماری بات پر خفا نہ ہوں سنیے وید کے مصنف اپنی کم علمی اور بے عقلی کا خود اقرار کرتے ہیں۔ غور سے سنیے۔ کان لگا کر سنیے!

"اے پرمیشور! جس طرح عالم لوگ آپ کی پرستش اور پرارتھنا کرتے ہیں۔ ویسے ہی ہم لوگ بھی کریں۔ اے باریک بین عاقل! جس پرمیشور کے اوصاف کا بیان تیری عقل کرتی ہے ہم لوگ بھی مل کر اسی کے نزدیک ہونے کی کوشش کریں"۔ (رگوید۔ منڈل اول سوکت ۱۴ منتر ۲)

اور سنیے اے پرمیشور! جس طرح عقل مند لوگ یگیہ کرنے والے۔ تجربہ کار۔ عالم لوگ آپ کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ اسی طرح پر ہم لوگ بھی کریں۔ (ایضاً منتر ۵)

کہیے! مہاشہ جی ایسے کم عقلوں اور بے عملوں کی کتاب کا کیا ٹھکانا جنہوں نے ابھی تک عالموں کی ریس جن کی صرف ادا وہی کرتے ہیں۔ کیا ایسے مصنفوں کی تصنیف کو دنیا کے [illegible]

[illegible]

ہے۔ مگر صد شکر ہے کہ اس کا جواب ہم نے پہلے ہی دیا ہوا ہے۔ اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ زیادہ کرنی کی حاجت نہیں سمجھتے۔

پس سنیے:

اس کی تفصیل کرنے کو پہلے وید کے متعلق آریوں کا مذہب بتلانا ضروری ہے۔ ویدوں کے متعلق سوامی دیانند کا خیال ہے کہ وہ قدیم سے ہیں۔ کیونکہ؟ اس طرح کہ وید خدا کے کلام نفسی کا نام ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں۔ جیسے اس دنیا کے شروع میں وید ہوئے اسی طرح اس سے پہلے دنیا میں بھی ہوئے تھے۔ چنانچہ سوامی دیانند جی اس مطلب کو مفصل تقریر میں یوں ادا کرتے ہیں:

''چونکہ ویدوں کا ظہور ایشور سے ہوا ہے ان کا غیر فانی ہونا خود ثابت ہے کیونکہ ایشور کی سب قوتیں غیر فانی ہیں۔''

سوال: چونکہ وید لفظوں کا مجموعہ ہیں اس لیے ان کا غیر فانی ہونا ممکن نہیں کیونکہ لفظ گھڑے کی طرح موضوع ہونے کی وجہ سے فانی ہے جس طرح گھڑا بنا ہوا ہے اسی طرح لفظ بھی بنتا ہے۔ اس لیے لفظ کے فانی ہونے سے ویدوں کا فانی ہونا بھی ماننا چاہیے؟

جواب: ایسا مت خیال کیجیے لفظ دو قسم کا ہوتا ہے ایک غیر فانی اور دوسرا موضوع۔ جو الفاظ ومعنے اور ان کا باہمی ربط ایشور کے گیان میں موجود ہے وہ غیر فانی [1] ہے اور جو الفاظ ہم لوگ استعمال کرتے ہیں وہ موضوع ہیں کیونکہ جس کا علم اور فعل دونوں غیر فانی طبعی اور ازلی ہوتے ہیں اس کی تمام قوتیں بھی غیر فانی ہونی چاہئیں۔ چونکہ وید ایشور کے علم سے پر ہیں اس لیے ان کی نسبت فانی کہنا واجب نہیں ہے۔

سوال: جب یہ تمام دنیا پھر حالتِ علت میں چلی جائے گی تو اس حالت میں تمام اجسام مرکب کثیف غائب ہو جائیں گے۔ اور پڑھنے پڑھانے اور کتابوں کا بھی نشان نہ رہے گا پھر آپ ویدوں کا غیر فانی بنا رہنا کس طرح مانتے ہیں؟

جواب: یہ (دلیل) تو کتاب' کاغذ' سیاہی وغیرہ چیزوں کی نسبت عائد ہو سکتی ہے۔ یا ہم لوگوں

---

[1] کیا ہمارے مونہہ سے نکلے ہوئے الفاظ اور معنے کا ربط خدا کے علم میں نہیں۔ ایشور انتریامی عالم الغیب ہے تو ضرور ہوگا۔ پھر ہمارے الفاظ میں اور ویدوں میں کیا فرق رہا؟ (منہ)

کے فعل پر۔ اس کے سوا یہ اور کسی بات پر صادق نہیں آسکتی۔ وید چونکہ ایشور کا علم ہیں اس لیے ان کا غیر فانی ہونا مانتے ہیں۔ پڑھنے پڑھانے اور کتابوں کے فانی ہونے سے ویدوں کا فانی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ایشور کے گیان میں ہمیشہ قائم اور موجود رہتے ہیں۔ جس طرح اس کلپ کے اندر ویدوں میں الفاظ حروف معنے اور ان کا ربط موجود ہے اسی طرح پہلے بھی تھا اور آگے بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ ایشور کے علم میں غیر فانی ہونے کی وجہ سے کبھی فرق یا مغالطہ نہیں پڑتا۔'' بھونکا (رود صفحہ ۱۸)

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہی وید ہر ایک دنیا کے شروع میں ہوتے رہے ہیں پس ہم پوچھتے ہیں کہ اس دنیا کے شروع میں اگر پہلی دنیا کے بزرگوں کے حالات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو اس وقت بھی تو یہی وید تھے اور ان میں یہ منتر بھی ضرور ہی ہوگا۔ اگر اس سے آگے چلیں تو اس دنیا میں بھی ہوگا یہاں تک کہ ماننا پڑے گا کہ علم الٰہی میں جب یہ منتر تھا اس سے پہلے بھی کچھ ایسے لوگ گزر چکے تھے جن کی نظیر بتلائی جاتی تھی۔ (اور اگر یہ بحث دیکھنی ہو کہ دنیا کا سلسلہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے تو ہمارا رسالہ حدوث دنیا دیکھو)۔

علاوہ اس کے ایسی تمثیلیں اور نظیریں ایسے موقع پر بتلائی جاتی ہیں جہاں پر سامعین کو ایسے بزرگوں کا علم بھی ہو۔ یعنی وہ جانتے ہوں کہ وہ بزرگ ایسے تھے گو بالا جمال ہو۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کے لوگوں کو پہلی دنیا کے لوگوں کا کچھ بھی علم نہیں۔ پہلی دنیا کا تو کیا ہوتا۔ اس جون سے پہلی جون کا بھی علم نہیں کیا کوئی دیانتدی بتلا سکتا ہے کہ اس جون سے پہلے وہ کس جون میں تھا۔ بس ایسی تاکید سے جب ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم ان بزرگوں کی چال اختیار کرو جو ایسے تھے ویسے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بزرگ ایسے تھے جن کے وجود کا علم اس وقت کے حاضرین کو تھا۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل منتر بھی یہ مدعا بتلاتے ہیں کہ وید جن دنوں بنے ہیں اس زمانے میں آبادی ایسی کثرت پر تھی کہ بنی آدم کا تمدن اس درجہ پر تھا کہ ایک قوم کی دوسری قوم سے محبت اور عداوت تک نوبت پہونچی ہوئی تھی۔

رگوید منڈل اول سوکت ۳۹ منتر ۲ میں مرقوم ہے:

''اے فرمانبردار لوگو! تمہارے اسلحہ آتشیں تیر و تفنگ وغیرہ مخالفوں کو مغلوب کرنے اور ان کو

روکنے کے لیے قابلِ تعریف اور باستحکام ہوں۔ تمہاری فوج جرار موجب توصیف ہو۔ تاکہ تم لوگ ہمیشہ فتحیاب ہوتے رہو"۔

یجرویداوھیائے ۲۰ منتر ۵۰ میں یوں مرقوم ہے:

"میں اس محافظ کائنات صاحب جاہ وجلال نہایت زورآور اور فاتح کل تمام کائنات کے راجہ قادر مطلق اور سب کو قوت عطا کرنے والے پرمیشور کو جس کے آگے تمام زبردست بہادر سر اطاعت خم کرتے ہیں اور انصاف سے مخلوقات کی حفاظت کرنے والا اندر ہے۔ ہر جنگ میں فتح پانے کے لیے مدعو کرتا ہوں اور پناہ لیتا ہوں"۔

رگوید اشک اول ادھیائے ۳ ورگ ۱۸ منتر ۲ میں مرقوم ہے:

"اے انسانو! تمہاری آیدہ آتش گیر اسلحہ اور تیروکمان وغیرہ میری عنایت سے مضبوط اور فتح نصیب ہوں۔ بدکردار دشمنوں کی شکست اور تمہاری فتح ہو۔ تم مضبوط طاقتور اور کارنمایاں کرنے والے ہو تم دشمنوں کی فوج کو ہزیمت دے کر انہیں روگردان و پسپا کرو۔ تمہاری فوج جرار و کارگزار اور نامی گرامی ہو۔ تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت روئے زمین پر قائم ہو۔ اور تمہارا حریف نا ہنجار شکست یاب ہو۔ اور نیچا دیکھے"۔ (دیانندی دوستو! وید کا جہاد سنتے ہو؟)

یجروید ادھائے ۱۳ منتر ۴ میں مرقوم ہے:

"اے انسانو! جو آفرینش سے پیشتر آفتاب وغیرہ جملہ نورانی عالموں کا پیدائش گاہ اور سہارا تھا اور جو کچھ پیدا ہوا ہے ہوا تھا اور ہوگا اسکا مالک تھا۔ ہے اور ہوگا۔ وہ زمین سے لے کرتا عالم آفتاب دنیا کو پیدا کر کے انتظام قدرت میں لیے ہوئے ہیں۔ اس راحت مطلق پرماتما کی بامحبت بندگی جس طرح ہم کریں اسی طرح تم لوگ بھی کرو"۔

اتھروویدکانڈ ۶۔ انوداک ۱۰۔ ورگ ۹۷ منتر ۳ میں مرقوم ہے:

"اے دشمنوں کے مارنے والے اصول جنگ میں ماہر بے خوف و ہراس پر جاہ وجلال عزیزو! اور جوانمردو! تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو۔ پرمیشور کے حکم پر چلو۔ بدفرجام دشمن کو شکست دینے کے لیے لڑائی کا سرانجام کرو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب کیا اور روئے زمین کو فتح کیا ہے۔ تم روئیں تن اور فولاد بازو ہو۔ اپنے

زور شجاعت سے دشمنوں کو تہہ تیغ کرو تا کہ تمہارے زور بازو اور ایشور کے لطف و کرم سے ہماری ہمیشہ فتح ہو۔ ٥

ان منتروں سے صاف ظاہر ہے کہ وید اس وقت بنائے گئے ہیں جس وقت بنی آدم کا تمدن اس کثرت پر تھا کہ کئی ایک قومیں آپس میں دوستانہ تعلق رکھتی تھیں۔ اور کئی ایک کا باہمی بغض و عناد تھا۔ جیسا کہ مذکورہ منتروں سے ظاہر ہے اس مضمون کے بہت سے منتر ویدوں سے مل سکتے ہیں مگر چونکہ مدعا ثابت کرنے کو ایک اور سو کی نسبت برابر ہے اس لیے انہیں پر قناعت کی جاتی ہے۔

پھر تعجب ہے کہ ایسی صریح اندرونی شہادتوں کے ہوتے ہوئے بھی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وید دنیا کی پیدائش کے شروع میں بنائے گئے یا نازل ہوئے ہیں۔

ان منتروں کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ احکام راج کے متعلق ہیں یعنی راجہ کو حکم ہے کہ وہ اپنی فوج کو یہ سنایا کرے ہم بھی مانتے ہیں کہ راجہ کو حکم ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جس وقت یہ احکام ان کو دیے گئے تھے وہ ان احکام کو سمجھتے یا یونہی مہمل چھوڑے گئے تھے۔ راجہ بھی تو آخر کسی رعیت کا ہوتا ہے جب راجہ ہوا رعیت ہوئی کوئی اس راجہ کا دوسرا راجہ دشمن تھا۔ کوئی دوست۔ دشمنوں کے مارنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں جس سے ہمارا اصل مطلب ثابت ہے کہ جس وقت وید بنے تھے اس وقت دنیا کی آبادی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ کوئی قوم کسی قوم کی دشمن تھی کوئی کسی کی دوست۔

چونکہ آریوں کا مسلمہ اصول ہے کہ جو کتاب شروع دنیا سے نہ ہو وہ الہامی نہیں اس لیے ان کی قوی امید ہے کہ اس رسالہ کو سن کر وید کے الہامی ہونے سے صاف اور کھلے لفظوں میں انکار کر دیں گے۔

آریوں کی اس دعویٰ پر ایک زبردست دلیل:

اس امر کا اظہار تو ہم پہلے ہی کر آئے ہیں کہ ایسے بڑے اہم دعویٰ پر آریے تو کیا خود سوامی دیانند جی نے بھی کوئی ایسی دلیل نہیں بتلائی۔ جس سے اتنا بڑا دعویٰ صحیح ثابت ہو سکے لیکن قارئین حیران نہ ہوں کہ ایسی تعلیم یافتہ پارٹی نے کیا پھر بالکل ہی بے دلیل اس مسئلہ کو تسلیم کیا ہوا ہے۔ کہ

٥ ان منتروں کے ترجمے ہم نے بھوناکا اردو سے لیے ہیں سماجی منترو وید کیسا جہاد سکھلاتا ہے؟

وید قدیم ہیں؟ اس لیے ہم ایک زبردست دلیل ان کی یہاں نقل کرتے ہیں۔ بابو نہال سنگھ ساکن کرنال ترجمہ بھونکا کے دیباچہ میں ایک زبردست دلیل سوامی کی تصنیف سے استنباط کر کے لکھتے ہیں وہ یہ ہے:۔

''یہ دنیا اور وید ہم عصر ہیں۔ اس بات کو آج کل کے عالم بھی عموماً تسلیم کرتے ہیں مگر ان کی مذہبی پابندی ان کو سچائی کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ دنیا کا زمانہ سوریہ سدہانت وغیرہ جیوتش کی کتابوں کے مطابق سوامی جی نے اس ''تمہید تفسیر وید'' میں بیان کر دیا ہے۔ پس خود اہالیان یورپ کے بموجب ویدوں کا بھی وہی زمانہ سمجھنا چاہیے۔ جب وید اپنا زمانہ آپ بتلاتے ہیں تو پھر دوسری شہادت کا تلاش کرنا فضول ہے۔ چنانچہ اتھروو وید میں لکھا ہے کہ دنیا کے قدیم رہنے کو زمانہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ دس [1] ہزار سینکڑوں (یعنی دس لاکھ کے درجے) تک صفر دے کر اس پر ۲۔۳ اور ۴ کو ترتیب وار ایزاد کرنا چاہیے۔ (اتھروو وید پرپھاٹک ۸۔ انو واک۔ منتر ۲۱)

اس طرح دنیا کے قائم رہنے کا زمانہ چار ارب بتیس کروڑ سال ہوتا ہے جس میں سے ۱۸۹۸ء تک ایک ارب ستانوے کروڑ انیس لاکھ اڑتالیس ہزار نو سو ننانوے سال گزر چکے اور ۲۳۴۷۰۵۱۰۰۱ سال باقی ہیں۔'' (صفحہ ۵)

اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ہمارے آریہ دوست علم لاجک (منطق) سے محض ناواقف ہیں اور علم مناظرہ کے تو کوچہ میں بھی نہیں گئے۔

پہلا ہی فقرہ (کہ یہ دنیا اور وید ہم عصر ہیں) بحث طلب ہے ایسے ثبوت کو علم مناظرہ میں مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں یعنی دعویٰ ہی کو جزو دلیل بنایا جائے افسوس کہ اس فاضل مصنف نے اس پر غور نہ کیا کہ یہی فقرہ تو زیر بحث ہے کہ وید کی عمر دنیا کی عمر کے برابر ہے یا کم۔ مگر مصنف موصوف نے اسی کو پہلے اپنی دلیل کا مقدمہ بنالیا۔ جن اہل علم نے اس مقدمہ کو تسلیم کیا ہے ان کی دلیل بیان کرتے تو ہم بھی دیکھتے ورنہ خالی اندھی تقلید سے کام لینا محققوں کا کام نہیں۔ ہاں یاد آیا کہ یہ عالم وہی تو نہیں جنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آریہ قوم ایران سے آئی تھی۔ جن کی تحقیق کو

[1] جناب والا! اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ وید اور دنیا ہم عصر ہیں۔ غائت سے غائت دنیا کی عمر معلوم ہوئی باقی وید کی عمر وہی ہے جو ہمارے پیش کردہ منتر بتلا رہے ہیں۔ (مصنف)

سوامی دیانند جی نے وید منتر کے مقابلہ میں نہایت ہی حقارت سے دیکھا (دیکھو صفحہ ۲ رسالہ ہذا) پس اگر ایسے ہی عالم ہیں تو ان کے جواب میں ہم بھی اتنا ہی کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ جب وید خود بتلاتا ہے کہ میں دنیا کی آبادی اور تمدن کی ترقی کے وقت بنا ہوں تو پھر دوسرے کسی کی من گھڑت بات کو کیونکر تسلیم کیا جائے۔

فاضل مصنف کا یہ بیان کہ اس بات کو آج کل کے عالم بھی عموماً تسلیم کرتے ہیں مگر ان کی مذہبی پابندی ان کو سچائی کے قبول کرنے سے روکتی ہے یہی قابل اصلاح ہے۔ بلکہ یوں چاہیے تھا کہ وید کی قدامت نہ تو دلائل سے ثابت ہے نہ خود وید کے بیان سے بلکہ اس کی نقیض کا ثبوت ملتا ہے تاہم دیانند جی تو اپنی زبان کی پیچ سے اور آریہ محض ان کی تقلید سے وید کو قدیم کہے چلے جاتے ہیں۔ ندامت پر ندامت اٹھاتے ہیں مگر پرانی لکیر نہیں چھوڑتے۔

ہاں مصنف موصوف نے اتھروید کا منتر جو نقل کیا ہے وہ بھی قابل غور ہے اس منتر میں تو صرف دنیا کی عمر کا ذکر ہے کہ چار ارب ۳۲ کروڑ سال ہوگی۔ مگر کہاں سے یہ معلوم ہوا کہ وید ابتدا دنیا سے ہیں وید نے دنیا کی عمر تو بتلائی کاش کہ اپنی عمر بھی بتلا دیتا۔ کہ اس دنیا کا توام (جوڑا) ہوں تو آج آریوں پر جو اس مسئلہ کی وجہ سے مشکلات پیش آ رہی ہیں کیوں آتیں؟

پس جب تک فاضل مصنف کا پہلا فقرہ (جو مصادرہ علی المطلوب ہے وہی دعویٰ اور وہی دلیل) کہ وید اور دنیا ہم عصر ہیں یعنی دونوں کی عمر برابر ہے۔ ثابت ہوگا۔ منتر مذکور وغیرہ کسی کام کے نہیں بلکہ یوں سمجھیے کہ اس فقرہ کے ثبوت ہونے پر منتر مذکور کی حاجت ہی نہ رہے گی۔ لیکن کیا یہ فقرہ ثابت ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

بنے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا   ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

کیا الہامی کتاب کا دنیا کے شروع سے ہونا ضروری ہے؟

الہامی کتب گمراہ بندوں کی ہدایت کے لیے خدا کی طرف سے کسی برگزیدہ بندے پر نازل ہوتی ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کو برے کاموں کے بدنتائج سے اور بھلے کاموں کے نیک پھلوں سے آگاہ کرے۔ بس اتنا ہی اصول سوچیں تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ شرط کہاں تک غیر معقول ہے۔

مثلاً عرب جیسے گمراہ ملک ہی کو دیکھیے اور ساتھ اس کے اس زمانہ کے رسل رسائل کے ذرائع پر بھی غور کیجیے کہ ایک ملک دوسرے ملک سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ وید عرب میں کیا ہوتے۔ خود آریہ ورت ہندوستان میں بھی اس کے جاننے والے شاید ایک دو ہی ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے نسخوں کی کثرت بھی ایسی ہی ہوگی۔ کوئی شخص تاریخ سے نہیں بتلا سکتا کہ عرب میں کسی وقت اور کسی زمانے میں وید کی اشاعت ہوئی ہو۔ اشاعت تو کیا ان کے کان بھی اس نام سے آشنا نہ تھے۔ پھر اگر ان کو ان کے اسی حال پر چھوڑا جاتا اور انہیں کی زبان میں نئی کتاب قرآن شریف کے ذریعہ ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کی جاتی تو کون نہیں جانتا کہ آج عرب میں بت پرستی کا وہ زور ہوتا کہ ہندوستان میں کیا ہے۔ سوامی دیانند اور آریے تو ہندوستان کیا صوبہ پنجاب ہی سے ابھی فارغ نہیں ہو رہے تھے۔ تو عرب جیسے خونخوار ملک کی طرف رخ کرنا ان کو کہاں نصیب ہوتا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کی اصل وجہ خود بتلائی ہے ارشاد ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البينه ۱)

یعنی یہودی عیسائی اور عرب کے بت پرست کبھی اپنی بے دینی سے باز نہ آتے۔ جب تک ان کے پاس خدا کی طرف سے زبردست دلیل یعنی رسول نہ آتا۔ جو ان کو پاکیزہ کتابیں سناتا جن میں بڑے بڑے مضبوط مسئلے ہیں۔" پس یہ شرط لگانے والے کہ الہامی کتاب دنیا کے شروع ہی میں ہونی چاہیے اور ساتھ ہی وید کو دنیا کے شروع سے ماننے والے آریہ بتلا دیں کہ اگر وید ہی کے بھروسہ پر دنیا کی ہدایت ہوتی تو آج دنیا میں کس قدر بت پرستی کا رواج ہوتا نیز اس بات کا ثبوت بھی وہ نہیں دے سکتے کہ وید نے فلاں فلاں ملک میں اپنا اثر پہنچایا تھا۔ جو ان لوگوں کی غفلت اور سہل انگاری سے مٹ گیا۔ بخلاف اس کے تمام دنیا دیکھ رہی ہے کہ وید نے صرف ہندوستان میں جو اپنا اثر دکھایا وہ بھی یہی کہ

بت کریں آرزو خدائی کی ۔ شان ہے تیری کبریائی کی

اس بحث کو تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو ہمارا رسالہ حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش دیکھنا چاہیے۔

دلیل الفرقان

بجواب

اہل القرآن

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ تذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دلیل الفرقان

بجواب

اہل القرآن

پہلے مجھے دیکھئے

اگرچہ زمانہ کی رفتار مذہبی کیفیت میں ہمیشہ متغیر اور متنزل رہی ہے مگر زمانہ حال نے جو تنزل اختیار کیا اس کی نظیر پہلے شاید نہ ملے۔ سو سال اس طرف ہندوستان میں عموماً مسلمان بدعات و رسومات میں مبتلا تھے۔ قرآن و حدیث سے ان کو بجز ایک ایمانی اور ایقانی فعل قلبی کے سوا کوئی واسطہ نہ تھا۔ مگر تاہم وہ دل سے ان دونوں (قرآن وحدیث) کی تعظیم کرتے تھے۔ افسوس کہ ہم نے اپنی زندگی میں زمانے کا تغیر یہ بھی دیکھنا تھا کہ ان دو میں سے ایک (حدیث نبوی) کو تو صاف لفظوں میں جواب دیا جاتا ہے۔ رہا قرآن شریف سو اسے جدھر چاہا اپنے منصوبوں کے مطابق پھیر لیا۔ چنانچہ چند دنوں سے پنجاب کے مردم خیز خطہ میں ایک صاحب (مولوی عبداللہ چکڑالوی) اہل قران معروف ملا قرآنی پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے حدیث سے انکار کیا اور قرآن شریف ہی تمام مسائل کے لیے کافی بتایا جس کے سننے سے ہر ایک مسلمان کو خوش ہونا چاہیے تھا۔ لیکن جب ان پر اعتراضوں کی بوچھاڑ ہوئی کہ قرآن شریف سے تو نماز کی تفصیل بھی ثابت نہیں تو انہوں نے کوشش کر کے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے ایک مجمل سا رسالہ نماز لکھا اس پر بھی اعتراضات ہوئے تو مفصل لکھنے کا وعدہ کیا۔ آخر وہ وعدہ پورا ہوا کہ مفصل رسالہ ''برہان الفرقان علی الصلوۃ القرآن'' ۴۰۸ صفحات پر ختم ہوا جس میں انہوں نے اپنا مدعا ثابت کرنے پر تمام زور لگایا جس کا جواب یہ رسالہ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن آج آپ کی نظر سے گزرتا ہے۔ ناظرین حیران ہوں گے کہ ۴۰۸ صفحات کے رسالے کا جواب یہ چند اوراق؟ اس لیے تعجب کے

رفع کرنے کو ہم رسالہ کی فہرست بتلاتے ہیں۔ صفحہ ۱ سے صفحہ ۴۲ تک قرآن کا واجب الاتباع ہونا۔ صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۵۰ تک نماز کی ضرورت اور فوائد صفحہ ۵۱ سے ۵۸ تک پانی کے احکام، پاخانہ، پیشاب کی نجاست کا ذکر غسل جنابت اور غسل جمعہ عیدین وغیرہ کے وجوب سے انکار حیض نفاس کا ذکر، پیروں کے دھونے اور مسح کرنے کا بیان۔ مسح تیمم کا ذکر وضو اور نواقض وضو، حالت مجبوری میں نماز کا طریق۔ صفحہ ۸۹ سے صفحہ ۱۱۷ تک اوقات نماز صفحہ ۱۱۸ سے ۱۳۱ تک مساجد کا بیان۔ صفحہ ۱۳۲ سے صفحہ ۱۳۶ تک اذان کا ذکر صفحہ ۱۳۷ سے صفحہ ۱۳۸ تک قبلہ کا بیان صفحہ ۱۳۹ سے اخیر تک نماز کے ارکان، اذکار وغیرہ کا بیان۔

پس ان مضامین میں سے جو جو مضمون قابل جواب ہوگا اس کا جواب دیا جائے گا۔ مگر نہ ایسا طول طویل کہ پڑھنے والوں کے لیے ملال خاطر ہو بلکہ ''خیر الکلام ما قل ودل'' کے مطابق مختصر بات ہو مضمون مطول ہوئے۔

نوٹ: طبع اول رسالہ ھذا کے وقت تو مولوی چکڑالوی ہی مخاطب تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے خیالات کی اشاعت کرنے کا کام مولوی حشمت العلی صاحب پنجابی مقیم لاہور نے اپنے ذمے لیا۔ چنانچہ آپ نے چکڑالوی صاحب کے چھوٹے رسالہ (صلوۃ القرآن ما علم الرحمن) کو اپنے دیباچہ کے ساتھ از سر نو شائع کیا۔ دیباچہ میں خاکسار کا خصوصیت سے ذکر فرمایا اس لیے موقعہ بہ موقعہ ان صاحب کا ذکر بھی سابقہ رسالہ میں اضافہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین بغور انصاف ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: مولوی حشمت العلی صاحب کو چاہیے تھا کہ ہمارے اس رسالے کا جواب دیتے مگر انہوں نے جواب دینے کی بجائے چکڑالوی خرد رسالہ کو باملا در رسالہ کلاں چھاپ دیا جس میں ہو بہو عبارتیں چکڑالوی کی ہیں۔ پھر لطف یہ کہ اس کا نام رکھا ''اثبات الخبر کا جواب'' اثبات الخبر مولوی عبدالستار حسن اہل حدیث مرحوم کے رسالہ کا نام ہے حالانکہ یہ رسالہ بعینہ چکڑالوی رسالہ ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس رسالہ کے صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے۔

الفہ فقیر حشمت العلی

ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ جو شخص چکڑالوی رسالہ کو سامنے رکھ کر دونوں کو دیکھے گا وہ

مولوی صاحب کے اس جملہ اور سابقہ جملہ کو کیوں کر صحیح پائے گا۔

مولوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وعید خداوندی یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا پر غور کر کے رسالہ کو اصل مصنف کی طرف منسوب کرتے۔

نوٹ چکڑالوی کے انتقال کے بعد ان کی یہ تحریک بہت مدہم پڑ گئی تھی اس لیے باوجود ختم ہونے کے رسالہ ھذا طبع نہ ہوا۔ مگر اب پھر کہیں کہیں سے آواز آنے لگی ہے اس لیے طبع کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بحمد للہ یہ رسالہ آج تک لاجواب ہے اور آئندہ بھی لاجواب رہے گا۔ انشاء اللہ

خادم دین اللہ

ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری

☆☆☆

آمدم برسر مطلب

مولوی صاحب چکڑالوی کا دعویٰ ہے کہ کل مسائل شریعت قرآن مجید میں مفصل اور مبین موجود ہیں۔ دیکھو رسالہ برہان القرآن صفحہ ۱۰۳، ۲۴۵ مولوی حشمت العلی صاحب اس پر چار چاند لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قرآن مجید ہر طرح سے کامل اور مکمل اور ہر ایک دینی مسئلہ کا مبین اور مفسر ہے۔ نماز کتاب اللہ کی تعلیم سے بالکل مشرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حکم کو مفصل بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح نماز کو بھی جو اپنے بندوں پر فرض کی تھی اور ان سے پڑھوانی چاہتا تھا اس کو قرآن مجید نے مفصل بیان فرمایا ہے۔ متعلقات اور ارکان نماز کو قرآن مجید نے نہایت تفصیل اور تشریح سے بیان کیا ہے"۔ (صفحہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹)

اس دعویٰ کو ناظرین یاد رکھ کر مولوی قرآنی موصوف کا دعویٰ متعلق نماز سنیے۔ آپ نے اپنے مجمل رسالہ میں نماز کی ترتیب یوں لکھی ہے۔

تکبیر اولیٰ کے وقت یہ آیت پڑھے وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اس کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُ کی جگہ یہ پڑھا جائے اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"۔

ان دعاؤں کو فرض قرار دیا ہے اور آیات مندرجہ ذیل کو نفلی۔

"عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"۔

ان دعاؤں کے بعد سورۃ فاتحہ الحمد للہ اور سورۃ اخلاص قل ھو اللہ ہر رکعت میں پڑھے وہی تکبیر وان اللّٰہ ھو العلی الکبیر کہتا ہوا رکوع کو جائے اور یہ دعا پڑھے۔ سبحان

ربنا ان كان وعد ربنا لمفعولاً الحمد لله الذى لم يتخذ ولداً ولم يكن له شريك فى الملك ولم يكن له ولى من الذل ربنا اصرف عنا عذاب جهنم ان عذابها كان غراماً انها سآء ت مستقرا و مقاما ربنا وسعت كل شىء رحمة و علما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك و قهم عذاب الجحيم۔ ربنا و ادخلهم جنت عدن التى وعدتهم ومن صلح من ابائهم و ازواجهم و ذيارتهم انك انت العزيز الحكيم و قهم سيات و من تق السيات يومئذ فقد رحمته و ذلك هو الفوز العظيم''۔

پھر قومہ کی تکبیر وہی ''و ان الله هو العلى الكبير '' قومہ یعنی رکوع سے کھڑے ہوکر یہ دعا پڑھیں ربنا ما خلقت هذا باطلاً سبحانك فقنا عذاب النار ربنا انك من تدخل النار فقد اخزيته وما للظلمين من انصار ربنا اننا سمعنا منادياً ينادى للايمان ان امنوا بربكم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وكفر عناسيآتنا و توفنا مع الابرار ربنا واتنا ما وعدتنا على رسلك ولا تخزنا يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد''۔

پھر وہی تکبیر وان اللّٰه هو العلى الكبير کہتا ہوا سجدہ کرے اور رکوع والی تمام آیات پڑھے۔ قعدہ یعنی التحیات میں یہ دعا پڑھے: ربنا لا تواخذنا ان نسينا اواخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذا هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ربنا انك جامع الناس ليوم لا ريب فيه ان الله لا يخلف الميعاد وسع ربنا كل شىء علما على الله توكلنا ربنا افتح بيننا و بين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين ربنا اتنا من لدنك رحمة وهيىء لنا من امرنا رشدا۔ ربنا اتنا فى الدنيا حسنة و فى الاخرة حسنة و قنا عذاب النار۔

درود کی بجائے یہ آیت لکھی ہے۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

آخیر خاتمہ پر جو سلام تجویز کیا ہے وہ تو سب سے عجیب تر ہے۔

سلام علیکم کتب ربکم علی نفسه الرحمة انه من عمل منکم سوء بجهالةٍ ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحیم۔

یہ ہے چکڑالوی نماز جس کا نام انہوں نے صلوۃ القرآن رکھا ہے۔ جو ہم نے تمام کی تمام اس لیے نقل کی ہے کہ ناظرین کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقعہ مل سکے۔ اس مجمل نماز پر ریویو اخبار اہلحدیث امرتسر میں نکلا تھا چونکہ وہ بنائے بحث ہے اس لیے یہاں بھی اس کا نقل ہونا مفید ہوگا۔

اخبار مذکور ۲۲ جنوری ۱۹۰۴ء میں بعد ذکر چنیں وچناں چکڑالوی کے اس رسالہ کی نسبت لکھا تھا۔

''اس ساری صلوۃ قرآنی پر ہمارا ایک ہی سوال ہے اگر وہ اس کا جواب دیں (اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ تمام ملا قرآنی مل کر بھی چاہیں گے تو نہ دے سکیں گے) تو ہم بھی ان کی تائید میں ہمیشہ مضمون لکھا کریں گے وہ سوال یہ ہے کہ یہ آیات جو آپ نے موقع بموقع کے لیے انتخاب کی ہیں ان کا انتخاب آپ نے محض اپنی رائے اور اجتہاد سے کیا ہے یا قرآن مجید کی کسی آیت سے؟ اگر اپنی رائے سے کیا ہے تو کیا دوسرے شخص کا حق ہے کہ ان کے علاوہ اور آیات ان کی بجائے تجویز کر لے۔ اسی طرح تیسرے کا پھر چوتھے کا پھر پانچویں کا علی ہذا دنیا بھر کے (جہلا کو جانے دو) علماء کا حق ہے کہ اپنی اپنی سمجھ کے موافق آیات انتخاب کر کے علیحدہ علیحدہ نماز تجویز کر سکتے ہیں؟ پھر کیا ان سب نمازوں کا نام ''صلوۃ القرآن'' ہی رکھیں گے۔ اور یہ بھی دعویٰ کریں گے کہ قرآن نے سب احکام مفصل بیان کر دیے ہیں ایسے کہ کسی کو ان کے سمجھنے میں شک نہیں ہو سکتا اور حدیث کی کوئی حاجت نہیں اور اگر یہ انتخاب کسی آیت قرآنی سے ہے تو وہ کونسی آیت ہے؟ خیر یہ سوال تو آپ کی ایجاد پر بیرونی حملہ تھا اب ہم اندرونی حملہ کرتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی بجائے جو آیت ''وان اللہ ھو العلی ○ الکبیر'' آپ نے تجویز فرمائی ہے اس میں واؤ کا عطف کس کلام پر ہے؟ اور ''ان'' مفتوحہ کیوں ہے؟ یعنی اگر خدا کی عظمت اور بڑائی کا بیان مقصود ہے تو یوں چاہیے تھا ''وان للہ ھو العلی الکبیر'' یا آپ خود ایسا کر لیتے۔ لیکن آپ

○ رسالہ خرد طبع اول میں یہ آیت اسی طرح لکھی تھی مگر طبع دوم اور رسالہ کلاں میں اس سوال کو اٹھانے کے لیے یوں لکھی ہے '' ما یدعون من دونه الباطل وان الله هو العلی الکبیر''۔

کو تو اتنا خیال نہ آیا کہ عربی صرف ونحو کے جاننے والے کیا کہیں گے؟ اس اعتراض کو جو شخص سوچے گا وہ خود سمجھ لے گا کہ یہ آیت اس غرض کے لیے خداوند تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی کہ اس کو شروع نماز میں تلاوت کیا جائے۔ بلکہ ملا قرآنی کی زبردستی ہے یعنی دوسری آیت یعنی ''انـــی وجهـــت '' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام نقل ہے جو انہوں نے اپنے موقع پر کہا تھا۔ نہ اس میں نماز کا ذکر ہے نہ کوئی قرینہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت اس کو پڑھ لیا کرو۔ بھلا کون سا امر مانع ہے کہ اس آیت کو پہلے اور پہلی کو پیچھے پڑھا جائے۔ کیا ایسا کرنے سے آپ بتا سکتے ہیں کہ کتنے سجدے سہو کرنے لازم آئیں گے؟ ایسا ہی اس سے آگے کی آیت یعنی ''ان صــلــوتـــی و نسـکـی '' اس میں بھی کوئی ذکر نہیں۔ اس کو نماز سے کیا تعلق؟ بلکہ اس میں ایک لفظ ایسا ہے کہ آپ کے منہ سے نکلنے پر آپ کی صریح تکذیب کرتا ہے۔ وہ لفظ ''اوّل المسلمین '' کا ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں ''میں سب سے پہلا مسلمان ہوں'' حالانکہ آپ سب سے پہلے مسلمان نہیں۔ ایسا ہی تیسری آیت بھی اس مدعا کے لیے نہیں۔ اس میں بھی کوئی لفظ مظہر نہیں ہے کہ اس آیت کو اس مطلب کے لیے پڑھا جانا چاہیے۔ ان آیات کے علاوہ یہ آیت ''ربـنـا عـلـيـك تـوكـلـنـا ۔الخ '' کو نفلی دعا قرار دیا ہے حالانکہ اس میں اور پہلی دعا میں کوئی فرق نہیں پھر ان کے مراتب میں کیوں فرق ہے؟ علـى هـذا القياس رکوع والی آیت میں بھی کوئی ذکر نہیں کہ میرا یہ محل ہے ہاں اس کی بڑی معقول وجہ یہ ہے۔ غالباً آپ نے بھی اسی کے لحاظ سے اس کو یہاں رکھا ہوگا۔ کہ حدیث شریف میں رکوع کے اندر قرآن پڑھنے سے منع آیا ہے۔ پس یہ تو آپ کا پہلا فرض تھا کہ اس حدیث کے خلاف جس طرح ہو سکے رکوع میں کوئی نہ کوئی آیت ہی رکھتے۔ ایسا ہی قیام میں فاتحہ کا پڑھنا بھی محض قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا۔ پھر کھڑے ہو کر جس دعا کا پڑھنا آپ نے تجویز کیا ہے اس آیت کے الفاظ یا معانی اس محل سے بالکل بے تعلق ہیں۔ اسی طرح آپ کی ہر ایک پیش کردہ آیت پر سوال ہے جس کو آج تک آپ نے نہیں اٹھایا۔ حالانکہ سب سے مقدم فرض آپ کا یہی تھا۔ اب ہم ناظرین کو چکڑالوی صاحب کی نماز کے بیرونی برآمدے میں لانا چاہتے ہیں۔ آپ نے صفحہ سات پر رکعات کی فہرست لکھی ہے۔ جو یہ ہے۔

تعداد رکعات واوقات نماز

نمبر شمار	نام	تعداد رکعات		اوقات نماز	
	نماز	فرضی	نفلی	ابتدا	انتہا
۱	فجر	۲	ـ	صبح	طلوع شمس
۲	ظہر	۴	ـ	زوال شمس	درمیان زوال وغروب شمس
۳	عصر	۴	ـ	بعد آخر وقت ظہر	غروب شمس
۴	مغرب	۳	ـ	بعد غروب شمس	غسق اللیل [1]
۵	عشاء	۴	ـ	بعد غسق اللیل	صبح
۶	جمعہ [2]	۲	ـ	زوال شمس	درمیان زوال وغروب شمس
۷	عیدین [3]	۲	ـ	طلوع شمس	زوال شمس
۸	تہجد	ـ	ـ	قریب نصف اللیل	صبح

بتایئے! یہ تفصیل رکعات کی ایجاد بندہ ہے یا حکم آفرینندہ؟ کس آیت نے صبح کی دو رکعت اور ظہر کی چار وغیرہ اور عیدین کی مقرر کی ہیں۔ لگتے ہاتھ براہ مہربانی یہ بھی بتادیں کہ عیدین اور جمعہ میں جمعہ کس آیت کا حکم ہے''؟ (اخبار اہلحدیث ۲۲ جنوری ۱۹۰۴ء)

مختصر یہ کہ ملا قرآنی نے چونکہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف میں کل احکام مفصل ہیں۔ نماز کا بیان بھی اس میں ہے اس لیے ان پر مفصلہ ذیل اعتراضات وارد ہوئے تھے:

۱۔ اذان

۲۔ تعیین اذکار

---

[1] یعنی جب مغرب کی طرف بھی رات کی سیاہی ہوجائے اور سفیدی بھی دور ہوجائے (چکڑالوی)

[2]،[3] نماز جمعہ اور عیدین سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ میں قرآن شریف معہ ترجمہ سنایا جائے جس میں کم از کم ان نمازوں کی دو رکعتوں جتنا وقت صرف ہو اور جمعہ بجائے ظہر ہے۔ (چکڑالوی)

۳۔ تعداد رکعات

۴۔ تعین اوقات وغیرہ کا ثبوت قرآن شریف سے مفصل دکھاؤ

ان سوالات کو اٹھانے کے لیے آپ نے یہ مفصل رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے بہت ہی جانکاہی سے سوالات مذکورہ اٹھانا چاہا مگر افسوس کہ موصوف کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس ناکامی کے افسوس میں ہم بھی ان کے شریک حال ہیں۔

اذان [1] کا فیصلہ تو آپ نے نہایت ہی سہل کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں "اذان مروجہ کا ذکر قرآن مجید میں کوئی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں سکھائی۔ اور چونکہ ہر ایک دینی کام صرف خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق کرنا فرض ہے اور جس کام کی تعلیم اس احکم الحاکمین نے اپنی کتاب پاک میں نہیں دی اس کا کرنا احداث اور کفر و شرک [2] ہے اس لیے ہم مروجہ اذان کا کہنا کہانا ناجائز جانتے ہیں۔ نماز کے متعلق اذان و موذن کے لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آئے ہاں ندا منادی کے الفاظ مذکور ہیں لیکن ان سے مراد موجودہ اذان کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ان سے مراد پانچوں اوقات ہیں۔ (صفحہ ۱۳۲)

خلاصہ ان چہار آیات کا یہ ہے کہ تمام انبیاء کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقت ہی منادی و موذن مقرر کے ہوئے تھے اور فبھدھم اقتدہ کے مطابق خاتم النبیین بھی وقت ہی دیکھ کر نماز کے لیے خبردار ہوشیار اور تیار ہو جاتے تھے۔ اور یہی آپ کے موذن تھے نہ کہ بلال وغیرہ۔ معاذ اللہ۔ اس دعوی پر آیات مندرجہ حاشیہ [3] کو دلیل لا کر لکھتے ہیں۔

---

[1] مولوی عبداللہ چکڑالوی تو اذان کے منکر تھے مگر مولوی حشمت العلی نے قرآن شریف کی چند آیات جمع کر کے اذان بنائی مثلاً سمعنا منادیًا ینادی للایمان وغیرہ۔ نت نئی کوشش نت نئی ایجاد اور کہنے کو قرآن مفصل اور مشرح سبحان اللہ وبحمدہ۔

[2] مولوی حشمت العلی خلیفہ چکڑالوی نے چند آیات قرآنی جمع کر کے اذان بنائی ہے مثلاً "ربنا اننا سمعنا منادیًا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا" وغیرہ۔ افسوس پیرومرشد کے فتوے کے ماتحت کفر و شرک کے مرتکب ہوئے۔

[3] ۱۔ ان فی خلق السموٰت الآیۃ ۲۔ ربنا اننا سمعنا منادیًا ینادی للایمان (پ ۴ ع ۱۱)
۳۔ واقیمو الصلوٰۃ طر فی النہار (الآیہ پ ۱۲ ع ۱۰) ۴۔ وھوالذی جعل۔

حاشاللہ! آپ کیوں قرآن مجید اور تمام رسولوں کی مخالفت کرنے لگے تھے۔ موجودہ اذان آپ نے ہرگز تعلیم نہیں کی بلکہ یہ بھی دیگر مفتریات کی طرح آپ پر افترا ہے۔ آپ وہی سکھاتے تھے جو کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ اس سے زائد ایک حرف بتانا آپ کے منصب رسالت کے خلاف تھا۔ (برہان الفرقان صفحہ ۱۳۴)

قرآن مجید کی ایک آیت میں یوں ہے:

اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّ لَعِبًا. (پ ٦ ع ١٣)

"جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو کافر لوگ اس کو ٹھٹھا مخول جانتے ہیں"۔

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان اذان دیتے تھے نہ کہ وقت ان کو بزبان حال پکارتا تھا۔ ملا قرآنی اس کا جواب دیتے ہیں۔

"نادیتم الی الصلوۃ سے مراد بھی نماز کی طرف ترغیب دینا اور اسکے متعلق وعظ ونصیحت کرنا اور کہنا کہانا ہے۔ اس سے مروجہ اذان کے مراد لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں"۔ (صفحہ ۱۳۶)

لیکن جب یہ کہا جائے کہ سورۃ جمعہ میں ذکر ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ. (پ ٢٨ ع ١٢)

"جمعہ کے روز جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف لپکو"۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جمعہ کے روز اذان ہوتی تھی۔ تو ملا قرآنی اس کا جواب دیتے ہیں۔

"اس آیت میں "نودی للصلوۃ" سے مروجہ اذان مراد لینا کلام الٰہی میں تحریف کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی قرینہ اس آیت میں یا دیگر آیت میں نہیں۔ بلکہ مذکورۃ الصدر چار آیتوں کو اس آیت کے ساتھ ربط دینے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان مبارک الفاظ سے ندائے ربانی یعنی دلوک شمس (دن کا ڈھلنا) مراد ہے جو کہ ایک زبردست اذان اور ندا و بلاوا و طلبی ہے اور جس کے ہوتے ہوئے کسی مصنوعی منادی کی ضرورت نہیں"۔ (صفحہ ۱۳۵)

ہم نے یہ تمام سوال و جواب اس لیے نقل کیے ہیں کہ ہمارے ناظرین ان اہل قرآن حضرات کی کوشش کا اندازہ لگا سکیں کہ کہاں تک قرآن شریف کو حقیقی معنی سے پھیرتے ہیں۔

حالانکہ علماء معانی کا اتفاق ہے جسے آپ نے بھی صفحہ ۲۶۶ پر تسلیم کیا ہے۔
''کسی کلام میں مجاز اسی وقت مراد لیا جائے گا۔ جب کہ کوئی قرینہ مانعہ حقیقت ہو''۔
کوئی ان سے یہ پوچھے کہ (بقول آپ کے وقت جو ندا کرتا ہے وہ ندا حقیقی ہے یا مجازی؟
کچھ شک نہیں کہ اردو شاعروں نے بھی وقت کی ندا کرنے کا مضمون باندھا ہے چنانچہ ایک عارف کہتا ہے۔

غافل! تجھے کرتا ہے یہ گھڑیال منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

تو کیا اس گھڑیال کی ''ٹن ٹن'' میں یہ فقرات ہوتے ہیں کہ لوگو! تمھاری عمر کی ایک گھڑی اور کم ہوگئی؟ نہیں بلکہ یہ متکلم کی اپنی ذہانت اور عرفان کا نتیجہ ہے کہ وہ گھنٹہ بجنے سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جتنی عمر اس سے پہلے گھنٹے پر تھی اس سے ایک گھنٹہ اب کم ہے۔ مگر ایسے مخفی اور غامض نتائج پر ہر ایک طبیعت نہیں پہنچا کرتی۔ بلکہ ایسی باتوں کے قائل خود بھی ہر وقت اس پر متنبہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بقول:

گہے برطارم اعلیٰ نشینم گہے برپشت پائے خود نہ بینم

ایسے دور اندیشوں کو بھی ہر وقت اتنی دور کی نہیں سوجھتی۔ پھر کیا شریعت کے احکام ایسے مخفی بھیدوں پر مبنی ہوا کرتے ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آئیں اور جو آئیں تو بڑی غور وفکر سے؟ بلکہ احکام شریعت ہمیشہ ایسے ہوتے ہیں کہ ہر ایک: ادنیٰ اعلیٰ ذہین، غبی سب سمجھ سکیں۔ یہ کیا ہے کہ نماز پڑھنے کا حکم تو ہر ایک کو ہو مگر وقت کی ندا سننے والے خاص خاص لوگ ہوں پھر وہ بھی ایسے کہ ہر وقت نہ سن سکیں بلکہ جس وقت خوف خدا یا کوئی خاص وجہ ان کے دلوں پر مسلط ہو جان سکیں کہ ہاں یہ نماز کا وقت ہے۔

اب میں ذرا املا قرآنی کی ہوشیاری کا ذکر کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:
''اذان کا بڑے سے بڑا فائدہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے نمازیوں کو اطلاع ہو جاتی ہے لیکن غور کرنے سے یہ بات بالکل صحیح معلوم نہیں ہوگی۔ کیونکہ ۹۹ فیصدی نمازی مسجد میں آنے والے ایسے ہیں جو صرف وقت کے اندازے سے آتے ہیں نہ کہ اذان سن کر۔ ہر ایک شخص اپنے ایمان

اور انصاف سے غور کرے کہ وہ دن میں کتنی دفعہ صرف وقت کو دیکھ کر نماز پڑھنے آتا ہے اور کتنی دفعہ اذان سن کر؟ یقیناً وقتوں کا پلڑا بھاری ہوگا''۔ (صفحہ ۱۳۶)

کیسی ہوشیاری سے آپ ہی جواب دیتے ہیں کہ وقتوں کا پلڑا بھاری رہے گا۔ چونکہ آپ نے اس کو پبلک کی رائے پر چھوڑا ہے۔ اس لیے ہم بھی عام رائے پر چھوڑتے ہیں کہ وہ خود ہی غور کریں جو لوگ اپنے اپنے مشاغل میں لگے ہوتے ہیں ان کو سایہ کا حساب تو کیا گھڑی دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔ کیا اذان ان کو متنبہ کرتی ہے یا نہیں؟ ہم نے خود دیکھا ہے کہ معمار لوگ جو دوپہر کو ۱۲ بجے کام چھوڑتے ہیں ان کو بھی سایہ کی کامل شناخت نہیں ہوتی۔ وہ بھی یا تو گھڑیاں دیکھتے ہیں یا لوگوں سے پوچھا کرتے ہیں کہ بارہ بجے ہیں یا نہیں؟ عصر کا وقت اس سے بھی زیادہ نازک ہے کیونکہ بقولِ آپ کے دلوک شمس سے آفتاب کے نصف سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ پس گھڑیوں کو بالائے طاق رکھ کر بتائیے کہ عوام ایسے نامعلوم وقت کا اندازہ کیوں کر کر سکتے ہیں؟ اور کیونکر یہ وقت ان کو منادی کر سکتا ہے۔ مزید مشکل یہ ہے کہ جاڑے کا سایہ کیسا ہے اور گرمی کا کیسا؟ اس پر بھی ایک مشکل اور ہے کہ اتنا آپ مانتے ہیں کہ دلوک شمس (زوال) سے لے کر نصف وقت تک ظہر کا وقت ہے۔ نصف وقت سے غروب آفتاب تک عصر کا۔ بغرض توضیح مطلب ہم فرض کرتے ہیں کہ ساڑھے بارہ بجے زوال ہوا۔ اور ساڑھے چھ بجے غروب۔ کل وقت چھ گھنٹے ہے۔ جس کا نصف تین تین گھنٹے ہے اب ان تینوں گھنٹوں میں نمازی کو اختیار ہے کہ کسی وقت نماز پڑھے گویا تین گھنٹے کامل ہر مسلمان کو ندا کرتے رہے ہیں۔ مگر سننے والے کو اختیار ہے کہ اب اٹھے یا گھڑی ٹھہر کر اٹھے۔ ان کی اذان برابر تین گھنٹے ہوتی ہے۔ پھر یہ قول آپ کا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ:۔

''ہم اہل قرآن لوگ اذان نہیں [1] کہتے ہماری بھی نمازیں جماعتیں اسی طرح ہوتی ہیں جیسی اذان والوں کی۔ عملی طور پر اوقات ہی موذن ومنادی ہیں۔ اور یہی تمام مسلمانوں کو نماز کی خبر اور اطلاع کرتے ہیں۔ اذان ہرگز ہرگز یہ کام نہیں دیتی بلکہ یہ بھی دیگر رسوم کی طرح ایک رسم

[1] پھر مولوی حشمت العلی کیوں مصنوعی اذان کہتے ہیں؟

ہے''۔(صفحہ ۱۳۶) جبکہ وقت پورے تین گھنٹے اذان دیتا رہتا ہے اور نمازی کو اختیار ہے کہ جس وقت چاہے اس کی اذان کو قبول کرے تو پھر جماعت کے اجتماع میں کیوں خلل نہ آئے گا؟ آپ کے اہل قرآن سب کے سب ایک ہی محلہ میں ایک ہی دوکان پر رہتے ہیں تو عجب نہیں کہ وقت کی اذان ان کو ایک ہی وقت میں اٹھالائے۔

ہاں یاد آیا کہ آپ کی جماعت تو ماشاء اللہ ہم نے بھی دیکھی ہے کہ ایک امام صاحب تھے دو مسجد کے خادم اور ایک وہی بڈھا میاں (چٹو) جس کی انتظاری میں بہت سا وقت کھویا تھا۔ کئی دفعہ بلایا تھا۔ آخر جب بڈھے میاں تشریف لائے اور جماعت کھڑی ہوئی تو ملا قرآنی پیشاپ کرنے کو دوڑے۔ اور بمدت مدیدہ وضو کر کے شریک جماعت ہوئے۔ سبحان اللہ ایسی جماعت کثیرہ میں بغیر اذان کے کیوں کمی آنے لگے۔

تعین اذکار

دوسری بحث بڑی تحقیق طلب یہ ہے کہ نماز میں جو جو اذکار ملا قرآنی نے مقرر کیے ہیں اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہی پڑھنے چاہیے؟ ہم منتظر تھے کہ حسب وعدہ رسالہ مفصلہ میں ہمارے تعاقبات اور اعتراضات کے جواب دیں گے مگر افسوس

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال
اب آرزو یہ ہے کہ کبھی آرزو نہ ہو

پہلے ہی اعتراض سے چپکے نکل گئے۔ مختصر رسالہ میں آپ نے لکھا ہے کہ (شروع نماز میں) تکبیر تحریمہ کی بجائے یہ آیت پڑھی جائے وان اللہ ھو العلی الکبیر علمی طرز سے ہمارا سوال تھا کہ اس آیت میں ''اَنَّ'' ہے اور اَنَّ مفتوحہ حسب قاعدہ نحو مفرد کے حکم میں ہے۔ شرح مائۃ عبدالرسول (جس سے آپ نے بھی صفحہ ۶۵ پر سند نقل کی ہے اس) کا شعر ہے غور سے سنیے۔

اِنْ، اَنْ، از بہر تحقیق اند فرق است ایں قدر
میکند مفتوحہ در تاویل مفرد جملہ را

پس یہ ''اَنْ''، مع اپنے مدخول کے حکم مفرد میں ہے تو کلام تام نہ ہوا۔ اور جب کلام تام نہ ہوا

تو متضمن خبر بھی نہ ہوا۔ پھر اس سے نتیجہ کیا؟ علاوہ اس کے واؤ عطف کا اس پر ہونا اور بھی قابل غور ہے کہ یہ واؤ کیسا اور عطف کس پر؟

ہم ناظرین کی مزید تفہیم کے لیے پوری آیت نقل کرتے ہیں تا کہ وہ ملا قرآنی کی محنت کی داد دینے کے قابل ہو سکیں۔ یہ ساری آیت یوں ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○ (پ ۱۷ ع ۱۵)

''اس سے پہلے ذکر ہے کہ مہاجرین شہداء کو خدا تعالیٰ نہایت پسندیدہ جگہوں میں داخل کرے گا۔'' یہ اس لیے کہ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اس لیے کہ اللہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے یہ اس وجہ سے کہ اللہ ہی کی ذات برحق ہے اور یہ لوگ جن جن سے دعائیں مانگتے ہیں وہ اپنی ذات میں فناء ہیں۔ اور اس سبب سے کہ اللہ ہی بہت بلند اور بڑائی کا مالک ہے''۔

جتنے حصہ پر ہم نے خط کھینچا ہے ملا قرآنی نے اسی کو تکبیر تحریمہ تجویز کیا ہے۔ اب ناظرین اسی ترجمہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ حصہ زیر خط کلام مستقل نہیں بلکہ اپنے سے پہلے حصے کے ساتھ مربوط ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب کی اس بارہ میں کوشش کہ ہر موقع کے لیے آیت ہی لکھی جائے بالکل اس قصے سے مشابہ ہے جو میرے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ:۔ ''میں یک تکئیے میں گیا۔ وہاں ایک فقیر اترا ہوا تھا۔ جو کسی کا جوٹھا حقہ نہ پیتا تھا۔ اگر کوئی اس کو اپنا پیا ہوا حقہ دیتا تو وہ جھٹ سے آیت قرآنی پڑھ دیتا کہ ''ان اللہ سمیع علیم'' بھنگر بیچارے ڈر جاتے کہ شاید اس آیت میں کسی کے منہ لگا حقہ پینے سے منع ہوگا دوست مذکور نے کہا کہ میں بھی اپنا جھوٹا حقہ اس کے پاس لے گیا تو اس نے مجھ سے بھی وہی برتاؤ کیا اور وہی آیت پڑھ دی۔ میں نے بھی اس کے بالمقابل کہا کہ پیتا کیوں نہیں'' ان اللہ علیم حلیم'' نہیں ہے؟ حاضرین بولے'' ہاں صاحب علم داروں کو علم دار ہی جواب دے سکتے ہیں ہمارے جیسے ان پڑھ کیا جواب دیں''۔

یہی حال ہمارے ملا قرآنی کا ہے آیت ہو چاہے برمحل یا بے محل۔ اس سے مطلب نہیں بقول استاد:

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

اس سے سوال کے علاوہ ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس آیت میں اس امر کا تو کوئی ذکر نہیں کہ تم اس جملہ کو نماز کے وقت پڑھا کرو۔ پس آپ نے جو اس آیت کو تکبیر تحریمہ کی جگہ تجویز فرمایا ہے اس کا بھی کوئی ثبوت آپ دے سکتے ہیں کہ اس آیت کو یہاں ضرور پڑھنا چاہیے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اس آیت کے پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں صاف لفظوں میں یوں ذکر ہوتا کہ:

یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فقولوا وَاَنَّ اللہ ھو العلی الکبیر۔

اے مسلمانو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وان اللہ ھو العلی الکبیر پڑھا کرو۔

کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ سب احکام قرآن میں مفصل اور مبین ہیں۔ پھر یہ کیا تفصیل اور تبیین ہے کہ صاف لفظوں سے سمجھ نہ آئی۔

ایسے ضروری سوالات کے جوابات کے ہم منتظر تھے کہ مفصل رسالہ میں ہوں گے مگر افسوس صد افسوس ملا قرآنی نے ہم کو اتنے دنوں تک وعدوں ہی میں ٹلایا اور ایفا نہ کیا۔

نہیں وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دے کر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

مفصل رسالہ میں اور مسائل کا تو کسی قدر ذکر ملتا ہے لیکن اس مسئلہ کا نام تک نہیں لیا۔ انا للہ۔

نوٹ! مولوی چکڑالوی نے تو ہمارے کسی سوال پر توجہ نہ کی البتہ ان کی گوجرانوالیہ جماعت نے تکبیر تحریمہ وَاَنَّ اللہ ھو العلی الکبیر کو یوں تبدیل کیا اِن اللہ کان علماً کبیرا (رسالہ اقیموا الصلوۃ صفحہ ۱۹)

مگر اس سوال کا جواب وہ بھی نہیں دے سکے کہ اس آیت کو تکبیر تحریمہ کی جگہ پڑھنے کا حکم کس آیت میں ہے۔ (وانی لھم)

لطیفہ: حیرت انگیز چالاکی یا مجرمانہ خیانت ملا قرآنی نے مجمل نماز میں تو تکبیر تحریمہ کی بجائے

"وَاَنَّ اللہ ھو العلی الکبیر" لکھا ہے مگر مفصل رسالہ کے صفحہ ۲۸۲ پر فرماتے ہیں۔ (طبع دوم میں بھی بدل دیا دیکھو حاشیہ صفحہ ۶ رسالہ ہذا)

"قرآن کریم میں تکبیر تحریمہ کے الفاظ یہ ہیں "ما یدعون من دونہ ھو الباطل وَاَنَّ اللہ ھو العلی الکبیر" (مولوی حشمت العلی نے بھی بتقلید چکڑالوی یہ آیت یونہی لکھی ہے صفحہ ۱۶) ترجمہ:۔ جس قول وفعل یا کسی اور چیز کی طرف لوگ رغبت کرتے ہیں جو سوائے اس کی کتاب کے ہے وہ بالکل باطل ہے۔ میں ان سے بیزار ہوں کیونکہ تحقیق اللہ ہی ہر طرح بلند شان بزرگ ہے۔ پس یہ لفظ تکبیر "ما" سے "کبیر" تک نماز کے ہر رکن کے شروع میں کہنی فرض ہے"۔ (صفحہ ۲۸۲)

واہ رے تعصب کہ تو انسان کو کیسا ضدی بنا دیتا ہے اور کیسا ذلیل کراتا ہے۔ آج تک تو میرا خیال تھا کہ ملا قرآنی گو غلط رائے پر ہے مگر قرآن شریف پر غور کرتا ہوگا تو عجب نہیں کہ کسی روز اس غور کا نتیجہ اس کو یہ ملے کہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائے مگر عبارت مذکورہ کے دیکھنے سے یہ خیال جاتا رہا اور یقین ہو گیا کہ آپ بالضرور باوجود علم کے غلطی پر رہیں گے۔ العلم حجاب اکبر۔

ناظرین! میری اس ناراضگی کو معمولی مولویانہ ناراضگی نہ جانیں۔ ذرا آیت مرقومہ کو بصفحہ ۱۳ کتاب ھذا پڑھیں اور اس کا مطلب ذہن نشین کر کے ملا قرآنی کے اس مقام کو غور سے پڑھیں۔ اہل علم ناظرین کو مزید توجہ دلاتا ہوں کہ آپ حضرات غور فرمائیں کہ ملا جی نے کس ہوشیاری سے اس آیت کی بے جا کتر بیونت کی ہے اول تو واؤ عطف کو ہضم کر گئے۔ دوم "اَن" مفتوحہ کو کھا گئے۔ اصل آیت یوں تھی۔ "ذالك بان اللہ ھو الحق واَنَّ مایدعون من دونہ ھو الباطل" جس سے مشرکوں کا رد کرنا منظور تھا۔ کہ اللہ کی ذات بابرکات تو حق اور مستحق عبادت اور جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ناکارہ ہیں، ہیچ ہیں کچھ بھی نہیں۔ کہاں یہ مطلب اور کہاں ملا قرآنی کا ترجمہ۔ نہ تو آپ کو اس امر کا خیال رہا یہ دانستہ تجاہل فرمایا کہ "اَن" مفتوحہ کیوں ہے اور اس کا تعلق کس عامل سے ہے اور وہ عامل بھی کسی سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں؟

پھر اس برتے پر تتا پانی۔ آپ علماء اسلام کو عموماً اور اہلحدیث کو خصوصاً کوسا کرتے ہیں۔ کہ یہ ظالم ہیں اندھے ہیں۔ قرآن شریف پر تدبر نہیں کرتے۔ واہ

عجب ہوشیاری کہ نادان بن کر ہمیں سے ہمارا گلہ ہو رہا ہے

نوٹ گجرانوالیہ جماعت قرآنیہ نے تکبیر تحریمہ کی آیت مذکورہ سے پہلے یعنی نماز میں داخل ہونے کے وقت کی بھی ایک دعا تجویز کی ہے۔

"رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق"

یہ آیت پڑھ کر نماز میں داخل ہو۔ داخل ہو کر وہ پڑھے جو مذکور ہوا۔۵۵ (جل جلالہ)

(رسالہ اقیمو الصلوٰۃ صفحہ ۱۶)

دوسرا ذکر: بعد ہاتھ باندھنے اور نیت کرنے کے دوسرا ذکر آپ نے یہ تجویز کیا ہے۔" انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین"۔

اس دعا کے انتخاب کی وجہ بتلاتے ہیں۔"اس دعا کے ماقبل قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ اور اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرنے کا ذکر ہے"۔(صفحہ ۱۵۲)

اس سے کیا ثابت ہوا۔ یہ کہ زمین گول ہے کیونکہ چاول سفید ہیں جیسے چاولوں کی سفیدی سے زمین کی گولائی کا ثبوت دیا جاتا ہے اور غالباً ہر ایک نادان کی نظر میں کافی ہے اسی طرح ملا قرآنی کا یہ ثبوت ہے بھلا اگر اس آیت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو شرک سے منع کرنے کا ذکر ہے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ آیت نماز کے شروع میں پڑھنی چاہیے؟ ہاں نہایت یہ ثابت ہوا کہ جب کبھی آپ بھی کسی مشرک قوم کو سمجھائیں تو آپ بھی یہ آیت پڑھ لیا کریں۔ علاوہ اس کے کہاں سے ثابت ہوا کہ اس کو شروع نماز میں پڑھا کرو۔ آخر اس تعیین موضع کی بھی کوئی دلیل ہے؟ کوئی نہیں۔

دوسری آیت بطور نفل پڑھنے کے لیے آپ نے یہ لکھی ہے ان[1] صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریك لہ و بذالك امرت و انا اول المسلمین۔(صفحہ ۱۵۳)

اس آیت کا ترجمہ ہی آپ کی تکذیب کرتا ہے جو آپ ہی کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

---

[1] مولوی حشمت العلی صاحب اس دعا کو چھوڑ گئے شاید ناپسند ہوگی۔

تحقیق نماز میری اور میری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا واسطے اللہ کے ہے۔ نہیں کوئی شریک ہرگز اس کا اور میں اس کا حکم دیا گیا اور میں سب سے پہلے اللہ کے حکم ماننے کو تیار ہوں۔ (صفحہ ۱۵۳)

اس ترجمہ میں جس لفظ پر خط دیا گیا ہے ناظرین اسے غور سے دیکھیں کہ کیا کوئی مومن مسلمان کی شان ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ ''میں سب سے پہلے تیار[1] ہوں'' اسی ایک لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا قرآنی نے خواہ مخواہ دھینگا دھینگی اس آیت کو کھینچ تان کر اس مطلب کے لیے یہاں لکھا ہے ورنہ اصل مقام اس کا یہ نہیں۔ غرض اسی طرح کی بے تعلق دعائیں آپ نے بعض اور لکھی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں دیا کہ ان کو اس موقع سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے۔

فاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ الحمد:

بعد اس کے آپ نے سورۃ الفاتحہ کو تجویز فرمایا ہے گو اس تجویز میں ہم آپ کے مخالف نہیں۔ مگر جس اصول سے آپ نے اس کی تعیین کی ہے اس اصول میں اختلاف ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ ''دعاؤں کے بعد قیام میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولقد اتینا ک سبعا من المثانی والقرآن العظیم (پ ۱۴ ع ۶) (۱) سبعاً کی تنوین عوض مضاف الیہ ہے اور اس کی خبر ہے (۲) من المثانی لفظاً جملہ خبریہ ہے لیکن معناً جملہ انشائیہ ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ وہ دہرائی جائیں نماز میں بار بار پڑھی جائیں۔ (۳) ''المثانی'' کا ''الف لام'' مضاف الیہ ہے۔ (۴) اور مضاف الیہ کل صلاۃ ہے۔ پس سبعاً من المثانی کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ ''سبع ایات اللاتی من مثانی کل صلاۃ'' جس کا ترجمہ یہ ہوگا سات آیتیں جن کا حق یہ ہے کہ نماز میں بار بار پڑھی جائیں (۵) اور وہ سات آیات سورۃ فاتحہ کی ہیں''۔ (صفحہ ۱۵۶)

اس ساری تقریر میں لفظ ''مثانی'' غور طلب ہے۔ افسوس ہے کہ اس تقریر میں آپ نے اپنے دعویٰ قرآن دانی کے بالکل خلاف کیا اور تفسیر کے متعلق اپنا دعویٰ تفسیر القرآن بآیات الفرقان بالکل بھول گئے۔ (ملا قرآنی نے اس نام کی ایک تفسیر لکھنے کا اشتہار دیا تھا) سنیے:

---

[1] کیونکہ مسلمان تو آج سے پہلے بے شمار گزر چکے ہیں۔

"مثانی" کے وہی معنی صحیح ہوں گے جو قرآن شریف خود کرے گا۔ پس بغور سنئے!

"اللّٰہ نزّل احسن الحدیث کتابا متشابھًا مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللّٰہ"۔ (پ ۲۳ ع ۱۷) [1]

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے تمام قرآن شریف کو مثانی فرمایا ہے۔ افسوس (آپ نے سورہ الحمد کی ترکیب کرنے پر تو بڑا زور دیا مگر اس آیت کو غور سے نہ دیکھا۔ بلکہ دیکھا ہی نہیں۔ حالانکہ بحیثیت ملا قرآنی ہونے کے آپ کا پہلا فرض تھا کہ قرآن شریف کی تفسیر قرآن سے لیتے۔ خیر اگر پہلے نہیں لی تو اب ہی لیجیے۔ سنیے! "مثانی" کتابا کی صفت ہے اور کتابا سے مراد قرآن شریف ہے۔ مطلب صاف ہے کہ قرآن شریف تمام مثانی ہے۔ یعنی بار بار پڑھی جانے کے قابل۔ [2] پس آپ کی پیش کردہ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہم (خدا) نے تم کو مثانی میں سے سات آیات یعنی قرآن عظیم (جس کو سورہ فاتحہ کہتے ہیں) دیا ہے۔ القرآن العظیم کو تو آپ نے بھی عطف تفسیری کہا ہے (صفحہ ۱۸۱) ہم نے بھی وہی مان لیا ہے۔ پس مثانی کے لفظ سے آپ نے سورہ فاتحہ کی تعیین کی ہے تو اسی مثانی سے لازم آیا کہ تمام قرآن شریف کو نماز میں پڑھا جائے۔ یا کم از کم یہ کہ قرآن کا کوئی حصہ یا سورت بھی پڑھی جائے تو کافی ہے۔ فاتحہ کی تعیین کس دلیل سے ہوئی؟ غرض جو کام آپ کو کرنا تھا ہنوز آپ کے ذمہ ہے۔

باقی آپ کی تقریر سب کی سب حسب عادت طول بلا طائل ہے۔ ایسا ہی اس مضمون کے ضمن میں جو حسب عادت شریفہ آپ نے خواہ مخواہ بعض احادیث کو زیر مشق بنایا ہے۔ اس کا جواب بھی یہاں ہم ضروری نہیں جانتے۔ ہمیں آپ کی طرح رسالہ کی ضخامت کو نہیں بڑھانا۔ بلکہ صرف آپ

---

[1] اللہ نے سب سے اچھی کتاب ملتی جلتی اتاری ہے جو بار بار پڑھے جانے کے قابل ہے جس سے ایمانداروں خدا سے ڈرنے والوں کے چمڑے پھڑکتے ہیں پھر ان کے چمڑے اور دل خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

[2] مثانی کی یہ تفسیر (کہ بار بار پڑھی جائے) بھی ہم نے عام رائے اور ملا قرآنی کی رائے سے لکھی ہے۔ ورنہ ہماری تحقیق تو کچھ اور ہی ہے (دیکھو تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن عربی مؤلفہ خاکسار)۔ مصنف

کے اصل مقصد پر بحث کرنا ہمیں مطلوب ہے اسی لیے آپ کے دوراز کار اعتراضات حدیثیہ کا جواب نہ دیں گے۔

رکوع سجود کے بیان میں آپ نے یوں تو حسب عادت شریفہ بہت ہی طوالت سے کام لیتے ہوئے کئی ایک ورق بھرے ہیں مگر سب کی سب دوراز کار باتیں ہیں۔ جن سے اپنا اور اپنے ناظرین کا وقت ضائع کیا ہے مطلب کی بات صرف اتنی ہے کہ اس بات کا ثبوت دیتے کہ رکوع اور سجود نماز کے فلاں رکن کے بعد ہیں۔ اور ان میں یہ ذکر کرنا چاہیے۔ مگر ایسا تو کیا نہیں۔ ناحق تمام آیات جن میں کسی طرح سے بھی رکوع سجود کا نام آگیا جڑ دی ہیں۔ نہ ہمارے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ جو جو دعائیں آپ نے تجویز کی ہیں ان کا ثبوت قرآن شریف کی کس آیت سے ملتا ہے۔ اس پر تو توجہ نہ کی حالانکہ یہی کام دراصل کرنے کا تھا۔ باقی جس قدر آپ نے بحث کی اور ناحق طول طویل مضمون سے صفحات بھرے ہیں ان کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ رکوع سجود نماز کے رکن ہیں۔ جس سے ہمیں بھی انکار نہیں (گو آپ کے استدلالات پر ہو سکتی ہے جو سردست ہمیں منظور ہے) آگے آپ لکھتے ہیں:

فاصبر لحکم ربك ولا تطع منهم اثماً او کفوراً واذکر اسم ربك بکرة واصیلا و من اللیل فاسجد له وسبحه لیلا طویلا (پ ۲۹ ع ۲۰)

پس تو اپنے رب کے حکم پر پکار اور ان میں سے کسی نافرمان یا کافر بدبخت کی اطاعت نہ کر اور صبح شام اپنے رب کی نمازیں پڑھا کر (یعنی دن کی تمام نمازیں پڑھ فجر، ظہر، عصر) اور رات کے وقت بھی سجدہ نماز ضرور ادا کیا کر (یعنی شام وعشاء) اور (رکوع سجدہ نماز میں) اس کی تسبیح بیان کیا کر رات کافی لمبی ہوتی ہے۔

"ان الذین عند ربك لا یستکبرون عن عبادته ویسبحونه وله یسجدون (پ ۹ ع ۱۴)

تحقیق جو لوگ تیرے پروردگار کے نزدیک (برگزیدہ ومجتبیٰ ہوئے ہیں یعنی (رسول) اس کی عبادت (نماز) سے لاپروائی نہیں کیا کرتے تھے درانحالیکہ وہ اس کے آگے سجدے کرتے تھے (نمازیں)۔

اس تقریر میں جیسے آپ پھسلے ہیں کوئی مصنف شاید کبھی پھسلا ہوگا۔ نہ صرف مضامین قرآنیہ کے خلاف بھٹکے ہیں بلکہ علوم آلیہ (صرف ونحو وغیرہ) تک سے بھی آپ کو ذہول ہو گیا۔ غور سے سنیے!

پہلی آیت میں جو واؤ عاطفہ کو آپ نے جمع کے لیے لکھ کر نتیجہ نکالا ہے اگر صحیح ہے تو فرمائیے کہ آیت مندرجہ ذیل (جس کو آپ نے بھی صفحہ ۲۲۲ پر رکوع سجود کے ارکان ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے اس) کے کیا معنی ہوں گے۔ غور سے سنیے!

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ. (پ ۱۷ ع ۱۷)

اے ایماندارو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو۔

فرمائیے! اگر آپ کا اصول صحیح ہے کہ واؤ جمع کیلئے ہے تو اس آیت میں سجدہ اور تسبیح دونوں فعل جمع ہوں گے تو کیا یہ چاروں فعل (رکوع، سجود، عبادت، فعل خیرات) سب ایک وقت میں کیے جائیں گے؟ ممکن تھا کہ آپ فعل خیر کو سجدہ یا رکوع سے جمع ہونے کا حکم دے دیتے مگر خیریت سے آپ خود اس آیت کا ترجمہ ایسا کرتے ہیں جو اس توجیہ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ آپ فرماتے ہیں:

"اے ایماندارو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو خدا کے سامنے اور بھی عاجزی کیا کرو اور اپنے بھائی نمازیوں کے ساتھ نیکی کیا کرو"۔ صفحہ ۲۲۲ اس ترجمہ نے فیصلہ کر دیا کہ فعل خیر جس کا ترجمہ بقول آپ کے اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ہے بھی رکوع یا سجدہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی تو کیا ہی جمع کرے گا۔ خود آپ کا بھی یہ مذہب نہیں کیونکہ آپ بھی یہی مانتے ہیں کہ رکوع الگ فعل ہے۔ سجود الگ۔ چنانچہ رکوع کا ذکر آپ نے صفحہ ۲۲۱ پر کیا ہے اور سجود کا ذکر صفحہ ۲۲۹ پر لائے ہیں۔ حالانکہ آپ کے اس اختراعی قاعدہ کے مطابق لازم آتا ہے کہ رکوع اور سجود ایک ہی وقت میں کیے جانے چاہیں۔"

ایسا ہی دوسری آیت کے متعلق آپ کی تقریر بھی سراسر غلط اور قواعد نحو کے بالکل برخلاف ہے۔ آپ نے ولہ یسجدون کی واؤ کو حالیہ بنایا ہے۔ حالانکہ یہ جملہ فعلیہ مضارع ہے نہ کہ اسمیہ "لہ" کی لام "یسجدون" کے متعلق ہے اور مضارع جملہ فعلیہ کے متعلق "کافیہ"

میں لکھا ہے۔

والمضارع المثبت بالضمیر وحده کہ مضارع صرف ضمیر سے حال ہوتا ہے نہ کہ واؤ سے (دیکھو کافیہ وغیرہ بحث حال)۔

پس بتایئے کہ جو یہاں ایک ایسے مضارع کو جس کے سر پر واؤ بھی ہے اس میں ضمیر بھی ہے حال بنایا ہے۔ قاعدہ علم نحو کے خلاف ہے یا نہیں؟ اور یہ آپ کی بے خبری آپ کی قرآن دانی میں نقص لا سکتی ہے یا نہیں؟ اللہ اللہ کہیں تو ملا جی کے یہ دعوے کہ بات بات میں شرح جامی، مغنی، مختصر اور مطول کے حوالے دیئے جا رہے ہیں۔ کہیں یہ حال ہے کہ حال سے بھی بے حال۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ کوئی دیکھنے والا بھی دیکھے گا۔ سچ ہے۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

بس اس موضوع میں آپ کی تمام تقریر کا مدار کار یہی مغالطہ تھا جو حل ہو گیا۔ اس لیے باقی کا جواب بھی یہی ہے۔

مختصر بات ہو مضمون مطول ہووے

اس تقریر سے بڑھ کر آپ کی تقریر اثبات ''قومہ'' (قیام بعد از رکوع) کے باب میں حیرت افزاء ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ قومہ رکوع کا تتمہ و تکملہ ہے اور رکوع بغیر قومہ کے ناتمام و نامکمل ہوتا ہے۔ قومہ رکوع کو ایسا ہی لازم ہے جیسا دن کو رات۔ چنانچہ رکوع کے باب میں ایسی آیات نقل ہو چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رکوع کے بعد سجدہ ہے۔ چونکہ قومہ رکوع کو لازم اور تابع ہے اس لیے ان آیات کا مقصود یہ ہے کہ رکوع و قومہ کے بعد سجدہ ہے جیسا کہ کہا جائے ''میں بیس دن کے بعد آؤں گا'' تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں بیس دن رات کے بعد آؤں گا۔ گو رات کا لفظ نہ بھی بولا جائے ایسا ہی گو رکوع کے ساتھ قومہ کا لفظ نہ بھی بولا جائے تاہم اس کے کہنے سے کہ رکوع کے بعد سجدہ ہے یہی مراد ہے کہ رکوع و قومہ کے بعد سجدہ ہے''۔ (صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱)

اس تقریر میں آپ نے کمال کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خدا جانے یہ دعویٰ کس

زبان سے کیا تھا کہ تمام مذہبی احکام قرآن شریف میں مفصل اور مبین مذکور ہیں۔ کیا تفصیل اور تبیین اسی کا نام ہے جو آپ بتلا رہے ہیں اور ناخنوں تک زور لگا کر ایک ایک حکم کی پڑتال کر رہے ہیں۔ پھر بھی کامیابی معلوم۔

سنیے! آپ نے مثال غلط دی ہے۔ ''بیس دن'' کہنے سے راتیں اس لیے آتی ہیں کہ بغیر رات کے درمیان میں آنے کے دن میں تعدد نہیں آسکتا۔ یعنی اگر، سو، دوسو، گھنٹے سورج کی روشنی ہی رہے تو ایسے ممتد وقت کو ہم متعدد (دو چار) دن نہیں کہہ سکتے۔ دونوں کو متعدد جب ہی کہیں گے کہ ان میں رات حائل ہو۔ جیسے کہ آپ نے صفحہ ۲۶۷ پر سجدوں کے متعدد ہونے کے لیے لکھا ہے۔

''اگر کوئی شخص قیامت تک سجدہ میں پڑا رہے تو وہ ایک ہی سجدہ ہوگا جب تک کہ ایک سجدہ سے سر اٹھا کر بار دیگر سجدہ میں نہ گرے''۔ (صفحہ ۲۶۷)

ٹھیک اسی طرح جب تک رات حائل نہ ہو دنوں کو متعدد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ دن اس وقت کا نام ہے جو طلوع اور غروب آفتاب کے درمیان ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دن کی انتہا رات کی ابتدا پر ختم ہوتی ہے۔ اور رات کی ابتداء دن کی انتہا سے شروع ہوتی ہے مگر یہ نسبت قومہ اور رکوع میں نہیں ہے۔ بھلا اگر ہم بغیر قومہ کرنے کے رکوع سے سیدھے سجدے میں جائیں تو کیا یہ فعل دو نہیں ہوں گے۔ یا کسی شخص نے کھڑے کھڑے تو رکوع کیا اور جھکے جھکے ہی بیٹھ گیا۔ بیٹھ کر ہی کھڑا ہو گیا پھر اسی طرح بیٹھ گیا۔ پھر کھڑے ہو کر رکوع کیا۔ پھر بیٹھ گیا۔ تو یہ اس کے تین رکوع ہوئے یا نہیں؟ حالانکہ ان میں قومہ حائل نہیں ہوا۔ پس اس دلیل سے آپ کا قومہ کا ثبوت دینا تار عنکبوت سے بھی ضعیف ہے۔

ملا قرآنی جی! اپنی قرآن دانی کو دیکھا؟

گر تو قرآں بریں نمط خوانی ‏‏ ‏ ‏ ‏ ‏ببری رونق مسلمانی

نوٹ ملا قرآنی کی بے جا کھینچ تانی کو دیکھ کر ان کی جماعت میں سے گجرانوالی پارٹی قومہ کی منکر ہوگئی۔ (رسالہ اقیموا الصلوٰۃ صفحہ ۱۴)

تکبیر کے وقت کان پکڑنے کے بیان میں ملا قرآنی نے یہ مسئلہ بھی قرآن شریف سے نکالنے کا التزام کیا ہے۔ کہ ہر تکبیر کے وقت دونوں کان پکڑنے چاہیئے۔ چنانچہ آپ مندرجہ بالا عنوان قائم

کر کے لکھتے ہیں۔

"ہر تکبیر کے ساتھ اپنے کان پکڑنے فرض ہیں یہ اقرار جرم و توبہ کی علامت ہے۔"
صفحہ ۲۸۲۔ ہم حیران ہیں کہ بقول ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

ضروری ارکان نماز سے تو فارغ ہوئے نہیں۔ غیر ضروری کا ثبوت دینے لگے۔ (یہ الگ بات ہے کہ آپ اس غیر ضروری کو بھی ضروری جانیں) بہر حال آپ اس کا ثبوت دیتے ہیں۔

آیت ذیل میں کانوں کو خدا کے حضور ذلیل کرنے کا حکم ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک و بے عیب میں:

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ٥ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ٥ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥ (پ ۱۸ ع ۵)

اور البتہ تحقیق ہم ان کی عبرت کے لیے ان پر سختیاں اور تکلیفیں بھیجتے رہتے ہیں (تا کہ وہ اللہ کے آگے عاجزی کریں) لیکن پھر بھی وہ استکانت و تضرع نہیں کرتے۔ پس ان سے کہو کہ اے لوگو اللہ کے حضور استکانت و تضرع کیا کرو۔ مطابق کتاب اللہ (یعنی اللہ کے آگے) جس نے کان اور آنکھیں اور دل تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں ان کو ذلیل و حقیر کرو۔ تم بہت تھوڑی قدر شناسی کرتے ہو۔ (یعنی کانوں اور آنکھوں اور دلوں کو تھوڑا ذلیل کرتے ہو)۔

اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر قحط طاعون وغیرہ سختیاں اس باعث سے بھیجتا رہتا ہے کہ وہ خدا کے آگے استکانت و تضرع نہیں کرتے پھر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم استکانت و تضرع کیا کرو اور استکانت و تضرع کی تفسیر یہ ہے کہ خدا نے ہمارے کان، آنکھیں اور دل جو پیدا کیے ہیں ان کو اس کے سامنے ذلیل و حقیر کیا کرو۔ اس آیت کے ماقبل و مابعد پر غور کرنے سے یقین ہوتا ہے کہ یہ نماز کے متعلق ہے۔ لہٰذا ہر سہ اعضا مذکور کو خاص نماز میں ذلیل و حقیر کرنے کا حکم ہے"۔ (صفحہ ۲۸۶)

یہ کلام تو آپ کا بالکل ایک راست باز شاعر کے کلام کی طرح راست ہے۔

دندان تو جملہ در دہان اند   چشمان تو زیر ابرواں اند

ہر چند آپ نے آیت موصوفہ کے ترجمہ کرنے میں بہت کچھ کارستانیاں کی ہیں۔ کہیں خطوط وحدانی میں الفاظ بڑھائے ہیں کہیں کوئی جملہ بطور تفسیر کے زیادہ کیا ہے۔ غرض ہر طرح سے آپ نے مطلب برآری کی کوشش کی ہے تاہم بقول ؎

جسے دے مولا اسے دے شاہ مولا۔

کامیابی خدا ہی کی طرف سے ہے۔ بڑا زور تو آپ کا اتنے لفظ پر ہے۔

"ہر سہ اعضاء مذکورہ کو خاص نماز میں ذلیل وحقیر کرنے کا حکم ہے۔"

بہت خوب! لیکن کان پکڑنے کا حکم تو حضور کی ایجاد ہوئی۔ کیا سجدہ کرنے سے تینوں اعضاء خدا کے سامنے ذلیل نہیں ہوتے۔ کانوں کی ذلت اگر پکڑنے سے ہے تو آنکھوں کو بھی پکڑ لیا کرو۔ پھر ہاتھوں کو بھی پکڑ لینا چاہیے۔ آپ کو اس میں غلطی لگی ہے۔ جو آپ کان پکڑنے کو کانوں کی ذلت سمجھتے ہیں کان پکڑنے سے کانوں کی ذلت نہیں ہوتی بلکہ کان پکڑنے والے کی ہوتی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ دونوں مضمونوں میں فرق ہے۔ ہاں سجدہ کرنے سے سب اعضاء کی خدا کے حضور ذلت ہے۔ پس سجدہ اس حکم کی تعمیل کو کافی ہے۔ باقی آیات حسب عادت جو آپ نے لکھی ہیں بالکل بے تعلق ہیں۔ کہیں کسی آیت سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ نماز میں کان پکڑو۔ حالانکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ جتنے مسائل شریعۃ ہیں قرآن مجید میں سب مبین اور مفصل ہیں۔ بہر حال آپ کا دعویٰ قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت نہیں۔

لطیفہ: اگر ملا قرآنی یا ان کا کوئی دوست کچھ نذرانہ دیتے (نا مثل سابق [1] بلکہ دوم نقد) تو کان پکڑنے کی آیت ہم خود بتا دیتے۔ چونکہ علم کا چھپانا جائز نہیں۔ مفت ہی بتا دیتے۔ غور سے سنئے۔ اگر اس سے انکار ہو تو اپنی آیات سے ملا لو پس سنو!

[1] اس سابق میں ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے جن دنوں بعض علماء نے بظاہر میری عربی تفسیر کو پیش نظر رکھ کر مجھ سے مخالفت کی تو ملا قرآنی کے راسخ حواری میاں چٹو لاہوری نے مجھے ایک خط لکھا تھا جو معہ جواب اخبار "اہلحدیث" سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

" جناب مولوی صاحب! السلام علیکم طبتم۔ مولوی صاحب! میں مولوی تو نہیں ہوں مگر آپ لوگوں کا خادم ہوں۔ اور جس جگہ پر مجھ سے غلطی سرزد ہو وہاں مجھ کو معافی دینا۔ میں پیشتر امرتسر آپ کی خدمت میں آیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا اس وقت آپ کی نسبت افواہیں امرتسر میں اڑ رہی تھیں اور اسی ارادہ کے واسطے آپ کے پاس آیا تھا۔ جو میں اس وقت ظاہر کرتا ہوں۔ آپ نے جس قدر حصہ عمر بسر کیا ہے اس میں جو کچھ فائدہ اٹھانا تھا۔ اٹھالیا تھا۔ اور اب اگر زندگی اور ہے تو اور فائدہ اٹھالو گے۔ اسی طرح سے میں اپنا حال رقم کرتا ہوں۔

یعنی میری عمر ۸۷ سال کی ہے جو کچھ اس عمر میں نفع و نقصان اٹھانا تھا اٹھالیا ور آگے بشرط زندگی جو منظور خدا ہو گا وہ ہو گا۔ اب ارادہ میرا یہ ہے کہ میں نے دس ہزار کی جائداد اول وقف کی ہے اور پندرہ ہزار کی اور کرنے کا ارادہ ہے واسطے اشاعت قرآن کے مولوی صاحب! آپ اہل قرآن ہیں اور اہلحدیث اپنے کو ظاہر کر رکھا ہے میں اتنا جانتا ہوں کہ اسلام میں خالق کے ساتھ مخلوق کا کیا حق ہے۔ اتنی مدت میں نے اہلحدیث بن کر قوم کی خدمت کی اور بہت مذہب کو پھیلایا۔ اور اس کی تائید کی۔ مگر اصل جو مقصود تھا اس میں میں بھی بھولا رہا۔ اور آپ بھی تیرھویں صدی میں افواہ عام لوگوں کی زبان زد تھی کہ زمانہ چودہ صدی کا اچھا ہو گا۔ جس کا نمونہ خداوند تعالیٰ نے مولوی عبداللہ چکڑالوی کو اتفاق سے بھیج دیا اور قرآن جو اصل کتاب آسمانی ہے جس کی تابعداری کرنے کا حکم رسول سلام علیہ کو دیا اور کل قوم کو ہوا تھا اس کی اشاعت اور تبلیغ میں مصروف ہو کر بندگان خدا کو اس کا شوق دلایا اور اہل قرآن کے نام سے محبت دلائی اور اس پر عمل کرنے پر خدا کی طرف متوجہ کیا۔ اور لوگوں کو تاریکی میں سے نکال کر طرف نور کے لائے۔ اب جو فتویٰ آپ مولوی لوگوں نے لگایا آپ ہوش کر کے بالکل ہوشیار اور بیدار ہو جاؤ۔ کیونکہ بہت وقت گذر گیا اور تھوڑا رہا دنیا سے بھی آپ خلاصی پا گئے۔ کیونکہ آپ نے بھی مذہبی لوگوں پر تمام عمر زور و شور سے فتوے لکھے تھے۔ جو ان سے تم کو حاصل ہوا دینی دنیاوی وہ آپ کو روشن ہو گیا ہے۔ اب میں تھوڑی سی دعوت کرتا ہوں خدا واسطے اس دعوت کو رد نہ کرو میں بوڑھا ہوں تم جوان ہو۔ اہل قرآن کی خدمت کے واسطے پچیس ہزار روپیہ آپ ہاتھ میں لو اور خرچ کرو اور انتظام کرو اور خود معہ اہل و عیال کے لاہور تشریف لے آؤ۔ میری جگہ پر متولی اور سرپرستی کا کام کرو کیونکہ یہ کام خدا کا ہے۔ میرے اس وقت عیال میں ساٹھ آدمی ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ پر کاروبار کرتے ہیں اور خوش و خرم ہیں۔ غرض میرے محتاج نہیں ہیں اور نہ کسی کا مذہب میں مجھ سے اتفاق ہے۔ سب میرے سخت مخالف ہیں ایسے کہ میں جانتا ہوں تمہارے بھی ہوں گیا اور دین و دنیا میں وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر میرا کہا مانو تو جس طرح تم نے دنیا کا رنگ دیکھا ہے ایسے ہی میں نے تمام رنگ دیکھ کر سب کاروبار دکان کا چھوڑ کر اشاعت قرآن کی فکر میں ہوں۔ جان کو وقف کر چکا ہوں کہ کسی طرح اس کی ترقی ہو جو کتاب آپ کی تصنیفات میں سے ہیں اور کتاب اللہ کے خلاف ہیں ان کو فروخت کر ڈالو اور فقط ایک

(گزشتہ سے پیوستہ)

کتاب اللہ کو اپنا معیار اور دستور العمل بناؤ میرے ہمراہ اس وقت عیال داری میں جملہ تین شخص ہیں۔ ایک میں اور ایک بیوی اور ایک لڑکا۔ خرد ہے جو دیوانہ ہے اور جس قدر عیال تمہارا ہے اول وقف میں سے کھاؤ اور پیچھے کاروبار انجمن میں صرف کرو اور اپنی جائداد کو اپنے عیال کے واسطے رکھو۔ جواب خط کا مہربانی فرما کر حرف بحرف دیں مگر شرط انصاف ضرور ہے۔ انصاف مدنظر رکھ کر جواب تحریر کرنا۔

والسلام

راقم شیخ محمد چٹو اہل قرآن۔ ۲۴ جون ۱۹۰۴ء لاہور۔

خاکسار کی طرف سے اس کا جواب

کرم فرمائے بندہ۔ وعلیکم السلام!

خاکسار آپ کی اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اس کا جواب وہی دیتا ہے جو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے زمانہ عتاب نبوی میں ایک بادشاہ کے خط کا دیا تھا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ "جنگ تبوک میں سب صحابہؓ شریک تھے مگر کعب بن مالکؓ جو اس وقت نامور سردار تھے۔ محض اپنی سستی سے جاتا جاتا رہ گیا۔ جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے تو منافقوں اور ضعیف الایمانوں نے تو جھوٹے سچے عذر کر کرا کے معافی کرالی۔ مگر کعبؓ نے صاف کہہ دیا کہ میرا کوئی عذر نہ تھا۔ میں صرف غفلت اور سستی سے رہ گیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تک خدا تیرا فیصلہ نہ کرے گا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور تمام مسلمانوں کو بند کیا گیا کہ کعبؓ سے کوئی شخص کلام نہ کرے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ میں اسی حال میں تھا کہ غسان کے بادشاہ کا خط میرے نام آیا کہ افسوس ہے کہ آپ کی شان کے مناسب قدر نہ ہوئی۔ آپ جیسا معزز آدمی ایسی حالت میں رہے۔ یہ مناسب نہیں۔ پس آپ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ ہم آپ کی شان کے مناسب قدر کریں گے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ اور مصیبت آئی۔ اس خط کا جواب میں نے یہ دیا کہ اس کاغذ کو جلتے تنور میں ڈال دیا۔

میرے کرم فرما میں اہلحدیث اس لیے نہیں ہوں کہ دنیاوی فوائد حاصل کروں۔ اگر ایسا ہوتا تو دوسرے طریقوں میں زیادہ فوائد مل سکتے ہیں۔ بلکہ اس لیے ہوں کہ قرآن وحدیث کو واجب الاتباع جانتا ہوں۔ اس لیے آپ کی اس مہربانی کا شکریہ کر کے آپ کی دعوت کو بحکم عطائے شما بلقائے شما واپس کرتا ہوں لیکن آپ کے پاس اگر اپنے مذہب کے دلائل ہیں تو پیش کیجیے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین میں مکرر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کیلیے دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم آپ کو اپنی راہ دکھائے اور اسی پہ مارے۔ آمین۔

خادم ابوالوفاء ثناء اللہ

(اخبار اہلحدیث ۸ جولائی ۱۹۰۴ء)

فضربنا علی اذانهم (پ ۱۵ ع ۱۳)

یعنی ہم نے ان کے کانوں پر مارا۔

گواس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اصحاب کہفؓ کے کانوں پر مارا۔ یہ ایک محاورہ ہے کہ ''ہم نے انہیں کئی سال سلا دیا'' مگر آپ کو اس سے کیا۔ کسی کا ذکر ہو کانوں کو مارنے یعنی پکڑنے کا حکم مل گیا۔ ملاجی ؎

ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی

نوٹ: اس موقع پر مولوی حشمت العلی صاحب کی محنت کا ذکر کرنا بھی ہم مناسب جانتے ہیں۔

یہ تو ہم بتا آئے ہیں کہ مولوی صاحب کا رسالہ کوئی نیا نہیں بلکہ مولوی چکڑالوی کے دونوں رسالوں سے ماخوذ بلکہ ہو بہو ہے۔ اس مسئلہ (کان پکڑنے) میں بھی آپ نے چکڑالوی رسالہ کلاں (برہان الفرقان) سے مضمون اخذ کیا ہے مگر چونکہ خاص خوبی سے کیا ہے جس سے ہمیں لطف خاص حاصل ہوا۔ اس لیے ہم اپنے ناظرین کو بھی اس لطف میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں۔

نمبر ۸ (یعنی کان پکڑ کر خشوع سے تکبیر کہنے) کا بیان:

قد افلح المومنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون (پ ۱۸)

ضرور بامراد وہ لوگ ہیں جو سچائی سے اپنی نمازوں میں ذلت اور عاجزی سے قائم ہوتے ہیں۔

(راقم شیخ محمد چٹو اہل قرآن۔ ۲۴ جون ۱۹۰۴ء لاہور)

فصل لربك وانحر (پ ۳۰)

اپنے رب کی تعلیم کی ہوئی نماز پڑھو اور اس کے آگے اپنے آپ کو ذلیل اور حقیر کرو۔

وكبره تكبيرا (پ ۱۵ باب تفعیل تکسیر کے لیے آتا ہے) اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تکبیر ایک ایک بار نماز کے ہر ایک رکن میں پڑھا کرو۔

واضمم اليك جناحك من الرهب (پ ۲۰ ع ۸)

"ملاؤ تم اپنے ہاتھوں کو نماز میں عجز سے۔"

اور پارہ ۱۶ رکوع ۱۱ میں ہے کہ اے موسیٰ میرے حضور میں نماز پڑھو۔ آیات صدر کو ملا کر غور اور تدبر کرنے سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ شروع نماز میں سب سے زیادہ خشوع اور ذلت اس میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے کان پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہتا ہوا اپنے دونوں ہاتھ قلب پر باندھے اور کان پکڑنے سے مراد صرف اسی قدر ہے کہ میں حکم عدولی سے معافی مانگتا ہوں۔ اور میں ہمیشہ آپ کے حکم کا مطیع اور فرماں بردار ہوں نماز میں کانوں کے خشوع کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے"۔ (صفحہ ۱۰ رسالہ مولوی حشمت العلی)

ماشاء اللہ! تقریر صاف ہو تو ایسی ہو۔ اگر کوئی صاحب اس کو نہ سمجھتے ہوں تو قصور ان کا۔ مولوی صاحب کو جو کہنا تھا وہ کہہ گئے۔ استاد غالب مرحوم تو اپنے زمانہ کے بے وفاؤں کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

دہر میں لفظِ وفا وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

آج ہوتے تو اس شعر کو یوں بدلتے۔

کان سے فعل خشوع وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

ہم اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کا جواب کیا دیں اور کیوں دیں۔ جس صورت میں مولوی صاحب کی عبارت ہی ایسی ہے۔ کہ چیستان کی طرح کو اپنا مضمون نہیں بتا سکتی تو جواب کی حاجت کیا۔ لیکن شاید آپ خفا ہوں کہ جواب نہ دینے سے مجھے ۔۔۔ باشد خموشی کا مصداق بنایا ہے۔ تھوڑا سا جواب عرض ہے۔

اے جناب! آپ فرماتے ہیں:

"آیات صدر کو ملانے سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ ++ انسان ++ کان پکڑ ++ دونوں ہاتھ قلب پر باندھے، وغیرہ"

کیا ایسے ظاہر ہونے کو مفصل اور مشرح کہا جا سکتا ہے جو آپ کہہ آئے ہیں۔

"ارکان نماز کی قرآن میں تفصیل اور تشریح ہے"۔

اے جناب! حضرت موسیٰ علیہ السلام والی آیت کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ حضرت موسیٰ کو جو

اژدھا دیکھنے سے خوف ہوا تو جناب باری سے حکم ہوا اپنے دونوں ہاتھ بغلوں میں دے کر سینے کو بھینچ۔ چنانچہ اب بھی ایسا کرنے سے ایک گونہ تسکین ہو جاتی ہے۔" قد افلح" والی آیت بھی صاف ہے کہ نماز کے اندر خشوع کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ بالکل ٹھیک ہے مگر خشوع تو قلب کا فعل ہے کانوں کا نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خاشعین کی تعریف خود فرما دی ہے۔ ارشاد ہے:

الا الخاشعين الذين يظنون انهم ملقوا ربهم وانهم اليه راجعون (پ ۲)

خاشعین وہ ہیں جو اپنے رب کے ملنے کا خیال رکھتے ہیں وغیرہ۔ اس کو کان پکڑنے سے کیا تعلق۔

لطیفہ!

پچھلے زمانے میں مسجدوں میں لڑکوں کو پڑھاتے ہوئے میاں جی سبق یاد نہ کرنے پر خفا ہوتے تھے۔ تو کان پکڑایا کرتے تھے۔ خدا جانے ان دونوں صاحبوں کو وہ زمانہ یاد رہا ہو کہ نماز میں بھی اسی کی مشق کیے جاتے ہیں۔ اللہ اعلم

تعداد رکعات

اس دعویٰ کے ثبوت میں ملا قرآنی نے جس قدر کوششیں کی ہیں ان کا بیان ہم اپنے الفاظ میں نہیں بتا سکتے۔ بلکہ خود انہی کے الفاظ سے ناظرین سمجھ لیں گے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"مطابق لغت صلوۃ مترادف ہے رکعت کا۔ قرآن مجید سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ عرف عام میں رکعت نماز کے ان چھ رکنوں پر بولا جاتا ہے۔ قیام، رکوع، قومہ، سجدہ اول، جلسہ، سجدہ ثانی۔ انہی شش ارکان کو قرآن مجید میں صلوۃ کہا گیا ہے۔ صفحہ ۲۲۳ پر یہ مضمون بیان ہو چکا ہے۔ ناظرین کی آسانی کے لیے اس مقام کو دوبارہ یہاں لکھ دیا جاتا ہے۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے:

واذا ضربتم فى الارض فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ان

خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکٰفرین کانوا لکم عدوا مبیناً واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ فلتقم طآئفۃ منھم معک ولیاخذوآ اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من وراء کم ولتات طآئفۃ اخری لم یصلو فلیصلوا معک (پ ۵ ع ۱۲)

''جب تم سرزمین جنگ میں سفر کرو تو تین یا چار رکعتوں والی نماز میں قصر کرنے سے تم پر بالکل کچھ گناہ نہیں (بلکہ فرض ہے) بشرطیکہ تم کو خوف ہو (وقت کے فوت ہو جانے کا) حملہ کفار جیسی چیز سے (اور ان کا حملہ کرنا بالکل ممکن ہے) کیونکہ یہ کافر منکران حق تمہارے بالکل کھلم کھلے سخت دشمن ہیں۔ (پس اے افسر) جب تو ان میں موجود ہو اور نماز باجماعت تو ان کو پڑھائے تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو اور ضرور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ پس جس وقت سجدے کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسرے گروہ کو کہ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی آجانا چاہیے۔ اور تیرے ساتھ نماز پڑھ لینی چاہیے''۔

آیات بالا میں سرزمین جنگ کی نماز یعنی صلوۃ الخوف کا بیان ہے اس آیت کے اخیر الفاظ میں صلوۃ بمعنی رکعت استعمال ہوا ہے۔ پہلے ارشاد ہوا ہے۔ کہ جب نماز پڑھنے کا سامان کرو تو ایک گروہ تیرے ساتھ آکر کھڑا ہو جائے اور جب وہ سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ دوسرا گروہ جس نے ابھی صلوۃ ادا نہیں کی آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے گروہ نے صلوۃ ادا کی ہے۔ انہوں نے قیام سے صلوۃ کا آغاز کیا اور سجدہ پر خاتمہ۔ جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قیام سے سجدہ تک جس قدر ارکان ہیں انہی کا نام صلوۃ ہے اور لوگ انہی کو رکعت کہتے ہیں سجدہ تک وہی شش ارکان ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ بہیئت مجموعی رکعت کہلاتے ہیں۔ اور ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں صلوۃ کہا ہے۔ نماز تمام میں چونکہ صلوۃ کا ہی بار بار اعادہ ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی صلوۃ کہا جاتا ہے۔ جیسے گندم کے ایک دانے کو بھی گندم کہتے ہیں اور ایک لاکھ من گیہوں ہو تو وہ بھی گندم کہلاتی ہے۔ ایک قطرہ آب بھی پانی ہے اور آب سمندر بھی پانی۔ اسی طرح وہ شش ارکان ایک بار ادا کیے جائیں تب بھی صلوۃ ہے۔ دوبارہ سہ بار، چہار بار

کیے جائیں تو بھی صلوۃ کا ہی اطلاق ہوگا۔ قعدہ اور سلام تغلیباً صلوۃ میں آجاتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اقیموا الصلوۃ وغیرہ احکام آئے ہیں تو ان سے یہی مراد ہے کہ ان شش ارکان کو ادا کرو مطابق تعلیم کتاب اللہ کے۔ یعنی جس وقت میں ان کو دو دفعہ ادا کرنے کا حکم ہے اور دو دفعہ کرو۔ جس میں تین بار کا اس میں تین بار ادا کرو۔ اور جس میں چہار بار کا اس میں چہار بار۔ واضح رہے کہ یہ شش ارکان اذکار کے صلوۃ ہیں۔ گو اذکار کا لفظ اختصاراً بعض جگہ مذکور نہ ہو۔ کیونکہ اذکار قولی ارکان ہیں اور قولی و فعلی ارکان مل کر صلوۃ ہیں۔ جاننا چاہیے کہ آیت و اذا ضربتم فی الارض الخ میں ہی اللہ تعالیٰ نے رکعتیں بیان کر دی ہیں۔ لیکن دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دل چاہیے۔ (رسالہ برہان القرآن مصنفہ مولوی چکڑالوی صفحہ ۳۱۴، ۳۱۵)

الغرض اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت اشد خوف میں دو رکعتیں فرض ہیں اور حالت خوف میں اللہ تعالیٰ نے قصر کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ آیت زیر بحث کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم اور قصر سے مراد نصف ہے جیسا کہ ابھی ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔ پس حالت اشد خوف میں دو رکعتیں ادا کی گئی ہیں تو یہ نصف ہیں کامل اکمل اطمینان کی نماز کا۔ پس اشد خوف کی حالت میں دو رکعتیں ہیں اور اشد اطمینان کی صورت میں چار رکعات اور اشد خوف اور اطمینان کے بین بین کی حالت میں دو اور چار کا مابین یعنی تین رکعات۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض نماز کی دو رکعتیں ہیں بعض کی تین بعض کی چار۔ باقی رہا یہ امر کہ کس نماز کی دو ہیں کس کی تین اور کس کی چار۔ اس لیے ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ کس خوف سے قصر کا حکم ہے جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون سا خوف موجب قصر ہے تو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (برہان صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸)

ناظرین! اس تقریر کو شاید کافی نہ جانیں۔ اس لیے ہم ملا جی کی واضح تقریر ان کو ملا جی ہی کے الفاظ میں سناتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ فاطر السمٰوت والارض جاعل الملئکۃ رسلاً اولی اجنحۃ مثنی و ثلث و ربع یزید۔ الخلق مایشاء (پ ۲۲ ع ۱۳)

اللہ کے نام کی برکت سے جو نہایت بخشش کرنے والا ہے (پڑھا کرو) (اے ہر ایک اہل آسمان واہل زمین) الحمد (یعنی پانچوں نمازیں) واسطے راضی کرنے اللہ کے کیونکہ وہ فطرت پاک پیدا کرنے والا ہے۔ تم تمام آسمان والوں (فرشتوں کی) اور تمام روئے زمین والوں (جن وانس کی) چونکہ تم فطرت اللہ میں تغیر وتبدیل کرتے رہتے ہو اس لیے نمازیں پڑھا کرو تا کہ جبر نقصان ہوتا رہے۔ اور اللہ وہ ہے جو کرنے والا ہے اپنے فرشتوں کو رسول تمہاری طرف جو لانے والے تمہاری صلوتوں یعنی رکعتوں کے ہیں جن کا حق یہ ہے کہ دو دو بار ادا کی جائیں اور تین تین بار چار چار بار مطابق تعلیم کتاب اللہ (یعنی جس وقت کی اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں مقرر کر دی ہیں اس کی دو پڑھو۔ جس کی تین فرمائی ہیں اس کی تین ادا کرو جس کی چار معین کی ہیں اس کی چار پڑھو) اس سے جبر نقصان کرنا چاہتا ہے۔ تمہاری تبدیل شدہ فطرت کا جس قدر انسان چاہتا ہے (یعنی جس قدر نماز میں توجہ وخشوع کرتا ہے) (برہان ص ۱۴۱، ۲)

سبحان اللہ! ملا قرآنی کا ترجمہ دیکھ کر کون دانا ہے جسے یقین نہ ہو کہ قرآن شریف حسب دعویٰ ملا قرآنی مفصل اور مبین ہونے کے بجائے چیستان ہے۔ ہمیں آیت موصوفہ کے ترجمہ کی صحت یا غلطی سے مطلب نہیں۔ اہل علم ناظرین خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ملا جی کہاں تک حرکت مذبوحی کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لیے آپ نے قرآن مجید کی اس قدر تحریف اور تبدیل کی ہے اس کا ثبوت بھی کچھ ہوا؟ نہیں ہم ہی نہیں کہتے۔ ملا جی خود اقراری ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

ابھی یہ ثابت کرنے کا وعدہ ہوا تھا کہ دو رکعتیں کس وقت کی ہیں۔ تین کس کی اور چار کس کی۔ یعنی رکعتوں کا حق وقتوں میں تقسیم کرنا ہے اور قابل غور یہ ہے کہ حق داروں کو یہ حق کس طرح تقسیم ہو۔ پس واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

السابقون السابقون اولئك المقربون (پ ۲۷ ع ۱۴)

انسان اور اس کی جنس یا ذات میں یا صفات میں سبقت رکھنے والے ہی حق واجر لینے میں سبقت کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ جامع اصول دین ودنیا میں برتا جاتا ہے۔ جو

پہلے نوکر ہوا اس کو پنشن بھی پہلے ملتی ہے جو پیچھے نوکر ہوا سے پیچھے پنشن ملے گی۔

غرضیکہ دین کے کاموں میں جو سبقت کرے وہ اجر لینے میں بھی سابق ہوگا۔ نہ صرف انسان ہی دین و دنیا میں سبقت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ عالم کی اور چیزیں بھی جو کسی بات میں سبقت کرتی ہوں وہ قدر و عزت میں بھی سابق ہوتی ہیں۔ مثلاً سیب، ناشپاتی، آم، انار، نارنگی، خربوزے جو موسم کے شروع میں آتے ہیں ایک بڑی قدر و قیمت پاتے ہیں۔ کدو جن کو پیچھے کوئی پیسے سیر بھی نہیں لیتا شروع شروع میں چار آنے سیر بھی میسر نہیں آتے۔ غرض کہ السابقون السابقون کا اصول ایک عالمگیر اصول ہے۔ جو انسانوں سے گذر کر دوسری چیزوں میں بھی جاری و ساری ہوتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق ہم مثنٰی و ثلث و ربع رکعات کو اوقات پنجگانہ پر تقسیم کرتے ہیں۔ رکعات میں مثنٰی (دو دو) کو ہے۔ اوقات میں سے جس کو سبقت ہوگی اس کو مثنٰی چلے گی۔ دوسرے کو تین اور تیسرے کو چار۔ اب ہم سبقت اوقات پر غور کرتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

(۱) ولا الیل سابق النھار (پ ۲۳ ع ۲)

"اور نہیں ہے رات ہرگز سبقت کرنے والی دن پر"۔

(۲) ھو الذی جعل الیل والنھار خلفۃً (پ ۱۹ ع ۱۴)

"اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے والا" (یعنی رات آتی ہے دن کے بعد اور دن رات کے بعد) (ناظرین گھبرائیے نہیں ابھی داستان امیر حمزہ لمبی ہے۔ مصنف)

(۳) ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنھار لآیت لاولی الالباب (پ ۴ ع ۱۱)

"تحقیق آسمان و زمین اور ان کی ہر ایک چیز کی پیدائش میں خاص کر رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا (ایسا ہے کہ) بے شک آگاہ کرنے والا ہوشیار کرنے والا بیدار کرنیوالا ہے۔ واسطے عقل سلیم والوں کے"۔

(۴) یغشی الیل النھار (پ ۸ ع ۱۴)

"رات کو دن کا پردہ پوش بناتا ہے"۔

ان آیات سے روز روشن سے بڑھ کر ثابت ہوتا ہے کہ دن سابق ہے رات سے۔ ولا الیل سابق النھار دن پہلے ہوتا ہے اور رات پیچھے دن کے بعد رات آتی ہے۔ اس لیے رات کو دن کا خلیفہ کہا ہے۔ دن میں داخل ہوتی ہے رات۔ یولج الیل فی النھار۔

الغرض دن سبقت رکھتا ہے رات پر۔ پس مثنی دن کا حق ہے۔ اور ثلث رات کا دن میں پھر تین وقت ہیں۔ فجر، ظہر، عصر اور ان میں سبقت ہے فجر کو۔ پس مثنی فجر کا حق ہے اور رات میں دو وقت ہیں۔ شام و عشاء۔ ان میں شام کو سبقت ہے۔ پس ثلث شام کا حق ہے۔ اب باقی رہ گئے ظہر، عصر اور عشاء اور حصہ رہا رباع۔ یہ حصہ ان تینوں وقتوں کا ہے۔ اور ہر ایک کو چار رکعتیں ملیں گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تین کو سوا سوا رکعت دی جائے کیونکہ مثنی، ثلث، رباع میں سے کسی کے حصہ کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ کسی وقت مثنی، کسی وقت ثلث، کسی وقت رباع رکعات ادا کرنی فرض ہیں۔ (برہان صفحہ ۳۴۹ تا ۳۵۲)

سچ ہے! ؎

ملے تو حشر میں لے لوں زباں ناصح کی — عجیب چیز ہے طول مدعا کے لیے

ناظرین! خدارا انصاف کریں کیا ایسے ہی احکام کو مفصل کیا جاتا ہے۔ اسی کا نام تدبر اور تفکر ہے جس کا دعویٰ ملا قرآنی کو ہے۔ اور جس کے نہ کرنے سے ملاجی علماء پر خفا ہوتے ہیں۔ کہیں کچھ کہیں کچھ خطاب دیتے ہیں۔ واہ ؎

عجب ہوشیاری کہ نادان بن کر — ہمیں سے ہمارا گلہ ہو رہا ہے

ناظرین! ملاجی کی عبارت زیر خط کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور آپ کے مقرر کردہ قاعدہ کو دوبارہ پڑھیں کہ السابقون السابقون (پہلے کا حق پہلے ہے) پھر یہاں کیا بات ہے کہ ظہر عصر کو جب مقدم ہیں شام سے پیچھے پھینکا جاتا ہے اور لفظ رباع سے حصہ ملتا ہے۔ جو ثلث سے بعد ہے۔ پھر لطف یہ کہ شام کو تو مقدم جان کر ثلث سے حصہ دیا گیا مگر ظہر اور عصر کو مقدم نہ سمجھا گیا۔ جو واقع میں مقدم بھی ہیں۔ تلك اذاً قسمة ضیزی۔

ناظرین! یہ ہے ملاجی کی حرکت مذبوحی جس کا نام ان کی اصطلاح میں تدبر اور تفکر بآیات اللہ

ہے۔ جس کو ہمارے اور کل اہل علم کے محاورے میں خبط اور مالیخولیا یا مراق اور جنون کہتے ہیں۔ خیر۔ لامناقشة فی الاصطلاح سچ ہے۔

تو وطوبیٰ و ما و قامت یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ملاجی! یہی وہ تدبر اور تفکر ہے جس سے تمام احکام قرآن شریف سے مفصل اور مبین معلوم ہو سکتے ہیں؟ جو خیریت سے آپ کو ملا ہے۔ آہ کیا سچ ہے۔

بت کریں آرزو خدائی کی شان ہے تیری کبریائی کی

غالباً ناظرین خود ملاجی ہی کی تقریر سے آپ کا رد جواب پا گئے ہوں گے۔ کہ کس بیچارگی سے اپنے دعوے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

ہم نے جب شروع شروع میں سنا کہ ایک مولوی صاحب لاہور میں پیدا ہوئے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ تمام احکام قرآن شریف سے ثابت ہوتے ہیں تو بہت خوشی ہوئی تھی کہ خدا کا شکر ہے کہ کوئی اس گئے گذرے زمانے میں بھی ہے جو قرآن شریف میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔ مگر افسوس کہ آپ کی ایسی تقریروں سے دل ٹھنڈا پڑ گیا اور عرب کا مقولہ یاد آیا۔

تسمع بالمعیدی خیر من ان ترنہ

ہاں بیچ بیچ میں تو بڑے بڑے چالاکوں کے کان کترتے ہیں لیکن اس سے کیا فائدہ؟۔

یہ مان لیا ہم نے کہ عیسیٰ سے سوا ہو جب جانیں کہ درد دل عاشق کی دوا ہو

قعدہ کا بیان

یوں ملا قرآنی جی نے بڑی مہربانی کی ہے کہ نماز کا کوئی رکن نہیں چھوڑا۔ اخیر رکن قعدہ کو آپ ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں واسطے ہدایت اپنے بندے کے:

(۱) یا ایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر (پ ۱۷ ع ۱۷)

''اے ایماندارو رکوع کیا کرو سجدے کیا کرو اور اپنے پروردگار کے سامنے اور بھی

عاجزی اور خضوع وتذلل کا فعل کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ بھلائی کا فعل کیا کرو"۔

(۲) فاسجدوا للہ واعبدوا (پ ۲۷ ع ۷)

"پس سجدے کیا کرو (نماز میں) اللہ کے آگے اور اور بھی فعلی عاجزی وخضوع وتذلل کیا کرو"۔

امن ھو قانت آناء الیل ساجداً وّ قائماً من یحذر الاخرۃ و یرجوا رحمۃ ربہ قل انی امرت ان اعبداللہ مخلصاً لہ (پ ۲۳ ع ۱۵)

"بھلا (دکھ میں پکارنے والا اور سکھ میں بھلانے والا شخص اس کی برابری کرسکتا ہے) جو رات دن کے وقتوں (شام وعشاء) میں عجز وانکسار سے نماز میں قیام کرتا ہے۔ (رکوع سجدے کرتا ہے اور ان سے اٹھتا ہے، روز آخر سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے (تو بھی ایسا ہی کیا کر)۔۔۔اور کہہ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (قیام رکوع، سجدوں کے سوا بھی) اللہ کے سامنے عجز و نیاز خضوع وتذلل کا فعل کیا کرو۔ درآنحالیکہ اپنی تمام نماز خالص (اسی خدا کے فرمودہ کے مطابق) خلوص دل سے ادا کروں"۔

عبادت کے معنی ازروئے لغت خضوع وتذلل یعنی عاجز وذلیل وحقیر بننا ہیں۔اور اسی کے مطابق ہم نے آیات منقولہ بالا میں ترجمہ کیا ہے ارکعوا واسجدوا میں رکوع وسجدے کے فعل کا حکم ہے۔اس لیے "اعبدوا" میں بھی خضوع کے فعل کا حکم ہے۔اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابھا آیت نمبر ا میں رکوع کے بعد واعبدوا ربکم کا ارشاد ہے۔کہ اپنے پروردگار کے سامنے خضوع وتذلل کیا کریعنی اپنے آپ کو خدا کے سامنے عاجز وذلیل وحقیر کیا کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ سجدوں کے بعد بھی عجز ونیاز وذلت وحقارت کا کوئی فعل کرنے کا امر ہے۔آیت نمبر ۲ میں حکم سجود کے بعد "اعبدوا" ہے۔آیت نمبر ۳ میں قیام، رکوع، قومہ، جلسہ، سجدتین کے امر کے بعد پھر عبادت کا فرمان ہے۔ان ہرسہ آیات سے اظھر من الشمس ہے کہ سجود کے بعد قیام، رکوع، قومہ، سجدہ اول جلسہ، سجدہ ثانی، کان پکڑنے کے علاوہ بھی عجز ونیاز اپنی ذلت وحقارت خضوع و تذلل کا کوئی فعل کرنا حکم ربی ہے۔اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سا فعل ہے تلاش کرنے پر قرآن

مجید سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے حضور دوزانو بیٹھنا ایک اور آداب و نیاز و ذلت وحقارت، خضوع وتذلل کا فعل ہے جیسا کہ فرمایا کلام پاک کے اتارنے والے نے:۔

(۱) وللّٰه ملك السمٰوت والارض و یوم تقوم الساعة یومئذٍ تخسر المبطلون وتری كل امة جاثية (پ ۲۵ ع ۲۰)

اور خاص اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین کی جس دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن کتاب اللہ کے جھٹلانے والے سخت خسارہ اٹھائیں اور تو ذوی العقول کے ہر ایک گروہ کو ادب و عجز و نیاز سے (خدا کے حضور) دوزانو بیٹھا ہوا دیکھے گا۔

اس آیت کے موافق قیامت کے دن تمام جن و انس و ملائکہ خدا کے حضور بادب و عجز و نیاز دو زانو بیٹھے ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بادب دوزانو بیٹھنا بھی رب العالمین کے سامنے اپنی عاجزی، ذلت وحقارت ظاہر کرنے کی صورت ہے۔ ذیل کی آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

(۲) فوربك لنحشرنهم والشیطین ثم لنحضرنهم حول جهنم جثيًا (پ ۱۶ ع ۸)

پس اے پیغمبر تو ہر منکر قیامت سے کہہ کہ (مجھے) تیرے رب کی قسم (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) ہم ان تمام (منکرین قیامت) اور ان کے پیشواؤں کو اٹھا کر جمع کریں گے (اپنے حضور) پھر حاضر کریں گے ہم ان کو دوزخ کے گرد ذلت وحقارت دوزانو بیٹھے ہوئے۔

الغرض ان ہر دو آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و عجز و نیاز سے ذلیل وحقیر دوزانو بیٹھنا بھی عبادت یعنی خضوع وتذلل کا فعل ہے۔ قیام، رکوع، قومہ، جلسہ، سجدے، کان پکڑنے کے علاوہ یہی ایک صورت تذلل یعنی عبادت کی قرآن مجید سے ملتی ہے پس ہر چہار آیات منقولہ صفحہ ۳۵۵، ۳۵۶ میں واعبدوا وغیرہ سے مراد خداوندی سجدوں کے بعد نماز میں بادب ذلیل وحقیر ہوکر دوزانو بیٹھنے کا فرمان ہے ہاتھوں کا زانو پر رکھنا ادب میں داخل ہے۔۔۔ اور جثیًا کی تنوین کا مفہوم ہے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دوزانو بیٹھنے کو ہی قعدہ کہتے ہیں۔ پس آیات اعبدوا میں قعدہ کا

حکم ہے"۔(برہان صفحہ ۳۵۷)

ہم ملاجی کی تمام عبارت اس لیے نقل کر دیتے ہیں کہ ناظرین کو ملاجی کی کوشش کا علم ہو سکے کہ بیچارے اپنا مدعا ثابت کرنے کو کیسی کیسی تکالیف شاقہ برداشت کر رہے ہیں۔ نیز ہم کو ان کے جواب میں کچھ مزید تفصیل سے کام نہ لینا پڑے۔ کیونکہ ہمارے خیال میں ملاجی کی عبارت خود ہی اپنا جواب ہے۔

ملاجی! یہ آیات قیامت کے روز کے متعلق ہیں۔ آپ اگر قیامت کے روز کے واقعات سے نماز کے ارکان کا ثبوت دیتے ہیں تو بہت آسان ہے۔ سنیئے قیامت کے روز تو کئی ایک واقعات اور بھی پیش آئیں گے۔ بھولے ہیں تو میں بتاتا ہوں اگر سچے ملا قرآنی ہو تو آج سے اسی طرح نماز پڑھئے گا۔ غور سے سنیئے ارشاد ہے۔

انما یوخرھم لیوم تشخص فیه الابصار مھطعین مقنعی روسھم یرتد الیھم طرفھم وافئدتھم ھواء(پ ۱۳ ع ۱۹)

"قیامت کے روز ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ سر اونچا کر کے بھاگے چلے جائیں گے۔ ان کی ٹکٹکی بندھی ہوگی۔ ایسی کہ جدھر کو ان کی آنکھیں لگی ہوں گی لگی کی لگی رہیں گی ان کی طرف نہ پھیریں گی"۔

لیجیے! سردست اس آیت پر عمل کیجیے یعنی نماز میں آنکھیں مسجد کی جہت یا آسمان کی طرف لگائے رکھیے پھر اور بتائیں گے۔

ملاجی! آپ کی حالت زار پر مجھے رحم آتا ہے کہ آپ نے دعویٰ اپنی بساط سے زیادہ کر لیا اب اسی دعویٰ کے نبھانے میں آپ یہ دقتیں اٹھا رہے ہیں۔ شروع شروع میں تو آپ نے خوشی خوشی عوام کے سامنے اہل قرآن کہلا لیا۔ لیکن ثبوت دیتے ہوئے مشکل پڑ گئی۔ سچ ہے۔

عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا

خیر بہر حال آپ نے قعدہ نماز کا ثبوت جو کچھ دیا وہ تو ذکر ہو چکا ہے۔ اب آپ کا ایک ثبوت اور باقی ہے جو حقیقت میں اس بحث کا خاتمہ ہے۔ اس لیے ہم اس کو بھی نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

اوپر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سجدوں کے بعد قعدہ کا حکم ہے۔ اب قرآن مجید سے دیکھنا چاہیے کہ کس رکعت کے سجدوں کے بعد قعدہ کیا جائے پس جاننا چاہیے کہ پہلی رکعت کے بعد بیٹھنا جائز نہیں۔ جیسا کہ آیت فاذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح سے جو بہت دفعہ نقل ہو چکی ہے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا اس ذات پاک نے۔

فاذا سجدوا فلیکونوا من ورآء کم (پ ۵ ع ۲۱)

پس جب سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے سے ہٹ جائیں۔

اس سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کے بعد بیٹھنا جائز نہیں بلکہ سجدہ کرتے ہی فوج کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم ہے۔ اگر یہاں قعدہ فرض ہوتا تو بیٹھ کر پیچھے ہٹنے کا حکم ہوتا۔ لیکن یہاں چونکہ سجدہ کرتے ہی فوراً پیچھے ہو جانے کا حکم ہے اس سے متحقق و متقین ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کے بعد قعدہ کی اجازت نہیں۔ پس واعبدوا کے حکم کی تعمیل دوسری رکعت کے بعد کرے اور دو رکعتوں والی نماز میں اسی قعدے پر نماز ختم کر دے۔ تین رکعتوں والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد بھی قعدہ فرض ہے اور تیسری کے بعد بھی اور دوسرے قعدہ پر ہی نماز تمام کر دے۔ اور چار رکعتوں والی نماز میں ایک قعدہ دو رکعت کے بعد دوسرا قعدہ چوتھی رکعت کے بعد ہے۔ تیسری کے بعد بیٹھنا جائز نہیں اس لیے کہ پہلے دوگانہ رکعت میں صریح الفاظ سے ثابت ہوا کہ کوئی فرق و فاصلہ نہیں یعنی ان کے درمیان قعدہ نہیں۔ چونکہ قرآن مجید کے احکام متشابہ ہوتے ہیں۔ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابها پس دوسرے دوگانہ رکعات میں بھی فرق و فاصلہ یعنی قعدہ جائز نہیں۔ اگر دونوں دوگانوں میں اللہ تعالیٰ کو اختلاف و تخالف منظور ہوتا تو وہ خود بخود ذکر فرما دیتا کہ تیسری اور چوتھی رکعت کے درمیان بھی قعدہ ہے چونکہ ایسا کوئی فرمان نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلی دو رکعتیں دوسری رکعتوں کے مشابہ ہیں اور جس طرح اول دو میں کوئی فاصلہ یعنی قعدہ نہیں ایسا ہی دوسری میں بھی کوئی قعدہ نہیں۔ (برہان صفحہ ۳۵۸)

چونکہ ہم شروع سے ملا قرآنی کے برخلاف لکھتے آئے ہیں جس سے احتمال ہے کہ آپ کے دوست رنجیدہ خاطر ہو گئے ہوں گے۔ اس لیے مضمون کو ہم بلا جواب ہی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ یہ صاحب اگر ہم پر خفا ہوئے ہوں تو غصہ فرو ہو جائے۔ گو آپ کی تمام تقریریں ہی آپ کا جواب

ہوتی ہیں۔ مگر یہ تقریر تو بالخصوص کمال رکھتی ہے۔ ناظرین اس تقریر کو بغور پڑھیں اور سوچیں کہ اس میں کون سا فقرہ یا لفظ ایسا ہے جو ملا جی کو اس دعویٰ میں مفید اور ہم کو مضر ہو۔ جب کچھ نہیں تو ہم جواب کس کا دیں۔

اس سے آگے ملا جی نے قعدہ میں اذکار کا ثبوت دیا ہے اور اس سے علاوہ نماز کے متعلق اور چند مسائل کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً امامت، جمعہ عیدین، جہر واخفا وغیرہ۔ لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے کیوں؟

قیاس کن زِگلستان من بہار مرا

ہمارا دعویٰ

اب سنیے ہمارا دعویٰ!

ہم کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں تمام احکام ہیں۔ لیکن نا اس طرح جیسے آپ لکھتے ہیں۔ اور کھجلاتے کھجلاتے خون نکال لیتے ہیں۔ بلکہ صاف لفظوں میں ہم ثبوت دیتے ہیں۔ سنیئے قرآن شریف میں نماز کے متعلق اتنے الفاظ ہیں۔ کبر (پ۱۵ع۱۲) قوموا للہ (پ۲ع۱۲) ارکعوا (پ۱ع۵) اسجدوا (پ۱۷ع۱۷) قیاما و قعودا (پ۵ع۱۲) سبح باسم ربك العظیم (پ۲۷ع۱۵) سبح اسم ربك الاعلی (پ۳۰ع۱۱) فاقروا ما تیسر من القرآن (پ۲۹ع۱۴)۔

ان سب احکام پر ہم عمل کرتے ہیں لیکن نہ آپ کی طرح ایجاد بندہ سے کام لے کر؟ بلکہ اس سچے معلم اور اسوہ حسنہ (نیک نمونہ) کی تعلیم سے جس کی بابت خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ۲۱ع۱۹) ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمانداروں کے واسطے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

پس کبر کے معنی ہیں اللہ کی بڑائی بیان کر جس کی بابت اسوۂ حسنہ (نبی) نے بتایا ہے کہ اللہ اکبر کہا کرو۔ قوموا للہ کے معنی ہیں اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ جس پر ہمارا بھی عمل ہے۔

ار کعوا کے معنی رکوع کرنے کے ہیں۔ اسجدو کے معنی سجدے کے قیاما و قعودا کھڑے اور بیٹھے اللہ کو یاد کرو۔ اس کے مطابق معلم اول نے شروع میں قیام اور اخیر میں قعدہ سکھایا۔ سبح باسم ربك العظيم کے مطابق ہم کو رکوع میں سبحان ربی العظیم کہنا سکھایا ہے اور سبح اسم ربك الاعلى کے مطابق ہم کو سجدے میں سبحان ربی الاعلی کہنا بتایا۔ اور فاقروا کے مطابق فرمایا لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ (الحمد) نماز میں پڑھا کرو بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز جائز نہیں۔

ملا جی بتایئے! ہماری نماز کے ارکان صاف صاف قرآن شریف سے ثابت ہیں یا آپ کے؟ ہم حقیقتاً اہل قرآن ہیں یا آپ؟ سچ ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیث مصطفےٰ پر جان مسلم داشتن

ملا جی دیکھا کہ چند سطروں میں نماز کا ثبوت کیسے دے دیا نہ کہ آپ کی طرح چار سو آٹھ صفحات کا رسالہ جو سود خور بنئے کی بہی کی طرح جس میں اصل رقم سے سود بہت زیادہ؟ پس سنو۔

اولئك ابائی فجئنی بمثلهم   اذا جمعتنا یا جریر الجامع

آپ کا بہی خواہ

ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

طبع اول ۱۸ شوال ۱۳۲۳ھ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۵ء

طبع دوم رجب ۱۳۳۶ھ اپریل ۱۹۱۸ء

طبع سوم رجب ۱۳۴۷ھ دسمبر ۱۹۲۹ء

تعلیماتِ مرزا

مصنفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابوالوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300-4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی النبی و اھلہ لہ الحمد

لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً

تعلیماتِ مرزا

پہلے مجھے دیکھئے

دیباچہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی آج ملک پنجاب میں خصوصاً اور ہند میں عموماً بلکہ بیرون ہند بھی زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ میں مہدی مسعود اور مسیح موعود ہوں، خدا سے ہم کلام ہوں، نبی ہوں، رسول ہوں۔ [1] اس کے سوا انہوں نے کوئی شرعی حکم ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ احکام شرعیہ سابقہ ہی پر عمل کرتے اور بتاتے رہے ہاں ساری عمر انکی محض اپنی شخصیت منوانے میں گزری یہی کہتے رہے کہ میری دعوت کا قبول کرنا ہر مسلمان بلکہ ہر انسان پر فرض ہے۔ [2]

چونکہ انہوں نے سب دنیا کو اپنی طرف بلایا اور ایمان لانے کی دعوت دی لہٰذا سب لوگوں نے ان کے دعاوی کو جانچنے پر توجہ کی۔ بہت سی کتابیں لکھیں، مباحثات کیے۔ کسی صاحب نے حیات مسیح پر کتابیں لکھیں، مباحثات کیے۔ کسی نے آثار قیامت پر، خاکسار نے جو کچھ لکھا اس کا بیشتر حصہ مرزا صاحب کے دعویٰ کے متعلق ہے۔ یہ رسالہ بھی اسی قسم سے ہے۔

اس رسالہ میں پانچ ابواب ہیں جن میں پانچ مضمون درج ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ صفاتِ مرزا۔ ۲۔ اختلافاتِ مرزا۔ ۳۔ کذباتِ مرزا۔ ۴۔ نشاناتِ مرزا۔ ۵۔ اخلاقِ مرزا۔

ناظرین سے استدعا ہے کہ رسالہ ہذا کو پڑھ کر اپنے بھٹکے ہوئے انسانی برادران (مرزائیوں) کو صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کریں وہ ضد کریں تو ان کے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ ان کو

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱

[2] رسالہ معیار الاخیار

غلطی سے نکالے۔

نوٹ: مرزائی اخبار اور مرزائی لیڈر خاکسار کو اپنا بدترین دشمن لکھا اور کہا کرتے ہیں۔ میں اس کے جواب میں کہا کرتا ہوں۔ ''میں دشمن نہیں بلکہ مرزا صاحب اور امت مرزائیہ کا آنریری مبلغ ہوں جو کلام مرزا کو ناواقفوں تک بے تنخواہ پہنچاتا ہوں''۔

ناظرین اس رسالہ کو بغور پڑھ کر امید ہے کہ میرے دعویٰ کی تصدیق کریں گے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

''طباعت کے بعد اس رسالہ کا اثر عوام پر جتنا ہوا اتنا ہی اتباع مرزا کو صدمہ ہوا۔ اس لئے انہوں نے اس کا جواب لکھا۔ جس کا نام ہے ''تجلیات رحمانیہ'' مصنف کا نام ہے مولوی اللہ دتہ جالندھری مبلغ قادیان''۔

طبع ثانی کتاب ہذا میں اس جواب کا جواب اُلجواب بھی دیا گیا۔ ناظرین بغور ملاحظہ فرمائیں۔

احباب کرام

یہ رسالہ جملہ تصانیف متعلقہ مشن قادیان سے مفید تر ہے آپ صاحبان بھی اس کو مفید پائیں تو اس کام میں حصہ لیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ آپ خود دیکھیں اور مرزا صاحب کے مریدوں کو دیکھائیں۔ بلکہ ان میں بکثرت پھیلائیں۔

اشاعتی انجمنوں اور مخیر ہمدردان اسلام سے بہت کچھ خیر کی امید ہے والسلام

ابوالوفاء ثناء اللہ

امرتسر

طبع دوم: محرم ۱۳۵۱ھ مئی ۱۹۳۲ء

باب اوّل

صفاتِ مرزا

۱۔ میرا قدم اس منارہ پر ہے جہاں تمام بلندیاں ختم ہیں۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵ طبع اول)

۲۔ میرا تخت سب تختوں سے اوپر بچھایا گیا۔ (حقیقت الوحی صفحہ ۸۹)

۳۔ میرے آنے سے پہلوں کے سورج ڈوب گئے۔ (خطبہ الہامیہ)

۴۔ میں خواب میں اللہ ہوگیا اور میں نے یقین کرلیا کہ میں واقعی اللہ ہوں پھر میں نے آسمان بنایا اور زمین بنائی وغیرہ۔ (آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۴)

۵۔ خدا عرش پر میری تعریف کرتا ہے۔ (انجام آتھم صفحہ ۵۵)

۶۔ میں خدا کے نزدیک اس کی اولاد کے رتبہ میں ہوں۔ (اربعین وغیرہ)

۷۔ میرے منکر مسلمان حرامزادے ہیں۔ (آئینہ کمالات ۵۴۸)

۸۔ مجھے مردوں کو زندہ کرنے اور زندوں کو مارنے کی قدرت دی گئی ہے۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۳)

۹۔ میری شان میں ہے ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى'' ''یعنی مرزا اپنی خواہش سے نہیں بولتا''۔ (اشتہار انعامی پانسو صفحہ ۲۴)

۱۰۔ اعلموا ان فضل اللہ معی وان روح اللہ ینطق فی نفسی جان لو کہ اللہ کا فضل میرے ساتھ ہے اور اللہ کی روح میرے نفس میں بولتی ہے۔ (انجام آتھم صفحہ ۱۷۶)

باوجود ان دعاوی کے جن لوگوں نے مرزا صاحب کے اقوال ملاحظہ کئے ہیں وہ قرآنی اصول کی تصدیق کرنے پر مجبور ہیں ''لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا'' (جو کلام غیر خدا سے ہو اس میں بہت اختلاف ہوتے ہیں)۔

☆☆☆

دوسرا باب

اختلافات مرزا (1)

ا۔ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ خود آئیں گے:

"هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ" یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔۔۔ تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (مسیح موعود کے دوبارہ آنے کا اعتراف) (براہین جلد چہارم صفحہ ۴۹۸۔۴۹۹)

اس کے خلاف!

پس دینا میں مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۶۱۴)

---

(1) اس باب کے جواب میں مجیب نے جو علمی جوہر دکھائے ہیں وہ اہل علم کے سننے اور دیکھنے کے قابل ہیں۔ مجیب نے اصولی جواب دو طرح دیئے ہیں:۔

ایک یہ کہ جس طرح قرآن میں نسخ ہے اسی طرح اقوال مرزا میں بھی نسخ ہو سکتا ہے ص ۲۶، ۲۷ فاضل مصنف کو غالباً دھوکا لگا ہے وہ جملہ خبریہ اور انشائیہ میں تمیز نہیں کر سکے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ نسخ احکام یا مناہی میں ہوتا ہے جو جمل انشائیہ ہوتے ہیں۔ جمل خبریہ میں اختلاف ہو تو نسخ نہیں کہا جاتا بلکہ دو میں سے ایک کو جھوٹ کہا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ کل ٹھیک بارہ بجے بارش ہوئی تھی۔ پھر کہے کل بارہ بجے بارش نہیں ہوئی تھی یہ دو جملے خبریہ ہیں یقیناً ان کے اختلاف کا جواب نسخ سے نہیں دیا جا سکتا بلکہ یقیناً ماننا پڑے گا کہ دو کلاموں میں سے ایک جھوٹ ہے۔

ناظرین کرام! مجیب صاحب مولوی اللہ دتہ یوں تو مولوی فاضل کا امتحان پاس کردہ ہیں مگر قادیانی قصر نبوت کی حفاظت کا کام بھی تو بہت مشکل ہے۔ اس لئے مجیب صاحب کو اگر جمل خبریہ اور بھول جائیں تو محل تعجب نہیں اس لئے وہ مرزا صاحب کو مخاطب کر کے بزبان حال کہتے ہیں ۔

ساحری کر دو و چشم تو وگرنہ زیں پیش — بود ہشیار تر از تو دل دیوانہء ما

مجیب نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال میں اختلاف ہو تو الہامات میں اختلاف نہیں۔ (صفحہ ۲۵)

حضرت مسیح علیہ السلام نہیں آئیں گے میں ہی مسیح موعود آ گیا ہوں

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تابنہد پا بمنبرم ① ایضاً صفحہ ۱۵۸

(گزشتہ سے پیوستہ) جواب الجواب! ہم جانتے ہیں کہ ملہم کے ذاتی اقوال اور الہام الگ الگ ہوتے ہیں ملہم کے ذاتی قول میں غلطی ممکن ہے کیونکہ ملہم پر ہر وقت وحی الٰہی نازل نہیں ہوتی۔ مگر مرزا صاحب ایسے ملہم ہیں کہ ہر وقت اور ہر لحظ روح القدس ان کے ساتھ رہتا تھا۔ چنانچہ وُہ فرماتے ہیں:۔

''اس عاجز کو اپنے ذاتی تجربہ سے یہ معلوم ہے کہ روح القدس کی قدسیت ہر وقت اور ہر دم اور ہر لحظہ بلا فصل ملہم کے تمام قویٰ میں کام کرتی رہتی ہے۔ اور انوار دائمی اور استعانت دائمی اور محبت دائمی اور استعانت دائمی اور عصمت دائمی اور برکات دائمی کا یہی سبب ہوتا ہے کہ روح القدس ہمیشہ اور ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے''۔ (کتاب دافع الوساوس صفحہ ۹۴)

یہ تو ہوا مرزا صاحب کا بر بنائے تجربہ عام قانون، جس میں خود بھی داخل ہے۔ اب ایک اور ثبوت سنئے:۔ مرزا صاحب تو اپنے پر روح القدس کو اس قدر متولی اور حاوی جانتے ہیں کہ عبارتی غلطی بھی ان سے نہیں ہو سکتی۔ فرماتے ہیں:

''یہ بات بھی اس جگہ بیان کر دینے کے لائق ہے کہ میں (مرزا) خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں۔ کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (جل جلالہ) (نزول مسیح صفحہ ۵۶)

ناظرین کرام! ایسے ملہم جو ہر وقت بلا فصل دائم روح القدس کی حفاظت میں ہو جس کی حفاظت اللہ اتنی کرے کہ عبارت بھی اسے خود بتائے اس کی نسبت اقوال اور الہام میں فرق کرنا اس ملہم کی ہتک کرنا نہیں تو کیا ہے؟ اسی لئے ہم نے اقوال مرزا کے اختلاف پر آیت قرآنی لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً لکھی جس پر مجیب نے غور نہیں کیا۔ کیونکہ دل پر بے جا محبت نے غلبہ کر رکھا ہے۔

(صفحہ ہذا) ① مجیب نے اس کا جواب دیا کہ براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے رسمی عقیدہ لکھ دیا تھا اس کے بعد جو لکھا وہ تحقیقی تھا۔ (صفحہ ۴۷۔۴۸)

جواب الجواب! مرزا صاحب زمانہ تالیف براہین میں بھی مدعی مجددیت تھے۔ اسی تجدید میں انھوں نے براہین لکھی۔ اور جناب مسیح کے متعلق جو کچھ لکھا وہ آیت مرقومہ سے استدلال کر کے لکھا نہ کہ رسمی اور شنیدی بلکہ تحقیقی اور تنقیدی علی وجہ البصیرت لکھا۔ چنانچہ براہین کے آخیر میں لکھتے ہیں یہ کتاب خدا مجھ سے لکھاتا ہے۔ یہ بھی مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں اس قدر خدا کی حفاظت میں ہوں کہ ''جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔'' (نزول مسیح صفحہ ۵۶)

معلوم ہوا کہ براہین کی عبارت بھی اسی اندر کی تعلیم کا نتیجہ ہے نہ کہ رسمی عقیدہ۔

مرزائی دوستو! کیا یہ دعویٰ مرزا صاحب کا محض بور کے لڈو ہیں؟

۲۔ حضرت داؤد کا تخت بحال کرنے آیا ہوں۔ قول مسیح:

یسوع نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ میں داؤد کے تخت کو قائم کرنے آیا ہوں اور اس طرح پر یہود کو اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا کہ دیکھو میں تمہاری بادشاہی پھر دنیا میں قائم کرنے آیا ہوں اور رومی گورنمنٹ سے اب جلد تم آزاد ہونا چاہتے ہو مگر وہ بات نہ ہوئی اور یسوع صاحب نے نہایت درجہ ذلت دیکھی۔ منہ پر تھوکا گیا اور آپ کے اس حصہ جسم پر کوڑے لگائے جہاں مجرموں کو لگائے جاتے ہیں۔ اور حوالات میں کیا گیا۔ پس یہود اور بہت سے لوگوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ اس شخص کی پیش گوئی صاف جھوٹی نکلی اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ (انجام آتھم صفحہ ۱۲)

۳۔ اس کے خلاف:

ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے خبر دی تھی کہ تو بادشاہ ہوگا۔ انھوں نے اس وحی الٰہی سے دنیا کی بادشاہی سمجھ لی اور اسی بنا پر حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خرید لو۔ مگر آخر معلوم ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰ کی غلط فہمی تھی اور بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت تھی۔ نہ زمین کی بادشاہت۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ جلد ۵ صفحہ ۸۹)

نوٹ: پہلے بیان میں اس پیش گوئی کو یسوع کی بناوٹی بتا کر موجب ذلت بتائی دوسرے میں خدا کی طرف سے بتا کر بتاویل پوری ہونے کی اطلاع دی کیا خوب۔ ❶

۴۔ حضرت مسیح کی سخت کلامی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بد دعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا۔ اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق

❶ اس اختلاف کا جواب مجیب نے یہ دیا ہے کہ پہلا بیان عیسائیوں کے خیال پر ہے۔ دوسرا بیان واقعیت پر۔ (صفحہ ۴۹)

جواب الجواب! اس تاویل سے دونوں کلاموں کا مضمون کیا ہوا؟ یہ کہ عیسائیوں کے جس خیال پر ہنسی اڑائی تھی خود اسی کو واقعہ جان کر تسلیم کر لیا۔ تعجب نہیں عیسائی آپ کا جواب سن کر مرزا صاحب کو یہ مصرع نذر کریں۔

خود غلط بود آنچہ تو پنداشتی

ممکن ہے کہ اسی طرح مجیب بھی آئندہ کبھی اپنے عندیہ میں ہمارا بیان تسلیم کر لیں۔ (خدا وہ دن کرے)

مت کہو۔ مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا اور ایک وعظ میں یہودی علماء کو سخت سے سخت گالیاں دیں اور بڑے بڑے ان کے نام رکھے۔ اخلاقی معلم کا فرض ہے کہ پہلے آپ اخلاق کریمہ دکھلائے''۔ (چشمہ مسیحی صفحہ ۹)

احمدی مومنو!

سنتے ہو۔ ''حضرت عیسیٰ اور علیہ السلام''۔

اسلامی اصطلاح میں یہ لقب اس ذات کے ہیں جن کو روح اللہ وجیھا فی الدنیا و الاخرۃ کہا گیا ہے۔ اسی کے حق میں مرزا جی کی یہ گوہر افشانی ہے۔

مزید کے لئے ہمارا رسالہ ''ہندوستان کے دو ریفارمر'' دیکھئے۔

اس کے خلاف:

کبھی معالجہ کے طور پر سخت لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن اس استعمال کے وقت نہ ان کا دل جلتا ہے، نہ طیش کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ نہ منہ پر جھاگ آتی ہے۔ ہاں کبھی بناوٹی غصہ لوگوں کو دکھلانے کے لئے ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور دل آرام وانبساط اور سرور میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ سور، کتے، بے ایمان، بدکار وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ نعوذ باللہ آپ اخلاق فاضلہ سے بے بہرہ تھے کیونکہ وہ تو خود اخلاق سکھاتے اور نرمی کی تعلیم کرتے ہیں بلکہ یہ لفظ جو اکثر آپ کے منہ پر جاری رہتے تھے۔ یہ غصہ کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کئے جاتے تھے۔ (ضرورت الامام صفحہ ۷)

نوٹ: پہلے اقتباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جس قول کی مذمت ہے دوسرے میں اس کی تحسین ہے۔ [1]

---

[1] مجیب نے یہاں بھی دورنگی دکھائی ہے۔ کہتے ہیں حضرت مسیح کے قول پر اعتراض عیسائی نقطہ نگاہ سے ہے۔ اور تحسن اسلامی عقیدہ سے ہے۔ کیا مجدد اور مسیح موعود کی یہی شان ہے کہ اپنا مضمون در بطن رکھے۔ حالانکہ حضرت مسیح کا نام بھی اسلامی اصطلاح میں لکھا ہے۔ یعنی حضرت عیسی علیہ السلام اس معزز نام کے ساتھ برائی کو ملا کر ذکر کرنا مجیب کے جواب کو رد کرتا ہے فافہم

۴۔ یسوع مسیح نیک کیوں نہ کہلایا۔ بدچلن تھا:

یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال وچلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعوی شراب خواری کا بدنتیجہ ہے۔ (ست بچن ص ۱۷۲)

اس کے خلاف:

جس کو عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے۔ کسی نے اس کو کہا اے نیک استاد تو اس نے جواب دیا کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک کوئی نہیں مگر خدا۔ یہی تمام اولیاء کا شعار رہا ہے۔ سب نے استغفار کو اپنا شعار قرار دیا ہے۔ (ضمیمہ براہین جلد ۵ صفحہ ۱۰۷)

۴۔ ایضاً

حضرت مسیح تو ایسے خدا کے متواضع اور حلیم اور عاجز اور بے نفس بندے تھے کہ انھوں نے یہ بھی روانہ رکھا کہ کوئی ان کو نیک آدمی کہے۔ (مقدمہ براہین احمدیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴)

نوٹ: پہلے حوالہ میں یہ فقرہ موجب مذمت بتایا۔ دوسرے اور تیسرے میں وہی فقرہ باعث مدح قرار دیا۔ [1]

۵۔ یسوع کا ذکر قرآن میں نہیں:

مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالی نے یسوع کی قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۹)

---

[1] اس جگہ بھی مجیب نے عیسائیوں کی پناہ لی۔ چنانچہ لکھا ہے!
"اس فقرہ (منقولہ ست بچن) پر عیسائی نقطہ خیال سے اعتراض ہے۔ دوسرے میں اسلامی نقطہ نگاہ"۔ (صفحہ ۵۶)

جواب الجواب! کیا یہ جواب ہے یا تسلیم؟ کیا ایسا کرنے پر عیسائی پادری مرزا صاحب کا مذاق نہ اڑائیں گے؟ کہ بھلے آدمی جس کلام پر اعتراض کرتے ہو، جب اپنی نظر سے دیکھتے ہو تو اسی کی احسن تاویل کرتے ہو؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمہارا اعتراض غیریت کی نظر سے ہے جو امانت اور دیانت کے خلاف ہے۔

۵۔ اس کے خلاف:

اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے یسوع کی پیدائش کی مثال بیان کرنے کے وقت آدم کو ہی پیش کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے (اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ) یعنی عیسیٰ کی مثال خدا تعالیٰ کے نزدیک آدم کی ہے کیونکہ خدا نے آدم کو مٹی سے بنایا پھر کہا کہ تو زندہ ہو جا پس وہ زندہ ہو گیا۔ ❺ (چشمہ معرفت حصہ دوم صفحہ ۲۱۸)

۶۔ حضرت عیسیٰ علامت قیامت تھے:

جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ" تحقیق وہ (عیسیٰ مسیح) قیامت کی علامت ہے۔ یہ نہیں کہا کہ آئندہ کو علامت ہوگا۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ (مسیح) علامت قیامت کسی ایسی وجہ سے ہے جو اس کو اس وقت حاصل تھی۔ نہ یہ کہ آئندہ کسی وقت حاصل ہوگی۔ اور وہ وجہ جو حاصل تھی وہ اس کا بے باپ پیدا ہونا تھا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہودیوں میں ایک فرقہ تھا صدوقی وہ قیامت کا منکر تھا۔ خدا نے بعض انبیاء کی معرفت ان کو خبر دی

---

❺ اس کا جواب بھی وہی دیا کہ جس یسوع کی طرف عیسائیوں نے بہت خرابیاں منسوب کر رکھی ہیں اس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اور عیسیٰ کا ذکر ہے۔

"یسوع اور عیسیٰ دو ذاتیں نہیں ذات ایک ہی ہے مگر ذات کی دو حیثیتیں ہیں۔" (صفحہ ۵۷)

جواب الجواب! معلوم ہوتا ہے مجیب جواب نہیں دیتا بلکہ فرض منصبی ادا کرتا ہے کوئی پوچھے یہ کس نے کہا ہے کہ یسوع دو ہیں یا ایک۔ ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ دونوں جگہ یسوع کا نام ہے ایک جگہ کہا ہے کہ یسوع کا ذکر قرآن شریف میں نہیں۔ دوسری جگہ آیت قرآنی یسوع پر لگا کر قرآن شریف میں مذکور بتایا ہے۔ یا للعجب۔ یہ اختلاف کیوں۔

احمدی دوستو! اس نام (مسیح) سے تمہارے وہ اوہام دور ہو گئے ہوں گے جو تم لوگ کہا کرتے ہو کہ مرزا جی نے جہاں جہاں برائی سے یاد کیا ہے وہ یسوع کو کیا ہے اور یسوع اسلامی نام نہیں ذرا اس عبارت کو دیکھو اور اس کے ساتھ ایک اور حوالہ بھی ملا لو جس کے الفاظ یہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ (کشتی نوح صفحہ ۶۵)

اب بتاؤ کہ تمہارا ایمان ایسے قائل کے حق میں کیا فتویٰ دیتا ہے۔ ایمان سے کہنا "ایمان ہے تو سب کچھ ہے"۔

تھی کہ ایک لڑکا بلا باپ ان کی قوم میں پیدا ہوگا وہ ان کے لئے قیامت کے وجود کی علامت ہو گا۔اسی طرف خدا نے اس آیت "اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ" میں اشارہ کیا ہے۔(حمامتہ البشریٰ عربی صفحہ ۹۰)

نوٹ: مطلب صاف ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بے باپ پیدائش علامت قیامت ہے۔

۶۔اس کے خلاف:

پھر (یہ علماء) کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت ہے "اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ" جن لوگوں کی یہ قرآن دانی ہے ان سے ڈرنا چاہیئے کہ نیم ملا خطرہ ایمان کیسی بدبودار نادانی ہے جو اس جگہ ساعۃ سے قیامت سمجھتے ہیں۔اب مجھ سے سمجھو کہ ساعۃ سے مراد اس جگہ وہ عذاب ہے جو حضرت عیسیٰ کے بعد طیطوس رومی کے ہاتھ سے یہودیوں پر نازل ہوا تھا۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۲۱)

۷۔حضرت مسیح نے الوہیت کا دعویٰ کیا:

مسیح کا چال چلن کیا تھا؟ ایک کھاؤ پیو، نہ زاہد، نہ عابد، نہ حق کا پرستار، خود بین خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔(مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۔۲۴)

اس کے خلاف:

انہوں (مسیح) نے اپنی نسبت کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس سے وہ خدائی کے مدعی ثابت ہوں۔[1] (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۴۳)

---

[1] مجیب نے یہاں بھی وہی کہا ہے جو پہلے کہہ آئے ہیں کہ پہلا قول علی زعم النصاریٰ ہے یعنی عیسائیوں کا قول ہے کہ مسیح نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا مرزا صاحب کا اپنا خیال نہیں (ص ۶۰) حالانکہ مجیب نے بطور کلیہ کے یہ لکھا ہے:

"لفظ مسیح اس حیثیت کی نمائندگی کرتا ہے جو اسلام نے پیش کی ہے اور لفظ یسوع اس حیثیت کا مظہر ہے جو عیسائیت پیش کرتی ہے۔" (صفحہ ۳۰)

پس اس تسلیم سے صاف معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب پہلے قول میں بھی اس مسیح کا ذکر کرتے ہیں جو اسلام کی نمائندگی کرنے والا ہے۔اس لیے مجیب کا جواب مرزا صاحب کی تصریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

۸۔ مسیح کی آمد کا وقت تیرہ سو سال بعد:

مثیل ابن مریم ابن مریم سے بڑھ کر اور وہ مسیح موعود نہ صرف مدت کے لحاظ نبی اکرم ﷺ کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم موسی کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۳)

۸۔ اس کے خلاف:

اس لحاظ سے کہ حضرت مسیح حضرت موسی سے چودہ سو برس بعد آئے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح موعود کا اس زمانہ میں ظہور کرنا ضروری ہو۔ (شہادۃ القرآن صفحہ ۶۹)

نوٹ: پہلے اقتباس میں چودھویں صدی میں لکھا۔ دوسرے میں چودہ سو سال بعد یعنی پندرہویں صدی لکھا۔ چودھویں صدی میں ''اور چودہ صدی کے بعد'' ان دو میں جو فرق نجانے وہ بعد میں مسیح موعود اور مہدی مسعود بن جائے۔

لطیفہ! مرزا صاحب چونکہ چودھویں صدی ہجری کے شروع میں آئے تھے۔ حالانکہ ان کو پندرھویں میں آنا چاہیے۔ اس لئے آپ جلدی تشریف لے گئے اب حسب وعدہ پندرھویں میں مکرر تشریف لائیں گے خدا خیر کرے۔ [1]

---

[1] مجیب نے یہاں جو کچھ مرزا صاحب کی تائید میں لکھا ہے وہ تائید نہیں تردید ہے۔ تردید بھی ایسی کہ کوئی مخالف بھی نہ کرے۔ ناظرین ہمارے دعوے کا ثبوت سنیں:۔

مجیب نے ہمارے پیش کردہ حوالہ نمبر اول کو یہودی تاریخ بتایا۔ اور حوالہ نمبر دوم کو عیسائی تاریخ کہہ کر بتایا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے بکرات ومرات اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی چودھویں صدی میں ظاہر ہوئے تھے (یہ بھی مجیب نے لکھا ہے کہ) چودہ سو برس بعد ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چودھویں صدی میں ظاہر ہوئے تھے کیونکہ حضرت (مرزا صاحب) بھی مانتے تھے کہ حضرت مسیح چودھویں صدی میں ظاہر ہوئے۔ (صفحہ ۶۳)

احمدی دوستو! ایمان سے بتاؤ! کوئی احمدی تم میں ایسا ہے جو حضرت مرزا صاحب کے الہام کے خلاف کوئی بات قبول کرے۔ ہمارا تو یقین ہے کہ تم لوگ ایسے احمدی کو احمق کہو گے۔ احمدی نہیں کہو گے۔ پھر یہ کیا جواب ہے جو تمہارے وکیل مولوی اللہ دتہ نے دیا ہے۔ مرزا صاحب کے الہامی فیصلہ کے خلاف ہے یا نہیں؟ ذرا

۹۔ ’’اذ‘‘ ماضی کے لئے ہوتا ہے:

’’وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ‘‘ الخ اور ظاہر ہے کہ ’’قال‘‘ کا صیغہ ماضی کا ہوتا ہے اور اس کے اوّل ’’اذ‘‘ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانے ماضی کا ایک قصہ تھا۔ نہ زمانہ استقبال کا۔ (ازالہء اوہام صفحہ ۶۰۲)

۹۔ اس کے خلاف:

ایسے مقامات میں جب کہ آنے والا واقعہ متکلم کی نگاہ میں یقینی الوقوع ہو مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں۔ تاکہ اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو اور قرآن شریف میں اس کی بہت

(گزشتہ سے پیوستہ) انصاف سے کہیو خدا لگتی

کیا یہی کتاب ہے جس کی تعریف تمہارے اخبار بے حد کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے ہی دوست ہیں جن کی بابت شیخ سعدی مرحوم نے مرزا صاحب کو مخاطب کر کے کہا ہے

ترا اژدہا گر بود یار غار ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

اور سنئے! مجیب نے بڑا زور لگا کر ہمارے پہلے حوالے کو محض یہودیوں کا خیال بتایا ہے حالانکہ مرزا صاحب خود اس کو بھی خدائی الہام بتاتے ہیں۔ غور سے سنئیے۔ فرماتے ہیں:۔

’’سلسلہ موسویہ کی آخری خلافت کے بارے میں توراۃ میں لکھا تھا کہ وہ سلسلہ مسیح موعود پر ختم ہوگا۔ یعنی اس مسیح پر جس کا یہودیوں کو وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ اس سلسلہ کے آخر میں چودہ سو برس کی مدت کے سر پر آئے گا‘‘۔ (ایام الصلح اردو صفحہ ۵۲)

صاف اقرار ہے کہ یہودیوں کو خدا نے بتا دیا تھا کہ مسیح موعود (حضرت عیسیٰ مسیح) چودھویں صدی کے سر پر آئے گا۔ یہ مضمون اگرچہ یہودیوں کے حق میں الہامی تھا مگر مرزا صاحب جیسے الہامی (مدعی الہام) شخص نے جب اس کی تصدیق کر دی تو ان کے حق میں بھی الہامی ہو گیا۔ حالانکہ اپنا الہام خود لکھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح بعد موسیٰ کے پندرھویں صدی میں آئے تھے۔ اب تو مولوی اللہ دتہ کو بھی ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب سچے ملہم نہ تھے۔ کیونکہ سچے الہاموں میں تعارض اور تخالف نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۲۳)

پس ہمارا نتیجہ! صحیح رہا کہ مرزا صاحب کو حضرت مسیح اول کی طرح پندرھویں صدی میں آنا چاہئیے تھا اور وہ قبل از وقت چودھویں صدی کے اندر آ گئے تھے اسی لئے وہ جلدی چلے گئے۔ آئندہ پندرھویں صدی میں تشریف لائیں گے تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مشرف بہ زیارت ہوں گے۔ سردست تو ہمارا قول یہی ہے کہ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

نظیریں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۔ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ" اور جیسا کہ فرماتا ہے "وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ أُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ"۔ (ضمیمہ براہین حصہ پنجم صفحہ ٦)

نوٹ: مباحث مرزائیہ میں وفات مسیح کا مسئلہ بھی پیش آیا کرتا ہے اور مرزائی مناظر وفات مسیح پر عموماً یہی آیت پیش کیا کرتے ہیں۔ مرزا جی نے فیصلہ کر دیا کہ یہ روز قیامت کی گفتگو ہے پس اس آیت سے اس وقت وفاتِ مسیح ثابت نہ ہوئی۔ ⓫

١٠۔ ایک شریر میں یسوع کی روح تھی:

ایک شریر مکار نے جس میں سراسر یسوع کی روح تھی لوگوں میں یہ مشہور کیا۔ (ضمیمہ انجام حاشیہ صفحہ ۵)

١٠۔ یسوع کی روح مرزا میں تھی:

مجھے یسوع مسیح کے رنگ میں پیدا کیا اور توارد طبع کے لحاظ سے یسوع کی روح میرے اندر رکھی تھی اس لئے ضرور تھا کہ گم شدہ ریاست میں مجھے یسوع مسیح کے ساتھ مشابہت ہوتی۔ (تحفہ قصریہ صفحہ ١۵)

احمدی دوستو! یسوع کی روح جس انسان میں ہو وہ شریر ہو جاتا ہے تو دوسرے قول کا قائل کون؟ ○

○ مجیب اس جگہ بہت پریشان ہوا ہے۔ اس لئے اس نے نہ مرزا صاحب کا مطلب سمجھا نہ ہمارا اعتراض جانا چنانچہ لکھا ہے کہ اذ "از روئے قواعد نحویہ ماضی ہے اور قرآنی اسلوب سے روز قیامت مراد ہے" (صفحہ ٦٣) ہمارا مقصد یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک ہی آیت (اذ قال اللہ) کو گزشتہ زمانہ (ماضی) سے لگایا ہے اور دوسرے حوالہ میں روز قیامت (مستقبل) سے ملایا ہے یہی اختلاف محل اعتراض ہے کیا مجدد اور مہدی اور مسیح قرآن مجید اسی طرح سمجھا سمجھایا کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ خود نہیں سمجھے۔

○ مجیب نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ:
"پہلی عبارت میں یسوع کی اس حیثیت کا ذکر ہے جو اسے پادریوں نے دے رکھی ہے۔ دوسری میں اس

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینے دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۔ مسیحی چڑیوں کا پرواز قرآن سے ثابت ہے:

حضرت مسیح کی چڑیاں باوجود یہ کہ معجزے کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھی۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۸)

۱۱۔ اس کے خلاف:

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ ❶ (ازالہء اوہام صفحہ ۳۰۷)

۱۲۔ حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی:

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس برس کی عمر تھی لیکن تمام

(گزشتہ سے پیوستہ) عبارت کا تذکرہ ہے جو اسے فی الواقع بلحاظ نبی اور رسول ہونے کے حاصل ہے۔ پہلی صورت قابل نفرت ہے دوسری صورت قابل رشک ہے"۔ (صفحہ ۶۶)

جواب الجواب! ہم تو جانتے تھے مرزا صاحب ہی کے کلام میں اختلاف ہوتا تھا اب معلوم ہوا کہ ہمارے فاضل مخاطب مصنف بھی ان (مرزا صاحب) سے اس وصف میں فیض یاب ہیں ابھی چند صفحات پہلے لکھ چکے ہیں:

"مسیح اسلامی حیثیت کا نمائندہ ہے اور یسوع عیسائیت کا مظہر"۔ (صفحہ ۳۰)

اس تقسیم سے صاف پایا جاتا ہے کہ یسوع نام بہمہ وجوہ (مرزا صاحب کے نزدیک) شریر النفس آدمی ہے۔ پھر ایسے نام کو اپنے حق میں کہنا اعتراف حقیقت ہے یا کیا؟ (صفحہ ہذا)

❶ مجیب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس پرواز کا انکار ہے وہ اصلی زندگی سے پرواز ہے اور جس کا اقرار ہے وہ غیر حقیقی اور عارضی ہے۔ (صفحہ ۶۷)

جواب الجواب! اس جگہ علم منطق کے قاعدہ تناقض کے موافق مرزا صاحب کے الفاظ دکھاتے ہیں۔

پرندوں کا پرواز قرآن شریف سے ثابت ہے۔

پرندوں کا پرواز قرآن شریف سے ثابت نہیں۔

موضوع ایک۔ محمول ایک۔ نسبت ایک۔ وغیرہ ایک۔ جو اس کو بھی تناقض نہ کہے اس کا دماغ صحیح ہے یا ماؤف؟ ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔

یہود و نصاری کے اتفاق سے صلیب کا واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ حضرت ممدوح کی عمر تینتیس "۳۳" برس کی تھی۔ اس دلیل سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب سے بفضلہٖ تعالیٰ نجات پا کر باقی عمر سیاحت میں گزاری تھی۔ (راز حقیقت حاشیہ صفحہ ۲، ۳)

۱۲۔ ایک سو پچیس برس تھی:

حضرت مسیح صلیب سے نجات پا کر نصیبین کی طرف آئے اور پھر افغانستان کے ملک میں ہوتے ہوئے کوہ نعمان میں پہنچے اور جیسا کہ اس جگہ شہزادہ نبی کا چبوترہ اب تک گواہی دے رہا ہے وہ ایک مدت تک کوہ نعمان میں رہے پھر اس کے بعد پنجاب کی طرف آئے آخر کشمیر میں گئے اور کوہ سلیمان پر ایک مدت عبادت کرتے رہے۔ اور سکھوں کے زمانے تک ان کی یادگار کا ایک کتبہ موجود تھا آخر سری نگر میں ایک سو پچیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ (تبلیغ رسالت جلد ہشتم ص ۶)

۱۲۔ ایک سو ترپن سال عمر پائی:

تمام یہود و نصاری کے اتفاق سے صلیب کا واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ حضرت عیسیٰ کی عمر صرف تینتیس برس کی تھی۔ (راز حقیقت حاشیہ صفحہ ۳) ایضاً

اور احادیث میں آیا ہے کہ اس واقعہ (صلیب) کے بعد عیسیٰ ابن مریم نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی اور پھر فوت ہو کر خدا سے جا ملا۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۲۷)

نوٹ: واقعہ صلیب تک ۳۳ اور بعد واقعہ صلیب ایک سو بیس جملہ ایک سو ترپن ہوئے پس عمر مسیح ۱۲۰-۱۲۵-۱۵۳ سال ہوئی۔ [1]

---

[1] اس کا جواب مصنف نے ایسا دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض مفوضہ خلافت ادا کرتا ہے ورنہ دل میں شاید ایسا نہ ہو۔ کہتے ہیں "تذکرۃ الشہادتین میں یہ بتایا ہے کہ صلیب کے بعد بھی مسیح زندہ رہے۔ اس عبارت کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ حضرت مسیح نے ۱۵۳ سال عمر پائی۔" (تذکرہ صفحہ ۶۱)

جواب الجواب! ہم فقرہ مرزائیہ ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں پھر جو بات ان کے فہم عالی میں آئے مانیں۔ وہ فقرہ یہ ہے:

"احادیث میں آیا ہے کہ اس واقعہ (صلیب) کے بعد عیسیٰ بن مریم نے ۱۲۰ برس کی عمر پائی"۔ (تذکرہ صفحہ ۲۷)

۱۳۔ کتب سابقہ سب محرف ہیں:

جیسا کہ کئی جگہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کتابیں محرف مبدل ہیں اور اپنی اصلیت پر قائم نہیں۔ چنانچہ اس واقعہ پر اس زمانے میں بڑے بڑے محقق انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۲۵۵)

۱۳۔ اس کے خلاف:

یہ کہنا کہ وہ کتابیں محرف و مبدل ہیں ان کا بیان قابل اعتبار نہیں۔ ایسی بات وہی کہے گا جو خود قرآن سے بے خبر ہے۔ [1] (چشمہ معرفت صفحہ ۷۵)

(گزشتہ سے پیوستہ) حضرات! اس عبارت میں 'بعد' کا لفظ 'پائی' کے متعلق ہے یقیناً یہی ہے پس عبارت ہذا کے معنی اس عبارت کی طرح ہیں۔ "حکیم نورالدین (خلیفہ قادیان) نے بعد وفات مرزا صاحب سات سال عمر پائی"۔ کیا اس عبارت کا مطلب یہ ہے؟ کہ حکیم صاحب کی عمر ساری سات سال تھی۔ اگر اس مثال میں یہ نہیں تو اس میں بھی نہیں۔ اس میں اگر سات سال بعد وفات کے مراد ہیں تو اس عبارت میں بھی ۱۲۰ سال بعد واقعہ صلیب کے مراد ہیں جو پہلی عمر ۳۳ سال ملا کر ۱۵۳ ہوتے ہیں۔ ہذا ما ادعینا اس کے سوا تاویل کرنا اس مصرعہ کا مصداق ہے۔ ولن یصلح العطار ماافسد الدھر

[1] اس کے جواب میں بھی مجیب نے کمال کر دکھایا ہے کہتے ہیں "تورات انجیل کے محرف ہونے کا بایں معنی انکار ہے کہ ان میں کوئی بھی صداقت نہیں، یہی معنے اقرار ہے کہ ان میں جھوٹ ملائے گئے تھے۔" (صفحہ ۷۳)
ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ اپنی جماعت کی آنکھوں میں کنکریاں، دار مٹی کیوں ڈالتے ہیں۔ ایک غیر الہامی کی غلط بات کو سنوارنے کے لئے اتنا زور مارنا جو داناؤں کی نظر میں حالت اضطراری تک پہنچا دے کہاں کی عقلمندی ہے۔ کیا کسی کتاب میں ایسی تحریف کبھی ہوئی بھی؟ جو مجیب کہتا ہے۔ مجیب نے اپنے دعوے پر مرزا صاحب کی جو تحریر نقل کی ہے وہ خود مجیب کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں یہ فقرہ بھی ہے۔
"سچ تو یہ ہے کہ وہ کتابیں نبی ﷺ کے زمانہ تک ردی کی طرح ہو چکی تھی۔" (کتاب چشمہ معرفت صفحہ ۲۵۵ مندرجہ تجلیات صفحہ ۷۱۔۷۲)
بتائیے جو مضمون یا کتاب ردی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے یا پھینکنے کے لائق ہو اس کو کسی سند میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ ایسی ردی ہو چکیں تو اب ان کی بابت اتنی دور از کار تاویل کرنا جو مجیب نے کی ہے کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مجیب مع اپنی پارٹی کے فرض منصبی (خدمت خلافت قادیان) ادا کرتے ہیں تحقیق حق سے ان کو مطلب نہیں۔

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

۱۴۔ طاعون سے فرار کرنا منع ہے:

چونکہ شرعاً یہ امر ممنوع ہے کہ طاعون زدہ لوگ اپنے دیہات کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائیں اس لئے میں اپنی جماعت کے ان تمام لوگوں کو جو طاعون زدہ علاقوں میں ہیں منع کرتا ہوں کہ وہ اپنے علاقوں سے قادیان یا دوسری جگہ جانے کا ہرگز قصد نہ کریں اور دوسروں کو بھی روکیں اور اپنے مقامات سے نہ ہلیں۔ (اشتہار لنگر خانہ کا انتظام حاشیہ صفحہ ۱)

۱۴۔ اس کے خلاف:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وائسرائے اس تجویز کو پسند فرماتے ہیں کہ جب کسی گاؤں یا شہر کے کسی محلّہ میں طاعون پیدا ہو تو یہ بہترین علاج ہے کہ اس گاؤں یا اس شہر کے محلّہ کے لوگ جن کا محلّہ طاعون سے آلودہ ہے فی الفور بلاتوقف اپنے اپنے مقام کو چھوڑ دیں اور باہر جنگل میں کسی ایسی زمین میں جو اس تاثیر سے پاک ہے رہائش اختیار کریں۔ سو میں دلی یقین سے جانتا ہوں کہ یہ تجویز نہایت عمدہ ہے اور مجھے معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب شہر میں وبا نازل ہو تو اس شہر کے لوگوں کو چاہیے کہ بلاتوقف اس شہر کو چھوڑ دیں ورنہ خدا سے لڑائی کرنے والے ٹھہریں گے۔ عذاب کی جگہ سے بھاگنا انسان کی عقلمندی میں داخل ہے۔ (تمام مریدوں کیلئے عام ہدایت مندرجہ ریویو قادیان جلد ۶ صفحہ ۳۶۵)

نوٹ: اس عبارت کا مطلب صاف ہے کہ مرزا صاحب حکم دیتے ہیں کہ طاعون کو چھوڑ دو اور کسی محفوظ زمین پر جا بسو۔ پہلی عبارت میں کہتے ہیں کہ اپنے مقامات سے نہ ہلیں۔ دوسرے میں کہتے ہیں شہر چھوڑ دیں۔ مرزائی دوستو! یہ حدیث دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہیں تلاش کر کے بتاؤ۔ [1]

---

[1] اس مقام پر مجیب نے بغیر تحقیق حق کے محض اپنا فرض منصبی (خدمت خلافت) ادا کیا ہے لہٰذا اس نے بوجہ محبت مرزانہ ہماری منقولہ عبارتوں کو دیکھا ہے نہ مرزا صاحب کے الفاظ پر غور کیا۔ اسی لئے ہم نے خلاف کی عبارت بہ نسبت سابق کے زیادہ درج کی ہے تاکہ سیاق وسباق نظر آ جائے۔ مجیب کہتا ہے کہ طاعون زدہ علاقہ اور شہر میں فرق ہے۔ علاقہ سے مراد لیتا ہے مع حوالی شہر یا ''اراضی دہ'' کہتا ہے۔ جہاں منع ہے اس سے مراد ہے کل علاقہ یعنی آبادی مع اراضی سے مت نکلو۔ اور جہاں حکم ہے اس سے مراد ہے خاص مقام طاعون یعنی آبادی۔ چنانچہ اس کی اپنی عبارت یہ ہے۔

۱۵۔ حضرت عیسیٰ علامت قیامت تھے:

جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ" تحقیق وہ (عیسیٰ مسیح) قیامت کی علامت ہے۔ یہ نہیں کہا کہ آئندہ کو علامت ہوگا۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ (مسیح) علامت قیامت کسی ایسی وجہ سے ہے جو اس کو اس وقت حاصل تھی۔ نہ یہ کہ آئندہ کسی وقت حاصل ہوگی۔ اور وہ وجہ جو حاصل تھی وہ اس کا بے باپ پیدا ہونا تھا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہودیوں میں ایک فرقہ تھا صدوقی وہ قیامت کا منکر تھا۔ خدا نے بعض انبیاء کی معرفت ان کو خبر دی تھی کہ ایک لڑکا بلا باپ ان کی قوم میں پیدا ہوگا وہ ان کے لئے قیامت کے وجود کی علامت ہوگا۔ اسی طرف خدا نے اس آیت "اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ" میں اشارہ کیا ہے۔ (حمامتہ البشری عربی صفحہ ۹۰)

نوٹ: مطلب صاف ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بے باپ پیدائش علامت قیامت ہے۔

۱۵۔ اس کے خلاف:

پھر (یہ علماء) کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت ہے۔ "انه لعلم للساعة" جن لوگوں

(گزشتہ سے پیوستہ) "پہلی عبارت میں" "طاعون زدہ علاقہ" ہے اور دوسری میں "اس شہر کو چھوڑ دیں" ہے نیز پہلی عبارت میں دوسرے علاقہ میں جانے کی ممانعت ہے۔ اور دوسری جگہ یہ نہیں کہا کہ دوسرے علاقے میں چلے جاؤ۔ بلکہ میدان اور کھلی فضا میں جو شہر کی دیواروں سے باہر ہو چلے جانے کا حکم ہے۔ (صفحہ ۴۷)

جواب الجواب: ہم ناظرین کو زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتے صرف اتنی توجہ دلاتے ہیں کہ عبارت پہلی جہاں ختم ہے ان الفاظ پر نظر ڈالیں کہ اپنے مقامات سے نہ ہلیں۔ ان مقامات سے مراد یقیناً وہی جگہ ہے جن کو آبادی کہا جاتا ہے جہاں وہ رہتے ہیں۔ دوسرا قول اس کے برخلاف ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ بلاتوقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔ بتائیں اس کا کیا جواب؟

نوٹ: ہمارے اس سوال کا جواب مجیب نے نہیں دیا کہ یہ حدیث کہاں ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں طاعون پڑے تو اس شہر کو چھوڑ دو۔

قادیانی دوستو! تمہارے حدیث کا پتہ نہ دینے سے کیا ہمارا حق ہے؟ کہ آئندہ ہم مرزا صاحب کو واضع حدیث (جھوٹی حدیثیں بنانے والا) کا لقب بھی دیا کریں۔ اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ حدیث مطلوبہ کا پتہ نہ دینے سے تمہاری طرف سے اجازت سمجھی جائے گی۔

کی یہ قرآن دانی ہے ان سے ڈرنا چاہیے کہ نیم ملا خطرہ ایمان ---کیسی بدبودار نادانی ہے جو اس جگہ ساعۃ سے قیامت سمجھتے ہیں ۔ اب مجھ سے سمجھو کے ساعۃ سے مراد اس جگہ وہ عذاب ہے جو حضرت عیسیٰ کے بعد طیطوس رومی کے ہاتھ سے یہودیوں پر نازل ہوا تھا۔(اعجاز احمدی صفحہ ۲۱)

ناظرین کرام! یہ چند اختلافات بطور نمونہ دکھائے ہیں ورنہ مرزا صاحب قادیانی کا بیان سراپا بے نظام ہوتا تھا دریائے غازی نمان کی طرح جوش مارتا ہوا نہ بستی دیکھتا ہے نہ ویرانہ بہتا ہی چلا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ کا دماغ ماؤف تھا اس میں حفظ کی طاقت نہ رہی تھی مزید شہادت کی ضرورت ہو تو ہمارا شائع کردہ رسالہ ''مراق مرزا'' (یہ لفظ قادیانی اردو میں آیا ہے شاید الہام سے آیا ہو) ملاحظہ کریں۔ [1]

☆☆☆

---

[1] مجیب ہماری اس رائے پر بھی خفا ہے کہ ہم نے مرزا صاحب کے حق میں ماؤف الدماغ کیوں لکھا۔افسوس ہے کہ یہاں بھی مجیب نے ہماری پوزیشن کو نہیں سمجھا۔ سنئے ہم مرزا صاحب کے اقوال دکھا رہے ہیں اور انھیں سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ نتیجہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ وہی جو ایسے کلاموں سے مرزا صاحب نے نکالا ہوا ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

''صاف ظاہر ہے کسی سچے اور عقلمند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل اور مجنون یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اس کا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے۔'' (کتاب ست بچن صفحہ ۳۰)

ناظرین! جس صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے کلام میں تناقض ہے۔ تناقض بھی ایسا کہ ان کی اتباع کی ساری کوشش سے بھی رفع نہ ہو سکا تو پھر ہماری رائے پر کیا ملال؟ ہم نہ مرزا صاحب کے کلام میں اختلاف پیدا کریں نہ ان کو (از خود) پاگل کہیں بلکہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی ہے جو وہ خود فرما گئے انہی معنی میں ہم کہا کرتے ہیں کہ ہم قادیانی مسیح کے مبلغ ہیں مخالف نہیں انما الاعمال بالنیات

تیسرا باب

کذبات مرزا

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ"۔ ہمارے ہیرو (پنجابی مسیح) مرزا صاحب قادیانی کی اختلاف بیانی تو ناظرین نے سنی اب ان کی غلط بیانیاں بھی ملاحظہ ہوں۔

(۱) پیغمبروں نے میرے دیکھنے کی خواہش کی:

اے عزیزو تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص (مجھ مرزا مسیح موعود) کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کیلئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔ اسلئے اب اپنے ایمانوں کو خوب مضبوط کرو اور اپنی راہیں درست کرو۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۲، ۱۳)

نوٹ: جن پیغمبروں نے مرزا صاحب کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے ان کے اسماء گرامی سننے کے ہم بھی مشتاق ہیں۔ [1]

---

[1] مجیب نے اس باب کے تین نمبروں (۱، ۶، ۹) کا مشترک جواب دیا ہے مگر جواب میں باتباع مرزا کمال تدلیس سے کام لیا ہے۔ اس کے الفاظ اس کے دلی ضعف کا حال بتاتے ہیں۔ قرآن مجید سے شہادت دی ہے کہ بہت سے انبیاء کا ذکر ہم کو نہیں بتایا گیا۔

"اس سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کا آج یہ مطالبہ کرنا کہ ان نبیوں کے اسماء گرامی بتاؤ۔ سراسر غلط مطالبہ ہے۔ ہاں مطلق وعدہ اور عمومی ذکر موجود ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں یہ حدیث متعدد مرتبہ آئی ہے کہ دجال کے ذکر پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انی لا نذر کموہ وما من نبی الا وقد انذر قومہ و لقد انذرہ نوح قومہ (میں تمھیں دجال سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی نہیں گزرا مگر اس نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے اور اس سے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا)۔ (مسلم و ترمذی ابواب الفتن)

گویا سارے نبیوں نے بذریعہ وحی خبر پا کر اپنی اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے کہ اس کا فتنہ بہت بڑا ہے اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ اللہ تعالی ان کو دجال کی تو خبر دے مگر دجال کے قاتل (حضرت مسیح موعود) کی خبر نہ دے۔ پس لازماً ماننا پڑے گا کہ تمام نبیوں کو مسیح موعود کی بھی خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مسلم شریف کی مشہور حدیث (بروایت نواس بن سمعان) میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کا قاتل قرار دیا ہے۔ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ دجال کی آمد سے ہر نبی ڈراتا آیا ہے اور دجال کا قاتل مسیح موعود ہے۔ اور یہ تو واضح ہی ہے کہ دجال سے ڈرانے کے معنی یہی ہیں کی اس کے مکر و دجل سے آگاہ کر کے اس سے بچنے کی ہدایت

(گزشتہ سے پیوستہ)

کرنا اور اس حشر کا بتانا منظور ہے۔ اور اس بیان کیلئے مسیح موعود کا ذکر ایک جزو لاینفک ہے چنانچہ کتب سابقہ موجودہ میں بھی جہاں دجال کا ذکر ہے وہاں پر مسیح موعود کا بھی ذکر ساتھ موجود ہے۔ پس ان احادیث سے اشارۃ النص کے طور پر ثابت ہے کہ ہر نبی نے مسیح موعود کے متعلق وعدہ کیا تھا۔ (اشارۃ النص میں لفظی ترجمہ مفہوم ہوتا ہے۔ یہاں یہ نہیں معلوم ہوتا۔ مجیب نے سنے سنائے حقیقت سے ناواقفی میں اشارۃ النص لکھ دیا جیسے ان کے نبی (مرزا صاحب) سنے سنائے دلیل "انی" اور "لمی" لکھ گئے ہیں۔ (مؤلف) (چشمہ معرفت صفحہ ۵۶)

اگر مولوی ثناء اللہ صاحب تمام نبیوں کا انذار عن الدجال نام بنام دکھادیں گے تو ہم اسی جگہ سے نام بنام نبیوں کی طرف سے مسیح موعود کی بعثت کا وعدہ بھی دکھادیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔" (صفحہ ۸۳ اور ۸۴)

جواب الجواب! ہم اس موقع پر متردد ہیں کہ مجیب کو دھوکہ خور کہیں یا دھوکہ دہ نام رکھیں۔ مناسب ہے کہ اصل حقیقت کھول کر اس کا فیصلہ ناظرین خود مجیب پر چھوڑ دیں۔

سنئے نبی اکرم ﷺ کے منہ سے سابقہ انبیاء کی تعلیم دو طرح سے ذکر ہوتی تھی ایک بطور دلیل دوئم بطور تعلیم اعتقاد۔ اعتقاد متفرع ہوتا ہے ایمان پر۔ ایسی صورت میں ان سابقہ انبیاء کا جاننا ضروری نہیں، بلکہ فرمان نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کافی ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:۔

ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و ایاکم ان اتقوا اللہ (پ ۵ ع ۱۶)

"یعنی ہم (اللہ) نے تم سے پہلوں کو اور تم کو بھی یہی ہدایت کی ہے تم اللہ سے ڈرتے رہو"۔

اس قسم کی تعلیم میں سابقہ انبیاء کا یا قوموں کا ذکر دراصل تعلیم اعتقاد ہے۔ مخالفوں کے سامنے بطور دلیل و برھان نہیں۔ اس لئے ایسے مواقع مین ان انبیاء کا جاننا کہ کون کون تھے ضروری نہیں۔ لیکن جہاں کسی نبی کا قول بطور دلیل نقل ہو وہاں ان کا جاننا ضروری ہے جیسے حضرت مسیح کا قول ہے: مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (پ ۲۸ ع ۹) اب یہ معلوم کرنا باقی ہے کہ مرزا صاحب نے سابقہ انبیاء کا ذکر کس پیرائے میں کیا ہے آیا بطور دلیل کیا ہے یا بطور تعلیم اعتقاد کیا ہے۔ اس کے لئے خود مرزا صاحب کی عبارت کافی ہے جو یہ ہے:

"میرے خدا نے عین صدی کے سر پر مجھے مامور فرمایا جس قدر دلائل میرے ماننے کے لئے ضروری تھے وہ سب دلائل تمھارے لئے مہیا کر دیئے۔ اور آسمان سے لے کر زمین تک میرے لئے نشان ظاہر کیے۔ اور تمام نبیوں نے ابتدا سے آج تک میرے لئے خبریں دیں پس اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو اس قدر دلائل اس میں کبھی جمع نہ ہو سکتے۔" (تذکرۃ الشادتین صفحہ ۶۲)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب مخالفوں کے سامنے بطور دلیل صداقت سابقہ انبیاء کا ذکر کرتے ہیں نہ بطور تعلیم وعقیدہ۔ اس لئے ضروری ہے کہ مخالفوں کو ان انبیاء کرام کا اور ان کے اس فعل کا علم ہو تاکہ وہ اس علم کے بعد مرزا صاحب پر ایمان لائیں۔ برخلاف اس کے مجیب نے جتنے حوالے نکل کئے ہیں وہ سب بطور تعلیم اعتقاد ہیں ان میں ایسا جاننا ضروری نہیں کیونکہ وہ ایمان پر متفرع نہیں۔

ناظرین! جو ان دو میں فرق نہ کرے وہ دھوکہ خور یا دھوکہ دہ ہے۔ اس کا فیصلہ آپ ہی فرما دیجئے۔

(۲) سو سال بعد قیامت آئے گی:

ایک اور حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا کو آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آئے گی۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۲۵۲)

جواب الجواب! اس موقع پر متردد ہیں کہ مجیب کو دھوکا خور کہیں یا دھوکہ دہ نام رکھیں۔ مناسب ہے کہ اصل حقیقت کھول کر اس کا فیصلہ ناظرین اور خود مجیب پر چھوڑ دیں۔

نوٹ: رسول اکرم ﷺ کے زمانہ سے سو برس تک قیامت بتانے والی حدیث کو ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ امت مرزائیہ اس حدیث کا پتہ دے ورنہ مشہور حدیث من کذب علی متعمدًا فلیتبوا ء مقعده فی النار جو کوئی مجھ (ﷺ) پر جھوٹ لگائے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے (حدیث) سے خوف کریں۔[1]

(۳) ہذا خلیفۃ اللہ:

اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی دو حدیثیں جنہیں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے

---

[1] اس کے جواب میں مجیب نے تسلیم کیا ہے کہ ”یہاں قیامت کبریٰ مراد نہیں بلکہ قیامت صغریٰ یعنی موجودہ قرن (طبقہ) کی قیامت۔“ (صفحہ ۸۶)

جواب الجواب! اگر مرزا صاحب ایسا لکھتے جو مجیب نے لکھا ہے تو ہم ان پر کذب کا الزام کیوں لگاتے۔ مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ یہ فقرہ لکھ مارا

سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی

ہمیں تو یہ فکر ہوئی کہ منکرین اسلام مرزا صاحب جیسے مسیح اور مہدی اور سلطان المتکلمین کا یہ بیان سن کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی تکذیب پر اس بیان کو ایک زبردست دلیل نہ بنالیں اور کھلے الفاظ میں کہتے پھریں۔ دیکھو جی پیغمبر اسلام کی پیش گوئی کیسی جھوٹی نکلی کہ بجائے سو برس کے آج ساڑھے تیرہ سو سال ہو گئے قیامت نہ آئی۔ پھر اس کے کذب میں کیا شبہ؟ پھر ہم اس کے جواب میں کہتے پھرتے کہ ”اصل بیان میں کذب نہیں اس کے ناقل میں کذب ہے۔“ فافہم

اس کے لئے آواز آئے گی کہ ھذا خلیفتہ اللہ المھدی اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ (شہادۃ القرآن ص ۴۰)

نوٹ: یہ حدیث بخاری میں نہیں۔ اتباع مرزا دکھائیں تو ہم مشکور ہوں گے۔ ❶

(۴) یخرج دجال:

نسائی نے ابوھریرہ سے دجال کی صفت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث لکھی ہے یخرج اخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضان السنتھم احلی من العسل و قلوبھم قلوب الذیاب یقول اللہ عن دجل ابی یغترون ام علی یجترون یعنی آخری زمانہ میں ایک گروہ دجال نکلے گا۔ الخ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۳)

نوٹ: یہ حدیث (ذال) کیساتھ (دجال کی صورت میں) حدیث شریف کی کسی کتاب میں نہیں البتہ (ر) کے ساتھ (رجال کی صورت میں آئی ہے۔ ❷

---

❶ اس نمبر کے جواب میں بھی مجیب نے صاف صاف اقرار کیا ہے کہ "بخاری کے حوالہ کا ذکر صرف سبقت قلم ہے اسے کذب قرار دینا ظلم ہے" صفحہ ۸۹ شاباش! یوں چلا کرو۔

نوٹ: ہمارے پنجاب کے جاٹ کسی شخص کی تکذیب کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیتے ہیں۔ تمہاری بات جھوٹی ہے "یا" تم جھوٹ بکتے ہو" مگر لکھنوی نزاکت پسند اور لطافت گو کہا کرتے ہیں" واللہ میں افسوس کرتا ہوں کہ میں جناب کے ارشاد سے متفق نہیں" مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کہ آپ کی بات جھوٹ ہے۔ قادیانی مجیب نے قادیان کے نمک کا لحاظ رکھ کر کیا لطافت سے کہا ہے بخاری کا نام سبقت قلم ہے۔ اللہ اکبر سبقت بھی دست مرزا کی نہیں قلم مرزا کی۔ کسی عاشق نے کیا خوب کہا ہے ع

مجھے قتل کر کے وہ بھولا سا قاتل لگا کہنے کس کا یہ تازہ لہو ہے
کسی نے کہا جس کا وہ سر پڑا ہے کہا بھول جانے کی کیا میری خو ہے

نوٹ: اگر مرزا صاحب متوفی سے سبقت قلم ہوئی ہے تو ان کے اتباع اسے درست کر دیں مگر وہ بھی کیسے کریں ان کا تو اصول ہی یہ ہے۔

ما مریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں رو بسوئے خانہ خمار داء وپیرما

❷ اس نمبر میں مجیب نے جس کیفیت سے اپنی دیانت اور امانت کا جنازہ اٹھایا ہے قابل افسوس ہے۔ لکھا ہے "گویا (گویا نہیں یقیناً) صرف دجال اور رجال کے دال اور راء کا اختلاف ہے اور مولوی صاحب کا دعوی

(۵) ابوہریرۃ:

تفسیر ثنائی میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فہم قرآن میں ناقص تھا۔

نوٹ: تفسیر ثنائی سے مراد اگر وہ تفسیر ہے جو علم کے لحاظ سے ثنائی (مصنفہ خاکسار ابوالوفاء ثناء اللہ) ہے تو صریح جھوٹ ہے اور اگر تفسیر ثنائی سے مراد وہ ہے جو مصنف کے لحاظ سے ثنائی ہے یعنی مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم موسومہ تفسیر مظہری ہے تو بھی جھوٹ ہے اس میں بھی یہ فقرہ ہرگز

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہے کہ دال کے ساتھ دجال کی صورت میں یہ حدیث شریف کسی کتاب میں نہیں۔ (کسی صحیح کتاب میں نہیں) اس لئے ہم کتاب کا حوالہ لکھ دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (کنز العمال جلد ۷ مطبوعہ دائرہ المعارف نظامیہ حیدرآباد دکن) جلد سابع صفحہ ۸۔) (خدا کی شان چونکہ مجیب نے مرزا صاحب کے کذب کو صدق ثابت کرنے کا تہیہ کیا اس لئے خدا نے اس کو بھی کذب سے آلودہ کیا یعنی صفحہ ۸ پر یہ روایت نہیں بلکہ صفحہ ۱۷۴ پر ہے۔ مؤلف) یخرج فی اخر الزمان دجال یختلسون بالدین یلبسون للناس جلود الضان الخ۔ ن۔ عن ابی ھریرہ قلمی نسخہ میں بھی دجال بالدال صاف طور پر لکھا ہوا ہے مخدوم بیگ عفی عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ" صفحہ ۹۲

جواب الجواب! ہم جانتے ہیں اور اعتراض کرنے سے پہلے جانتے تھے کہ کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد دکن میں یہ روایت "دال" کے ساتھ ہے۔ مگر یہ وہم گمان نہ کرتے تھے کہ کوئی قادیانی کذب کا اتنا حامی ہوگا جو اس دال کی حمایت بھی کرے گا۔ الی اللہ المشتکی سنئے! جس مطبوعہ کتاب سے آپ نے یہ روایت نقل کی ہے اس کے چھاپنے والوں نے اس کتاب کے غلط ہونے کے حق میں خود اعتراف کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان النسخ المنقولۃ عنھا کثرت فیھا التصاحیف والاغلاط ولم نجد نسخۃ جمع الجوامع ولا الزیادات فلم نقدر علی التصحیح التام واملاء البیاضات التی ترکت فی الاصل فالمامول ممن قدر علی ذلک ان یکملھا و یصححھا ولا یجعلنا ھو فالسھام الطعن ھذا والسلام (جلد ۸ صفحہ ۳۵۰) بتایئے جس کتاب کا ناشر (پبلشر) اس کی صحت کا ذمہ دار نہ بنتا ہو۔ آپ ایسی کتاب کو سند میں کیونکر پیش کرتے ہیں؟ اور سنئے!

اسی کنز العمال کا ملخص "مسند احمد" کے حاشیے پر مصر میں چھپا ہے یہ تو یقینی بات ہے کہ مصر میں بہ نسبت ہندوستان کے تصحیح زیادہ ہوتی ہے۔ اس ملخص میں یہ حدیث درج ہے۔ اس میں رجال (بالراء) مرقوم ہے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۱)

علاوہ اس کے خود لفظ بتا رہا ہے کہ مرزا صاحب کی منقولہ عبارت غلط ہے۔ کیونکہ دجال (بالدال) صیغہ واحد ہے اس کے لئے صیغہ جمع (یختلسون) نہیں آسکتا۔ اس بات کو ادنیٰ طالب علم بھی جانتے ہیں۔ لیکن خود مرزا صاحب کا دماغ ایسا پھرا ہوا ہو کہ وہ باخبر انسان کو بھی بے خبر کردیتی ہے۔

نہیں۔ احمدی دکھائیں تو شکریہ لیں۔ [1]

(۶) سارے نبیوں کی زبانی وعدہ:

ہاں میں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا اور پھر خدا نے ان کی معرفت بڑھانے کے لئے منہاج نبوت پر اس قدر نشانات ظاہر کئے کہ لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں۔ (فتاوی احمدیہ جلد اول صفحہ ۵۱)

نوٹ: سارے نبیوں کے وعدہ کو ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

(۷) میں خدا کی مانند ہوں:

اور اس جگہ جو میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے کیونکہ جو شخص خدا سے براہ راست وحی پاتا ہے اور یقینی طور پر خدا اس سے مکالمہ کرتا ہے جیسا کہ نبیوں سے کیا اس پر رسول یا نبی کا لفظ بولنا غیر موزوں نہیں ہے بلکہ یہ نہایت فصیح استعارہ ہے اسی وجہ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور انجیل اور دانیل اور

---

[1] اس کے جواب میں مجیب نے کمال باطل کوشی کی ہے بہت سی ادھر ادھر کی کہتے ہوئے لکھا ہے ''حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے ابوھریرہ کو ناقص فہم کہنے اور تفسیر ثنائی کی طرف نسبت کرنے سے الفاظ کا دعوے تو یہ کیا تھا بلکہ ایسی عبارتوں میں مفہوم مراد ہوتا ہے۔ تفسیر مظہری (ثنائی) میں حضرت ابوھریرہ کی اس تاویل کو ان کی ایک خطا قرار دیا گیا ہے''۔ (صفحہ ۹۴)
مطلب یہ ہے کہ چونکہ ایک جگہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے حضرت ابوھریرہ کی تفسیر سے اختلاف کیا لہٰذا مرزا صاحب کو حق حاصل ہو گیا کہ ابوھریرہ صحابی کو ناقص الفہم لکھ دیں۔ بہت خوب احمدی دوستو! ذرا ہوش سے سننا:
مرزا صاحب نے سورہ مریم کی آیات متعلقہ ولادت حضرت مسیح سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت مسیح بے باپ پیدا ہوئے تھے (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۸) ان کے راسخ الاعتقاد مرید مولوی محمد علی لاہوری اور ڈاکٹر بشارت احمد وغیرہ کہتے ہیں یہ خیال غلط ہے کہ بے باپ پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ باپ سے تولد ہوئے تھے اس پر ہمارا حق ہے کہ ہم یہ لکھ دیں کہ:
مولوی محمد علی صاحب لاہوری کہتے ہیں کی مرزا صاحب قرآن فہمی میں ناقص الفہم تھے؟ مرزائیو!

آنچہ بخود نہ پسندی بدیگران مپسند

دوسرے نبیوں کی کتابوں میں جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں میری نسبت نبی کا لفظ بولا گیا ہے اور بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور استعارہ فرشتہ کا لفظ آ گیا ہے اور دانئیل نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظ معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند۔ ❶

(اربعین حاشیہ صفحہ ۲۵)

(۸) میں خواب میں اللہ ہو گیا:

رئیتنی فی المنام عین اللہ و تیقنت اننی ھو

میں نے خواب میں دیکھا میں (مرزا) اللہ ہوں میں نے یقین کر لیا کہ میں وہی ہوں۔ ❷

(آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۴)

---

❶ اس کے جواب میں مجیب بڑا پریشان ہوا ہے جو کچھ کہا اس کا ملخص یہ ہے۔

''حدیث میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ تعالی کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو تو کیا اس آیت اور اس حدیث کا منشاء ہے کہ خدا بن جاؤ۔ نہیں بلکہ علی قدر مراتب مشابہت پیدا کرنا مراد ہے اسی طرح دانیال کی پیش گوئی میں ہے اس پر اعتراض کیسا؟ (صفحہ ۱۰۰)

جواب الجواب: تخلقوا والی حدیث شریف کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح خدا تعالی مخلوق پر رحیم ہے تم بھی حسب مقدور رحم کیا کرو۔ جس طرح خدا ستار العیوب ہے تم بھی حتی المقدور پردہ پوشی کیا کرو۔ یہ تو نہیں کہ تم خدا کی مانند بن جاؤ۔ اچھا اگر کوئی شخص مرزائی عالم کو کہے کہ تم بھی مرزا صاحب کے اخلاق سیکھو تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تم مرزا صاحب کی طرح نبی، رسول مہدی، مسیح، کرشن وغیرہ بن جاؤ؟ ہرگز نہیں پس تخلقوا کے معنی بھی یہ نہیں کی خدا کی مانند بن جاؤ بلکہ یہ ہیں کہ خدا کی صفات میں سے حسب طاقت بشریہ بہرہ یاب ہو نہ کہ خدائی کے مدعی بن بیٹھو۔

❷ اس نمبر کے جواب میں مجیب نے ایک حدیث پیش کی ہے جس میں ذکر ہے کہ مومن جب نوافل بہت پڑھتا ہے تو خدا اس کے کان، آنکھ ہو جاتا ہے اسی کے ساتھ مولانا اسمٰعیل شہید کا قول لکھا ہے کہ عشق الٰہی کے دریا میں تیرنے والا کبھی انا الحق کہہ اٹھتا ہے کبھی لیس فی جبتی سوی اللہ کہہ اٹھتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکالا ہے: ''یہ ایک فناء الفناء کا مقام ہے جس سے خشک زاہدوں کو کوئی نسبت نہیں۔'' (صفحہ ۱۰۳) حدیث شریف کا مطلب تو یہ ہے کہ بندہ اپنے کانوں آنکھوں اور ہاتھوں کو میرے کام میں لگا دیتا ہے۔ میری مرضی اس کی مرضی ہوتی ہے۔ اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود خدا بن جاتا ہے مولانا شہید مرحوم نے بھی دراصل وہی کہا ہے جو حدیث کا مطلب ہے لیس فی جبتی سے مراد دل ہے۔ یہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے دل میں اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں۔ امنا و صدقنا۔

(۹) تمام نبیوں نے میرے آنے کی خبریں دیں:

میرے خدا نے عین صدی کے سر پر مجھے مامور فرمایا اور جس قدر دلائل میرے سچا ماننے کیلئے ضروری تھے وہ سب دلائل تمہارے لئے مہیا کر دیئے اور آسمان سے لیکر زمین تک میرے لیے نشان ظاہر کئے اور تمام نبیوں نے ابتداء سے آج تک میرے لئے خبریں دی ہیں۔ (تذکرہ الشہادتین صفحہ ۶۲)

(۱۰) خدا قادیان میں:

خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ (البشرے صفحہ ۵۶)

(۱۱) خدا خود اترے گا:

اور میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے اور خدا اس وقت وہ نشان دکھائے گا جو اس نے کبھی دکھائے نہیں۔ گویا خدا زمین پر خود اتر آئے گا۔ جیسا کہ فرماتا ہے: "یَوْمَ یَاْتِیْ رَبُّکَ فِیْ ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ" یعنی اس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا یعنی انسانی مظہر کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھائے گا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۴) [1]

(گزشتہ سے پیوستہ)

انا الحق کہنے کی صحیح تشریح یہ ہے کہ دراصل حکایت من الواجب ہوتی ہے۔ یعنی قال اللہ انا الحق لا غیری بالکل صحیح ہے۔ ہم حیران ہیں کہ مرزا صاحب منہاج نبوت پر آنے کے مدعی ہیں، لیکن وہ ایسے الفاظ موہم شرک بولتے ہیں جو کسی نبی کے منہ سے کبھی نہ نکلے ہوں۔ لطف یہ ہے کہ اسی حوالے کے قریب ہی یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس حالت خدائی میں آسمان اور زمین بنادیے اور میں نے کہا اب ہم آدم کا سلسلہ پیدا کریں گے صفحہ ۵۶۵ کیا یہ فناء الفنا ہے یا ادعاء بقا

[1] نمبر ۱۰ کا جواب نہیں دیا نمبر ۱۱ کی بابت ادھر ادھر کی بتا کر مطلب کی بات اتنی کہی کہ: "قادیان کو رحمت الٰہی اور انوار آسمانی کا مہبط بنایا گیا ہے۔ ایسا ہی نشانات کی کثرت نزول الرب کی ظاہری علامت ہے۔" (صفحہ ۱۰۵)

مطلب یہ کہ ظاہر الفاظ مراد نہیں بلکہ تاویل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مجیب نے ہماری بات نہیں سمجھی آپ پھر غور کریں مرزا صاحب کا قول ہے: "گویا خدا زمین پر خود اترے گا" جیسا کہ وہ فرماتا ہے یوم یاتی ربک فی ظلل من الغمام الخ

اس عبارت میں دو کذب ہیں نمبر ۱ بڑا بھاری کذب یہ ہے کہ جو الفاظ خداوندی کہہ کر نقل کئے ہیں یعنی یوم یاتی یہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ نمبر ۲۔ دوسرا کذب یہ ہے کہ اس مکذوبہ آیت کو مکذوب مصداق پر لگایا۔ یعنی اس

ناظرین کرام! یہ نمونہ ہے ورنہ مرزا صاحب کے کذبات تو بے حساب ہیں۔ باب دوم اور سوم کو خوب یاد رکھیے۔ کیوں؟

میرے محبوب کے دو ہی پتے ہیں   کمر پتلی صراحی دار گردن

☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

کو اپنے حق میں چسپاں کیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہی نہیں کہ خدا با دلوں میں آئے گا۔ مختصر یہ ہے کہ آیت جھوٹی بنائی۔ ایک کذب اس کو اپنے حق میں لگایا۔ دوسرا کذب۔

ندامت! مرزا صاحب کے کذب کو صدق بنانے کے لئے مجیب نے بڑی جرات کی مگر اس جگہ اس سے بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ ہماری مطلوبہ آیت قرآن مجید میں دکھا دیتے۔ حالانکہ ہم نے اسی صفحہ پر تقاضہ کیا تھا جو مجیب نے پڑھا اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۴ سے عبارت نقل کی مگر مکذوبہ آیت کو ہاتھ بھی نہ لگایا باوجود اس کے کہتے ہیں: ''ہم جملہ اعتراضات سے فارغ ہو گئے'' (صفحہ ۱۰۵)

آپ نے جو جواب دیئے۔ استاد غالب ان کی پہلے ہی تصدیق کر گئے ہیں

غالب تمھیں کہو کہ ملا ہے جواب کیا   مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

نوٹ! فاضل مجیب نے خوب لکھا ہے کہ:

''مصنف تعلیمات مرزا نے ساری عمر کی کدو کاوش کے باوجود جو تعداد (کذبات) درج کی ہے وہ گیارہ ہے''۔ (صفحہ ۸۰)

محدثین کے اصول پر کسی راوی کا حدیث میں ایک جھوٹ بھی ہمیشہ کے لئے باعث ذلت ہوتا ہے۔

آج کل کی عدالتوں میں بھی ایک ہی دفعہ کا جھوٹ باعث رسوائی ہے مگر قادیانی عرف عام میں گیارہ کی تعداد بھی کم ہے۔ کیوں؟ پنجابی کہا کرتے ہیں:

''جاٹ کی پینتالیس پتیں ہوتی ہیں''

یعنی جاٹ کی پینتالیس عزتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک دو کے جانے سے اس کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک   ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

اطلاع! ناظرین! یقین کیجیے یہ گیارہ کا عدد بطور مثال ہے ان میں حصر نہیں۔

چوتھا باب

نشانات مرزا

اس باب میں وہ امور ذکر ہوں گے جن کو مرزا صاحب قادیانی نے اپنی صداقت کا معیار بتا کر ملک کی عام زبان (اردو) میں شائع کئے ہیں۔ ہم ان کو بلا تاویل وتحریف اصلی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسیح موعود کے وقت اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے گا:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ کا دین اسلام کو وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔ [1] (براہین احمدیہ جلد ۴ صفحہ ۴۹۸، ۴۹۹)

(۲) میرے زمانہ میں تمام اقوام ایک قوم مسلم ہو جائے گی:

چونکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہوگیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ پر ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لئے اسی امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے۔ اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔

---

[1] اس نمبر کا جواب الگ نہیں دیا کیونکہ اس میں جواب کی گنجائش نہیں عبارت صاف ہے۔

پس زمانہ محمدی کے سر پر نبی اکرم ﷺ ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضروری تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک وہ پیدا نہ ہولے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوتہ کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ ہے "هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کردے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیش گوئی میں کچھ تخلف ہو۔ اس لئے اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت ظہور میں آئے گا۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۸۳)

نوٹ: ناظرین کیا ایسا ہو گیا کہ تمام اقوام دنیا اس مدعی مسیح موعود کے وقت میں ایک ہی قوم بن گئیں؟ فیصلہ بانصاف ناظرین کے ہاتھ ہے۔ [1]

(۳) مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹ چھوڑ دیئے جائیں گے:

یاد رہے کہ اسی زمانہ کی نسبت مسیح موعود کے ضمن بیان میں نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی خبر دی ہے جو صحیح مسلم میں درج ہے اور فرمایا لَيُتْرَكُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنی کی سواری موقوف ہو جائے گی پس کوئی ان پر سوار ہو کر انکو نہیں

---

[1] اس کے جواب میں مجیب نے اتنا تو تسلیم کیا ہے کہ "مسیح موعود کے زمانہ میں وحدت مذہبی ہونی مقدر ہے" (صفحہ ۱۰۷) مگر "مسیح موعود (مرزا) کے زمانہ سے مراد تین سو سال ہے"۔ (صفحہ ۱۱۰)
جس سے غرض مجیب بلکہ مرزا صاحب کی بھی یہ ہے کہ موجودہ معترضین تین سو سال تو خاموش رہیں، بعد میں جو ہوگا دیکھیے گا۔ ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ مخلوق خدا کو اتنا کم عقل کیوں جانتے ہیں؟ یا خود اتنی کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیا کوئی پرائمری کا لڑکا بھی اس عبارت کا مطلب سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت سے مراد تین سو سال بعد کا زمانہ ہے۔ (جل جلالہ)
ناظرین! ہماری منقولہ عبارت کا آخری فقرہ ملاحظہ کریں، جو یہ ہے: "یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا"۔
نوٹ! ناظرین مزید توضیح کیلئے اسی باب کا نمبر چودہ ملاکر پڑھیں تو مضمون بالکل واضح ہو جائے گا ان شاء اللہ۔

دوڑائے گا اور یہ ریل کی طرف اشارہ تھا کہ اسکے نکلنے سے اونٹوں کی حاجت نہیں رہے گی اور اونٹ کو اس لئے ذکر کیا کہ عرب کی سواریوں میں سے بڑی سواری اونٹ ہے جس پر وہ اپنے مختصر گھر کا تمام اسباب رکھ کر پھر سوار بھی ہو سکتے ہیں اور بڑے کے ذکر میں چھوٹا خود ضمناً آ جاتا ہے پس حاصل مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں ایسی سواری نکلے گی کہ اونٹ پر بھی غالب آ جائے گی۔ جیسا کہ دیکھتے ہو کہ ریل کے نکلنے سے قریباً تمام کام جو اونٹ کرتے تھے اب ریلیں کر رہی ہیں۔ پس اس سے زیادہ صاف اور منکشف اور کیا پیش گوئی ہوگی۔ چنانچہ اس زمانہ کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے "وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ" یعنی آخری زمانہ وہ ہے جب کہ اونٹنی بیکار ہو جائے گی۔ یہ بھی صریح ریل کی طرف اشارہ ہے اور وہ حدیث اور یہ آیت ایک ہی خبر دے رہی ہیں۔ اور چونکہ حدیث میں صریح مسیح موعود کے بارے میں یہ بیان ہے اس لئے یقیناً یہ استدلال کرنا چاہیے کہ یہ آیت بھی مسیح موعود کے زمانہ کا حال بتلا رہی ہے۔ اور اجمالاً مسیح موعود کی طرف اشارہ کرتی ہے پھر لوگ باوجود ان آیات بینات کے جو آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں ان پیش گوئیوں کی نسبت شک کرتے ہیں۔ [1] (شہادۃ القرآن صفحہ ۱۳)

---

[1] اس نمبر کا جواب مجیب نے دیا ہے کہ اونٹنیاں ترک ہونے کی بابت "احادیث میں کسی ملک کا نام نہیں آیا۔ عام پیش گوئی ہے۔ مسیح موعود (مرزا صاحب) نے بھی اس پیش گوئی کو مطلق ہی قرار دیا ہے کسی ملک سے مخصوص نہیں فرمایا۔ لہٰذا مولوی (ثناء اللہ) صاحب کا مخصوص مقامات (مکہ، مدینہ وغیرہ) کے متعلق استفسار در حقیقت پیش گوئی کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود (مرزا) کی عبارت سے ناواقفیت کی بنا پر ہے"۔ (صفحہ ۱۱۱، ۱۱۷)

اس کے جواب میں! ہم مرزا صاحب کی ایک طویل عبارت نقل کرتے ہیں جو فیصلہ کن ہے۔ ناظرین اسے بغور ملاحظہ کر کے اس فیصلہ پر بھی قادر ہو جائیں گے کہ مرزا صاحب کی تصنیفات سے کون ناواقف ہے اور کون محرف۔ بہر حال وہ عبارت یہ ہے۔ مرزا صاحب اپنے حق میں آسمانی نشان کسوف خسوف بیان کر کے لکھتے ہیں:-

"زمین کا نشان وہ ہے جس کی طرف یہ آیت کریمہ قرآن شریف کی یعنی وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ اشارہ کرتی ہے جس کی تصدیق میں مسلم میں یہ حدیث موجود ہے وَيُتْرَكُ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا خسوف کسوف کا نشان تو کئی سال ہوئے جو دو مرتبہ ظہور میں آ گیا۔ اور اونٹوں کے چھوڑے جانے اور نئی سواری کا استعمال اگرچہ بلاد اسلامیہ میں قریباً سو برس سے عمل میں آ رہا ہے لیکن یہ پیش گوئی اب خاص طور پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ریل تیار ہونے سے پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ریل جو دمشق سے شروع ہو کر مدینہ منورہ میں آئے گی وہی مکہ معظمہ میں آئے گی اور امید ہے کہ بہت جلد صرف چند سال تک یہ کام تمام ہو جائے گا۔ تب وہ اونٹ جو تیرہ سو برس سے

(گزشتہ سے پیوستہ)

حاجیوں کو لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف جاتے تھے یک دفعہ بے کار ہو جائیں گیا اور ایک انقلاب عظیم عرب اور بلاد شام کے سفروں میں آجائے گا۔ چنانچہ یہ کام بڑی سرعت سے ہو رہا ہے۔ اور تعجب نہیں کہ تین سال کے اندر اندر یہ ٹکڑا مکہ اور مدینہ کی راہ کا' تیار ہو جائے اور حاجی لوگ بجائے بدوؤں کے پتھر کھانے کے طرح طرح کے میوے کھاتے ہوئے مدینہ منورہ میں پہنچا کریں۔ بلکہ غالباً معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تھوڑی ہی مدت میں اونٹ کی سواری تمام دنیا سے اٹھ جائے گی۔ اور یہ پیش گوئی چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تمام دنیا کو اپنا نظارہ دکھائے گی۔ اور تمام دینا اس کو بچشم خود دیکھے گی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کی ریل کا تیار ہو جانا گویا تمام اسلامی دنیا میں ریل کا پھر جانا ہے کیونکہ اسلام کا مرکز مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہے۔ ذرا اس وقت کو سوچو کہ جب مکہ معظمہ سے کئی لاکھ آدمی ریل کی سواری میں ایک ہیت سواری مجموعی میں ایک ہیت مجموعی میں مدینہ کی طرف جائے گا۔ یا مدینہ سے مکہ کی طرف آئے گا۔ تو اس نئی طرز کے قافلہ میں عین اس حالت میں جس وقت کوئی اہل عرب یہ آیت پڑھے گا کہ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یعنی یاد کرو وہ زمانہ جب کے اونٹنیاں بیکار کی جائیں گی۔ اور ایک جملد ارا ونٹنی کا بھی قدر نہ رہے گا۔ جو اہل عرب کے نزدیک بڑی قیمتی تھی اور یا جب کوئی حاجی ریل پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف جاتا ہوا یہ حدیث پڑھے گا وَ یُتْرَكُ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْهَا۔ یعنی مسیح موعود کے زمانے میں اونٹنیاں بیکار کی جائیں گی اور ان پر کوئی سوار نہ ہوگا۔ یہ تو سننے والے اس پیش گوئی کو سن کر کس قدر وجد میں آئیں گے اور کس قدر ان کا ایمان قوی ہو گا۔ جس شخص کو عرب کی پرانی تاریخ سے کچھ واقفیت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اونٹ اہل عرب کا پرانا رفیق ہے اور عربی زبان میں ہزار کے قریب اونٹ کے نام ہیں اور اونٹ سے اس قدر قدیم تعلقات اہل عرب کے پائے جاتے ہیں کہ میرے خیال میں تیس ہزار کے قریب عربی زبان میں ایسا شعر ہوگا جس میں اونٹ کا ذکر ہے اور خدا تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ کسی پیش گوئی میں اونٹوں کے ایسے انقلاب عظیم کا ذکر کرنا اس سے بڑھ کر اہل عرب کے دلوں پر اثر ڈالنے کے لئے اور پیش گوئی کی عظمت ان کے دلوں میں بٹھانے کیلئے اور کوئی راہ نہیں۔ اسی وجہ سے یہ عظیم الشان پیش گوئی قرآن شریف میں ذکر کی گئی ہے جس سے ہر ایک مومن کو خوشی سے اچھلنا چاہئے کہ خدا نے قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت جو مسیح موعود اور یاجوج ماجوج اور دجال کا زمانہ ہے یہ خبر دی ہے کہ اس زمانہ میں یہ رفیق قدیم عرب کا یعنی اونٹ جس پر وہ مکہ سے مدینہ کی طرف جاتے تھے اور بلاد شام کی طرف تجارت کرتے تھے۔ ہمیشہ کے لئے ان سے الگ ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کس قدر روشن پیش گوئی ہے۔ یہاں تک کہ دل چاہتا ہے کہ خوشی سے نعرے ماریں کیونکہ ہماری پیاری کتاب اللہ قرآن شریف کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کیلئے یہ ایک ایسا نشان دنیا میں ظاہر ہو گیا ہے کہ نہ توریت میں ویسی بزرگ اور کھلی کھلی پیش گوئی پائی جاتی ہے اور نہ انجیل میں اور نہ دنیا کی کسی اور کتاب میں۔" (تحفہ گولڑویہ طبع اول صفحہ ۹۴ طبع دوئم صفحہ ۱۰۲)

قادیانی دوستو! سنتے ہو تمہارے نبی مرزا صاحب نے عرب کی خصوصیت کس طرح فرمائی ہے اور تمہارے قابل مجیب نے اس خصوصیت کو کیسے دکھایا ہے اسی کو کہتے ہیں:

من چہ گویم و طنبورہ من چہ گوید

(۴) اس کی تائید میں:

اور آسمان نے بھی میرے لئے گواہی دی ہے اور زمین نے بھی میرے لئے گواہی دی مگر دنیا کے اکثر لوگوں نے مجھے قبول نہ کیا میں وہی ہوں جس کے وقت میں اونٹ بیکار ہو گئے اور پیش گوئی آیت کریمہ "وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ" پوری ہوئی اور پیش گوئی حدیث "وَلَيُتْرَكُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا" نے اپنی پوری پوری چمک دکھلا دی یہاں تک کہ عرب وعجم کے اڈیٹران اخبار اور جرائد والے اپنے پرچوں میں بول اٹھے کہ مدینہ اور مکہ کے درمیان جو ریل تیار ہوئی ہے یہ بھی اس پیش گوئی کا ظہور ہے جو قرآن اور حدیث میں ان لفظوں سے کی گئی تھی۔ مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے۔ (اعجاز احمدی صفحہ۲)

احمدی دوستو! کیا مکہ کے درمیان مرزا صاحب کی زندگی میں یا بعد ان کے آج تک ریل جاری ہوئی ہے؟ کیا راجپوتانہ، بلوچستان، مارواڑ، سندھ عرب، مصر اور سوڈان وغیرہ ممالک میں اونٹ بیکار ہو گئے؟ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ [1]

(۵) مسیح موعود بعد دعوی چالیس سال زندہ رہے گا:

حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود اپنے دعوی کے بعد چالیس برس تک دنیا میں رہے گا۔ [2] (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۷)

---

[1] ایضاً

[2] ان دونمبروں (۵۔۶) کے جواب میں مجیب بہت پریشان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قلم اور دل میں سخت نزاع ہو رہی ہے۔ آخر قلم چونکہ ظاہری آلہ ہے اس لئے ظاہری دباؤ سے متاثر ہو کر روانی میں مندرجہ ذیل عبارت لکھ گیا:

حضرت مسیح موعود (مرزا) کو ۱۲۹۰ھ سے قبل ہی سلسلہ الہامات شروع ہو چکا تھا۔ براہین احمدیہ کی اشاعت سے بھی قریباً چھ سات سال پیشتر کشوف رؤیا اور اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا تھا۔ اور ۱۲۹۰ھ کے آنے پر حضور علیہ السلام ماموریت کے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہوئے جیسا کہ حضور نے خود تحریر فرمایا ہے:

"یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوے ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ ومخاطبہ پا چکا تھا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۰) اس حساب سے سلسلہ الہام کی عمر چالیس سال ہوتی ہے۔ اور اگر صرف ماموریت کے الہامات سے ہی ابتدا مانی جائے تو بھی ۳۷ سال کے قریب

(٦) مرزا صاحب نے کب دعوی کیا:

لطیفہ: چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو الآیات بعد المائتین ہے ایک یہ بھی منشا ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا اور کیا اس حدیث کے مفہوم میں یہ عاجز بھی داخل ہے تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل کے نام کے اعداد کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے جو تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونیوالا تھا پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی اور وہ یہ نام ہے ''غلام احمد قادیانی'' اس نام کے عدد

(گزشتہ سے پیوستہ)

بن جاتے ہیں اور عربی کے عام دستور کے مطابق کسروں کو خذف کر کے اربعین (چالیس سال) کہنا بھی درست ہے پس اگر براہین احمدیہ کے الہامات سے ہی دعویٰ کی ابتدا ہو تو بہر صورت چالیس برس بن جاتے ہیں اور اعتراض کرنا غلطی ہے''۔ (صفحہ ۱۱۵)

جواب الجواب! ہم نے ان لوگوں پر احسان کیا تھا کہ اصل مدت نہیں لکھی بلکہ زیادہ لکھی ہے چونکہ یہ لوگ ناسپاس ثابت ہوئے ہیں اس لئے ہم اصل بات لکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کے ادعاء کے مطابق ان کی عمر کے تین حصے ہیں:۔

۱۔ کشف اور رؤیا ۲۔ ماموریت الہیہ ۳۔ دعوے مسیحیت موعودہ

یہاں سوال دعوے مسیحیت موعودہ پر ہے۔ اسی کے متعلق حدیث مرقومہ آئی ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں: ''مسیح موعود اپنے دعوے کے بعد چالیس برس تک دنیا میں رہے گا''۔

اس امر کی تحقیق کرنی ہو تو مرزا صاحب کی تصنیفات دیکھئے۔ براہین احمدیہ جو ۱۲۹۷ھ میں چھپی اور ملک میں شائع ہوئی اس میں تو مرزا صاحب مسیح موعود حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو مانتے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۹۹) اس کے بعد سب سے پہلی کتاب جس میں مسیح موعود کا دعویٰ آپ نے کیا ہے 'فتح اسلام' ہے جس کے سرورق پر ۱۳۰۸ھ لکھا ہے۔ اس رسالہ کی اشاعت پر شور ہوا تو آپ نے دعویٰ کے اثبات کے لئے 'ازالہ اوہام' طبع کرایا جس پر بھی ۱۳۰۸ھ لکھا ہے۔

ان دو کتابوں سے پہلے کسی تحریر مرزا میں دعوی مسیحیت موعودہ نہیں ملتا۔ مرزا صاحب کا انتقال ۱۳۲۶ھ میں ہوا۔ اس تحقیق انیق سے مرزا صاحب بعد دعوے مسیحیت موعودہ صرف اٹھارہ سال دنیا میں رہے حالانکہ آپ کو چالیس سال تک رہنا چاہئے تھا۔ قادیانی مجیب نے جو حوالے نقل کئے ہیں وہ کشف اور الہام کے متعلق ہیں دعوئے مسیحیت کے متعلق نہیں ہیں دعوئے مسیحیت موعودہ ۱۳۰۸ھ میں کیا ہے اس سے قبل نہیں۔ ہے تو دکھاؤ

گر ز عشقت خبرے ہست بگوا ے واعظ
ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

پورے تیرے سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۵۔۱۸۶)

نوٹ: بقول ائے عبارت ہذا ۱۳۰۰ ہجری مرزا صاحب کی بعثت کا زمانہ ہے انتقال آپ کا ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں ہوا حساب لگا لیجئے بعد دعوی ۲۶ سال رہے۔ [1]

(۷) مسیح موعود کی وفات کا وقت ۱۳۳۵ ہجری ہے:

پھر آخری زمانہ اس مسیح موعود کا دانیال تیرہ سو پینتیس برس (۱۳۳۵) لکھتا ہے جو خدا تعالی کے اس نشان کے مشابہ ہے جو میری عمر کی نسبت فرمایا ہے۔ [2] (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۰)

(۸) اس کی تشریح:

وان ایل نبی بتاتا ہے کہ اس نبی آخر الزمان کے ظہور سے (جو محمد مصطفے ﷺ

---

[1] ایضاً

[2] ان نمبروں (۷۔۸) کے جواب میں جو مجیب نے اپنا ضعف دکھایا ہے، قابل رحم ہے۔ اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ مرزا صاحب کے ظہور کو ذرا اوپر کو کھینچ کر لے جائے پھر ۱۳۲۶ھ ہی ۱۳۳۵ھ بن جائے گی۔

چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

دانیال کی پیش گوئی اور گولڑویہ کے الفاظ میں اس مدت کی انتہا نبی آخر الزماں کے ظہور سے بتائی گئی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کا ظہور تاریخ ہجری سے تیرہ سال اور بعض کے نزدیک دس سال قبل ہوا تھا۔ اس لحاظ سے جب ۱۳۲۶ھ تھا تو نبی اکرم ﷺ کے ظہور پر ۱۳۳۵ سال بہرحال گزر چکے تھے۔ اندریں صورت تحفہ گولڑویہ کی عبارت میں لفظ ''ہجری'' عام طریق کے مطابق لکھا گیا ہے وبس۔ اس توجیہہ کی صورت میں ابتدا اس کشف سے ہوگی جو حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے براہین احمدیہ کی تصنیف اور اسلام کے احیاء کے متعلق ۱۸۶۴ء کے قریب دیکھا تھا''۔ (صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۸)

جواب الجواب! اس نمبر میں ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ مرزا صاحب کا ظہور کب ہوا ہمارا مطلب تو اس عبارت کو غلط ثابت کرنا ہے جو انہوں نے مسیح موعود کے کام کرتے رہنے کا انتہائی وقت ۱۳۳۵ھ لکھا ہے۔ ابتدا کی طرف چاہے جتنا کھینچ لو۔ انتہا اس کی ۱۳۳۵ھ پر ہونی چاہیے حالانکہ ۱۳۲۶ھ پر ہوئی۔ (یہی جھوٹ ہے)۔

ہے) جب بارہ سو نوے (۱۲۹۰) برس گزریں گے تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ اور تیرہ سو پینتیس ہجری تک اپنا نام چلائے گا۔ یعنی چودھویں صدی میں سے پینتیس برس برابر کام کرتا رہے گا اب دیکھو اس پیش گوئی میں کس قدر تصریح سے مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی قرار دی گئی۔ اب بتلاؤ اس سے انکار کرنا ایمانداری ہے۔ (تحفہ گولڑویہ کا حاشیہ صفحہ ۱۱۶)

نوٹ: مرزا صاحب ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء انتقال کر گئے۔

احمدی دوستو! چھبیس اور پینتیس میں نو سالوں کا فرق ہے۔ پھر اتنی جلدی کیا تھی کہ مرزا صاحب تشریف لے گئے۔ تم لوگوں نے عرض نہ کیا؟

آتے ہی کہتے ہو جانا جانا
ایسا جانا تھا تو جاناں تمھیں کیا تھا آنا [1]

(۹) مسیح موعود حج کرے گا:

رسول اکرم ﷺ نے آنے والے مسیح کو ایک امتی ٹھرایا اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے اس کو دیکھا۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۴۰۹)

نوٹ: صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ مسیح موعود حج کرے گا مرزا صاحب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ [2]

---

[1] ایضاً

[2] ہم بغرض تفہیم ایک الزام کو دو نمبروں (۹۔۱۰) میں بیان کرتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کی عبارات پر غور کرنے والے خوب غور کریں۔ مگر مجیب اپنے فرض (جواب دہی) کو جانتا ہے۔ حق کا پہچاننا اس کے فرائض میں نہیں ہے۔ اس لئے وہ بے تامل ہمارے اعتراضات کو محض باتوں میں ٹال دیتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔
"احادیث میں جہاں مسیح موعود کے طواف خانہ کعبہ کا ذکر ہے اس سے مراد اشاعت دین ہے حضرت مسیح موعود (مرزا) نے بھی یہی مراد لی ہے۔" (صفحہ ۱۲۰)
ناظرین! للہ۔ غور کریں احادیث رسول پاک ﷺ پر ہاتھ صاف کرنا ان کے بزرگ نے ان کو سکھایا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ اس طرح اپنے بزرگ کے اقوال پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگ گئے۔ کتنا ظلم ہے کہ ہم تو مرزا صاحب کی تصریح دکھاتے ہیں کہ ایام الصلح میں مسیح موعود کا حج کرنا مانتے ہیں۔ ہاں اس کا وقت وہ بتاتے ہیں۔ جب عیسائی (دجال) مسلمان ہو کر مسیح کے ساتھ حج کو جائیں گے۔ بھلا اس فارسی عبارت کا ترجمہ کیا ہے "مارا وقتے حج راست و زیبا آید کہ دجال از کفر و دجل دست باز داشتہ ایماناً و اخلاصاً در گرد کعبہ گردد" بتایئے دجال

(گزشتہ سے پیوستہ)

(قوم نصاری) کے اسلام کے بعد مرزا صاحب کو حج کرنا مناسب اور موزوں تھا۔ پھر اس (حج سے اشاعت اسلام کیسے مراد ہوئی؟ اشاعت اسلام کرنے سے تو دجال مسلمان ہوگا اور اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کو حج کرنا تھا۔ کیا یہ تقدم الشئی علی نفسه ہے یا تقدم المتاخر علی المتقدم نہیں ہے۔

اصل جواب! قادیانی دوستوں سے یہ تو امید نہیں کہ وہ شکر گزار ہوں تاہم بغیر امید شکر یہ ہم اس سوال کا معقول جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے۔

دجال (قوم نصاری) ایسی ضدی اور سڑی ہے کہ مرزا صاحب کے ساری کوشش پر بھی مسلمان نہ ہوئی تو کیا کرتے۔ آخر کار ان کو اسی ضد میں چھوڑ کر چلے گئے۔ (چیرز)

ابھی آ کر بیٹھے تھے ابھی دامن سنبھالا ہے۔

''سیدنا مسیح موعود (مرزا) علیہ السلام پر امن راہ نہ ہونے صحت کی کمزوری کے باعث نیز زادراہ بصورت نقد جمع نہ ہونے کی وجہ سے حج فرض نہ تھا لہذا آپ کا حج نہ کرنا مورد اعتراض نہیں''۔ (صفحہ ۱۲۲)

جواب الجواب! ہم فاضل مخاطب کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے جو عذر کیا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو منظور تھا کہ مرزا صاحب حج نہ کر کے عہدہ مسیحیت سے محروم رہیں۔

ناظرین! ہم جو بار بار لکھتے ہیں کہ مجیب جواب دینے میں اپنا فرض (نوکری) ادا کرتا ہے تحقیق حق سے اسے مطلب نہیں تحقیق منظور ہوتی تو یہ سوچتا کہ جس صورت میں علم الٰہی میں مقدر ہے جسکا اظہار زبان رسالت سے ہو چکا ہے کہ مسیح موعود حج کریں گے۔ یہاں تک کہ ان کے احرام کی جگہ (فج الروحاء) بھی بتا دی ہے۔ باوجود اسکے آج کل کے مدعی مسیحیت موعودہ اس سے محروم رہے چاہے بیماری سے رہے یا بدامنی سے رہے۔ بہر حال محروم رہے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ جس مسیح کے حق میں حج مقدر تھا، مرزا صاحب قادیانی وہ مسیح نہیں۔ وہ ہوتے تو قدرت خداوندی موانع حج کو خود ہی اٹھا دیتی اور مرزا صاحب اس معینہ جگہ سے احرام باندھ کے حج کرتے پس ہمارا حق ہے ہم یہ کہیں کہ مجیب نے ہمارے دعوے کی تردید نہیں کی بلکہ تائید کی ہے۔ کیا خوب ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاکدامن ماہ کنعاں کا

قابل مجیب نے ایک فقرہ ایسا بھی لکھا ہے جو در اصل حدیث پر اعتراض ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ان کے فہم کا قصور ہے۔ مجیب نے لکھا ہے کہ ''فج الروحاء میقات نہیں۔ مسیح اس جگہ سے احرام کس طرح باندھے گا۔ اس لئے یہ ایک کشف ہے''۔ (صفحہ ۱۲۲)

جواب! خرابی ساری یہ ہے کہ یہ لوگ جس قدر مرزا صاحب کی کتابوں پر محنت کرتے ہیں احادیث نبویہ پر اتنی محنت کریں اور کسی واقف فن استاد سے پڑھیں تو حدیث فہمی میں دھکے نہ کھائیں۔ سنئے! میقات جتنے ہیں یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان سے باہر کے لوگ ہیں۔ اور جو اندر ہوں وہ جہاں ہوں وہیں سے احرام باندھ لیں مثلاً اہل مدینہ کیلئے ذوالحلیفہ میقات ہے۔ تو کیا جو ذوالحلیفہ سے اندر مکہ کی جانب رہتے ہیں وہ بھی ذوالحلیفہ جا

(۱۰) مسیح موعود کب حج کرے گا:

فی الحقیقت ماراوقتے حج راست وزیبا آید کہ دجال از کفر دجل دست باز داشتہ ایمانا واخلاصا درگرد کعبہ بگردد چنانچہ از قرار حدیث مسلم عیاں میشود کہ جناب نبوت انتساب (صلوات اللہ علیہ و سلامہ) دیدند دجال و مسیح موعود فی آن واحد طواف کعبہ مے کنند۔ (فارسی ایام الصلح صفحہ ۱۳۸)

یعنی مسیح موعود (مرزا) دجال (قوم نصاریٰ) کو مسلمان کر کے اُن کو ساتھ لیکر حج کریں گے۔

نوٹ: مرزا صاحب نے حج نہیں کیا۔ حالانکہ مسیح موعود کا حج کرنا لازمی ہے جیسا کہ ان کو خود مسلم ہے۔ [1]

(۱۱) آسمانی منکوحہ میرے نکاح میں ضرور آئے گی:

نفس پیش گوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز (مرزا) کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کیلئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے **لا تبدیل لکلمات اللہ** یعنی میری بات ہرگز نہیں ٹلے گی پس اگر ٹل جائے تو خدا تعالیٰ کا کلام باطل ہوتا ہے۔ (اشتہار ۱۶ اکتوبر مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۱۵)

نوٹ: جناب مرزا صاحب نے مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی لڑکی کی بابت کہا تھا کہ میرا اس کا نکاح آسمان پر ہو چکا ہے اسی کی بابت فرماتے ہیں کہ آسمانی منکوحہ میرے نکاح میں ضرور آئے گی۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

احمدی دوستو!

کیا یہ نشان پورا ہوا؟ ہم تمہاری تحریفات اور تاویلات نہیں سنیں گے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں

(گزشتہ سے پیوستہ) ———

کر احرام باندھ آئیں؟ نہیں بلکہ وہ جہاں ہوں وہیں احرام باندھ لیں۔ حدیث شریف کے الفاظ کا مقتضی یہ ہے کہ ایام حج میں حضرت مسیح موعود دورہ کرتے ہوئے فج الروحاء کے قریب ہوں گے اس لئے وہیں سے احرام باندھ لیں گے۔ یہی شرعی حکم ہے **فادفع ما توھم** یوں تو ہر مخالف حدیث کو کشف بنا لینا، اور کشف بنا کر اپنے منشاء موافق تاویل کر لینا قادیانیوں کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے مگر سمجھدار بھی دنیا میں موجود ہیں۔ الحمد للہ۔

[1] ایضاً

''نکاح ٹل جانے سے خدا کا کلام باطل ہو جائے گا'' خدا کے کلام کو باطل کہنا کفر ہے' تمہاری مرضی [1]

(۱۲) آسمانی منکوحہ سے اولاد ہوگی:

اس پیش گوئی کی تصدیق کے لیئے جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے سے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ یتزوج و یولدلہ یعنی مسیح موعود بیوی کرے گا اور نیز وہ صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا۔ اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود

---

[1] مجیب نے یہاں وہ کمال کیا ہے جو احمدیہ جماعت کے زوال کا باعث ہوگا۔ انشاء اللہ۔ لکھا ہے کہ یہ نکاح اس لئے نہ ہوا کہ سلطان محمد (ناکح منکوحہ آسمانی) نہ مرا۔ جب وہ مرا نہیں تو نکاح نہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ مجیب کے اصلی الفاظ یہ ہیں:

''بے شک حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے محمدی بیگم کا اپنے نکاح میں آنا ضروری بیان فرمایا ہے۔ اسے اٹل قرار دیا ہے۔ مگر کس صورت میں؟ جبکہ سلطان محمد کی موت واقعہ ہو جائے۔ (دیکھو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ بار دوم، کرامت صادقین)۔ اگر یہ صورت پیدا ہو جاتی اور نکاح نہ ہوتا تو بے شک خدا کا کلام باطل ٹھہرتا۔ مگر جب سلطان محمد کی موت ہی واقعہ نہ ہوئی تو یہ اعتراض کرنا خلاف دیانت ہے۔'' (صفحہ ۱۲۴)

مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ ساری روک سلطان محمد نے ڈالی جو مرا نہیں۔ ہم اس مضحکہ خیز جواب پر کیا لکھیں۔ واللہ۔ جب ہم اس جماعت کو بحیثیت متکلمین دیکھتے ہیں تو ہماری حیرت کی حد نہیں رہتی۔ کیا متکلمین ایسی کچی باتیں کیا کرتے ہیں کہ سلطان محمد چونکہ مرا نہیں اس لئے خدائی حکم کو روک ہوگی۔ سنئے! ہمارا دعوی ہے کہ ہم ہر جواب میں مرزا صاحب کو ہی پیش کر سکتے ہیں۔ پس سنئے مرزا صاحب نے اس قسم کے طفلانہ جوابات کو یوں رد کیا ہے:

''یرد بنت احمد الی بعد اھلاك المانعین'' (انجام آتھم صفحہ ۲۱۶)

یعنی خدا احمد بیگ کی لڑکی (آسمانی منکوحہ کو بعد مار دینے مانعین کے میری طرف لائے گا)۔ یہ ہے تمہاری سب باتوں کا جواب کہ مانعین کا مار دینا بھی خدا نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے اور مار کر آسمانی دلہن کو الہامی دلہا (مرزا) کے پاس لانے کا وعدہ ہے۔

احمدی دوستو! اللہ سے ڈر کر کہو ایسا ہوا کہ سب مانعین ہلاک ہو کر آسمانی منکوحہ مرزا صاحب کے پاس آگئی ہو؟ آہ مرزا صاحب آخری لحہ زندگی میں یہ شعر پڑھتے ہوئے رخصت ہوئے:

پوچھے اگر وہ قاصد کہہ دیجیو یہ صاف سینے میں دم ہے آنکھ ہے در پر لگی ہوئی

ہے۔ گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں۔ اور فرمارہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ (ضمیمہ انجام آتھم کا حاشیہ صفحہ ۵۳)

نوٹ! ایمان سے کہو ایسا ہوا؟ بعض قادیانی مناظر کہا کرتے ہیں۔ نکاح تب ہوتا جب منکوحہ کا خاوند مرزا سلطان محمد ساکن پٹی (سلمہ اللہ) مرتا۔ جب وہی مرزا کی زندگی میں نہ مرا تو نکاح کیسے ہوتا؟ اس کا جواب بھی مرزا صاحب کے کلام میں موجود ہے۔ ❶

(۱۳) مرزا سلطان محمد میرے سامنے ضرور مرے گا:

میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد مرزا (سلطان محمد) کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔ (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۳۱)

نوٹ! مرزا سلطان محمد (سلمہ) ابھی تک زندہ ہے (خدا زندہ رکھے)۔ ❷

(۱۴) میں تثلیث کی جگہ توحید پھیلاؤں گا ورنہ جھوٹا کہلاؤں گا:

میرا کام جس کیلئے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہی ہے کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور عظمت وشان دنیا پر ظاہر کروں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں۔ پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے۔ اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود ومہدی معہود کو کرنا چاہئے تھا تو پھر میں سچا ہوں۔ اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مرگیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔ والسلام فقط غلام احمد۔ ❸ (اخبار بدر ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

---

❶ نمبر ۱۲، ۱۳ کا جواب الجواب اسی میں آگیا۔ کیونکہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے میں جو مانع تھے جن میں مرزا سلطان محمد بھی سخت مانع ہے۔ ان سب کو ہلاک کرکے مرزا صاحب کا گوہر مقصود حاصل کرانے کا خدا نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ جو پورا ہونا ضروری تھا مگر نہ ہوا۔ نتیجہ کیا خَابَ مَنِ افْتَرٰی (مفتری نامراد رہتا ہے) سچ ہے۔

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا — نامرادی میں ہوا ہے تیرا آنا جانا

❷ ایضاً

❸ ان ضروری نمبروں (۱۴۔۱۵۔۱۶) کا جواب مجیب نے ایسا دیا کہ نہ دینے سے برا۔ گویا اقرار کیا کہ آج

(گزشتہ سے پیوستہ)

تک تو یہ کام ہوئے نہیں۔ آئندہ تین سوسال تک ہو جائیں گے۔" تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مار گزیدہ مردہ شود" چنانچہ مجیب کی اصل عبارت یہ ہے:

"اس قسم کے جملہ اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ سنت الٰہی اسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو روحانی غلبہ توفی الفور دے دیتا ہے۔ ان کے دشمن دلائل و براہین کی رو سے عاجز و تہی دست ہو جاتے ہیں لیکن ظاہری غلبہ تدریجاً دیا کرتا ہے"۔

سیدنا حضرت مسیح موعود (مرزا) کی کامیابی بھی اسی منہاج پر ہے۔ دلائل و معقولات کا وہ ذخیرہ آپ نے پیدا کیا ہے کہ غیر احمدی بھی دشمنان اسلام کے مقابلے میں اس سے کام لیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی احمدیت کو جودن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے یہ اس کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔ عیسیٰ پرستی کا ستون ٹوٹ چکا ہے اور تثلیث کا بت مسیحائے زماں کی ضرب کاری سے ریزہ ریزہ ہو رہا ہے اور عیسائی دنیا خود ان عقائد کو نفرت سے ترک کر رہی ہے اور احرار یورپ بھی تین کے خیالات کو چھوڑ کر توحید کی طرف آ رہے ہیں۔ صلیب شکستہ ہوگئی (شیخ چلی زندہ ہے؟) کیونکہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح مصلوب نہ ہوئے تھے۔ اور وہ دن دروازے پر کھڑے ہیں جب کے عیسائی مذہب دنیا سے پورے طور پر مٹ جائے گا مبارک ہیں وہ جو وقت کو شناخت کریں اور مسیحائے وقت کی آواز پر لبیک کہیں۔" (صفحہ ۱۳۰)

جواب الجواب! گو ہماری منقولہ عبارات میں یہ فقرات کافی ہیں: "میں اس میدان میں کھڑا ہوں کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں وغیرہ"۔

یہ واحد متکلم کا صیغہ اور مضمون کی ادائیگی بزمانہ حال ناظرین کے لئے غور طلب ہے کہ کیا یہ عبارت زمانہ حال کے لئے ہے یا آئندہ کے لئے؟ باوجود اسکے ایک اور عبارت مرزا صاحب کی ہم دکھاتے ہیں جو تمام عذرات باردہ کا مہلک جواب ہے۔ مرزا صاحب اپنی مسیحیت کا زمانہ اور کام بتاتے ہیں چونکہ نبی اکرم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی نبی ﷺ کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی۔ یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اسی تکمیل کے لئے اسی امت میں ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے"۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۸۲ اور ۸۳)

ناظرین کرام! اس فیصلہ کن عبارت کو بغور دیکھیں کہ مرزا صاحب اس میں اپنی خدمت خاصہ کا ذکر اپنی زندگی میں کیسے صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ وحدت اقوام مسیح موعود کے وقت میں ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو۔

(۱۵) اس کی تائید:

دمشق کا ذکر اس حدیث میں جو مسلم نے بیان کی ہے اس غرض سے ہے کہ تین خدا بتانے کی تخم ریزی اوّل دمشق سے ہوئی ہے اور مسیح موعود کا نزول اس غرض سے ہے کہ ناتین کے خیالات کو محو کر کے پھر ایک خدا کا جلال دنیا میں قائم کرے۔ [1] (اشتہار چندہ منارۃ المسیح صفحہ ث)

(۱۶) تائید مزید:

(نبی اکرم ﷺ نے) مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کہ اس کے ہاتھ سے عیسائی دین کا خاتمہ ہوگا اور فرمایا کہ وہ ان کی صلیب کو توڑ دے گا۔ [2] (شہادۃ القرآن صفحہ ۱۲)

احمدی دوستو! مسیح موعود آیا اور چلا بھی گیا۔ تثلیث اور عیسائیت بجائے فنا ہونے کے ترقی پر ترقی کر رہی ہے۔ کیا ہم اس پر یہ شعر مرزا صاحب کی نذر نہ کریں؟

وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

(۱۷) مولوی ثناء اللہ میری زندگی میں مریں گے:

(مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

يَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام

(گزشتہ سے پیوستہ) ——————————

"یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا۔"

اگر یہ کام تین سو سال تک ہونا ہوتا تو اس کو مسیح موعود کے وقت میں ہونا نہ کہا جاتا۔ نیز حاضرین سامعین کو اس سے تسلی کیسے ہوتی۔ یقیناً اس کام کا تعلق حیات مرزائیہ سے ہے۔ مگر واقعات نے ثابت کر دیا کہ مرزا صاحب کا یہ وعدہ معشوقانہ وعدے سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جس کی بابت کہا گیا ہے۔

نہیں وہ قول کا پورا ہمیشہ قول دے دے کر   جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

[1]، [2] ایضاً

علیکم علی من اتبع الھدی۔ مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب وتفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود کذاب دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری وکذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعوی مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔

اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں۔ تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوجاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہوجاتا ہے۔ اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے۔ تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں۔ اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید کرتا ہوں کہ آپ سنت اللہ کے موافق مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون۔ ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں۔ تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔

یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے۔ جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔

مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر

نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔ جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔

آمین یارب العالمین

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ انکی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جنکا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں یہ آیت:

”لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ“ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔

سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر آمین ثم آمین

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ واید

مرقوم یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء

نوٹ: اس مضمون پر انعامی مباحثہ لودہانہ موسومہ "فاتح قادیان" اور "رسالہ فیصلہ مرزا" قابل دید ہیں۔ [1]

☆☆☆

[1] یہ مضمون جماعت مرزائیہ کے لئے موت وحیات کا سوال ہے مضمون تثلیث عیسائیوں کے حق میں اتنا مشکل نہیں جتنا آخری فیصلہ امت مرزا کے حق میں مشکل ترین ہے۔ اس مضمون پر جماعت مرزائیہ کے بحث کرنے کی مثال بالکل یہ ہے جو مکھی شہد میں پھنس جائے جتنی وہ نکلنے کی کوشش کرتی ہے اتنی ہی اس میں پھنستی ہے۔ چنانچہ مجیب نے اس میں بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ ساری محنت کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ محض دعا نہیں بلکہ دعا مباہلہ ہے۔ چونکہ مولوی ثناء اللہ کے انکار کرنے سے مباہلہ نہیں ہوا۔ اس لئے مولوی ثناء اللہ کی حیات شرعی حجت نہیں۔ مجیب کے الفاظ یہ ہیں "میں ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء (مرزا) کا اشتہار ۱۵ اپریل دعاء مباہلہ تھا یک طرفہ دعا نہ تھی اس لئے مولوی ثناء اللہ صاحب مباہلہ سے انکار کر کے بچ گئے ہیں۔" (صفحہ ۱۷۰)

اس کا مکمل اور جامع جواب یہ کافی ہے کہ مرزا صاحب کی زندگی ہی میں قادیان سے اس مضمون کا اعلان ہو چکا تھا کہ "حضرت اقدس مسیح موعود (مرزا صاحب) نے مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان کا ایک اشتہار دے دیا جس میں محض دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا گیا ہے نہ کہ مباہلہ کیا ہے۔" (اخبار بدر ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۸)

چونکہ دعاء مرزا کا اثر حق بجانب ہوا یعنی جو فریق عند اللہ ناحق پر تھا وہی لقمہء موت ہوا تو جماعت مرزائیہ نے یہ حجت نکالی کہ یہ اشتہار محض دعا نہ تھا بلکہ دعاء مباہلہ تھا۔ ایسی حجتوں کے حق میں کہا گیا ہے۔

"مشتے کے بعد از جنگ یاد آید برکلہ خود باید زد"

مفصل کے لئے ہمارا رسالہ "فیصلہ مرزا" ملاحظہ ہو۔

باب پنجم

اخلاق مرزا

حسن خلق ہر شخص خاص کر ہر ریفارمر (مصلح) کیلئے ضروری ہے انبیاء کرام چونکہ دنیا کے سب لوگوں کیلئے راہنما اور نمونہ ہوتے ہیں اس لیئے ان کے اخلاق کریمہ بھی اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں۔ نبی اسلام رسول اللہ ﷺ کی شان والاشان کی بابت تو صاف ارشاد ہے۔

"اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ" (پ۲۹ع۳)

"اے رسول آپ خُلق عظیم پر ہیں"

ہماری تصنیف کے ہیرو (جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی) کا دعویٰ ہے کہ میں محمد ثانی ہوں۔ اس لئے لازم تھا کہ آپ کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے ہوتے مگر افسوس ہے کہ ہم اس خصوص میں مرزا صاحب کو بہت گرا ہوا پاتے ہیں۔ حسب عادت ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے بلکہ مرزا صاحب ہی سے حقیقت کہلوا دیتے ہیں۔

ناظرین بغور سنیں! حسن خلق کے معیار بتانے میں اخلاق نویسوں کا اختلاف ہے مسلمان مومن بالقرآن کے نزدیک وہی معیار صحیح ہے جو قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا. (پ ۱۵ ع ۶)

یعنی میرے بندو۔ ایسی بات کہا کرو جو سب سے اچھی ہو۔ شیطان ہر وقت تم سے لڑائی کرانے پر آمادہ ہے۔ کیونکہ وہ انسان کا صریح دشمن ہے حسن خلق کی تعریف جو معلوم ہوتی ہے وہ ظاہر بلکہ اظہر ہے۔ مرزا صاحب چونکہ قائل اسلام اور بروزی نبوت محمدیہ کے مدعی تھے ان کا حسن خلق اسی معیار پر پرکھنا چاہئے۔

نوٹ: ہر کہ ومہ جانتے ہیں کہ کسی انسان کا حلال زادہ یا حرامزادہ ہونا اس وقت سے ہوتا ہے جس وقت اس کے وجود کی بنیاد اس کی ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ رکھی جاتی ہے۔ وہ اگر باجازت شرعی ہے تو حلال زادہ ہے بے اجازت ہے تو حرام زادہ مگر مرزا صاحب کا خلق یہ ہے کہ

جوان کو مانے وہ حلال زادہ جو نہ مانے وہ حرام زادہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کل مسلم یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا۔

یعنی سب مسلمان مجھے قبول کرتے اور میری دعوت کو مانتے ہیں مگر زانیہ عورتوں کی اولاد یعنی حرام زادے نہیں مانتے۔ (آئینہ کمالات مصنف مرزا صاحب صفحہ ۵۴۷)

نتیجہ: صاف ہے کہ نہ ماننے والوں کی مائیں زانیہ ہیں اور وہ زنازادے ہیں۔ [1]

سوال: اس حسن خلق سے قطع نظر ہمیں ایک سوال سوجھتا ہے اتباع مرزا اس پر غور کریں گے۔

---

[1] مجیب نے اس موقع پر کمال ہوشیاری سے اخلاق مرزا کی حمایت کی ہے۔ بجائے ندامت کے الٹا لکھتے ہیں "نبی اہل دنیا کے سامنے جج کی حیثیت میں پیش ہوتا ہے کہ تاریکی کے فرزندوں پر فرد جرم لگانے سے پہلے ان کے جرموں سے ان کو آگاہ کرے۔" (صفحہ ۳۳)

مطلب یہ کہ مرزا صاحب چونکہ نبی تھے اس لئے ان کا حق تھا کہ اپنے منکروں کو سخت سے سخت الفاظ سے یاد کریں۔ جیسے جج فرد جرم لگاتے وقت سخت الفاظ بولتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ نبی ہو یا مصلح افعال قبیحہ کو قبیح کہہ کر کرنے والوں کو تنبیہ کرتا ہے مثلاً کافر، فاسق، فاجر، اصحاب النار وغیرہ الفاظ ان کے حق میں کہتا ہے۔ مگر اس طرح سننے میں نہ مکروہ ہوتے ہیں نہ کسی خاص شخص یا جماعت کے حق میں دل آزار۔ برخلاف مرزا صاحب کے۔ ان کے الفاظ سنتے ہی ہر شخص کا ضمیر جوش میں آکر انتقام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مثلاً "اے بدذات فرقہ مولویاں"۔ (انجام آتھم وغیرہ)

ناظرین! ایک طرف یہ مکروہ الفاظ رکھئے اور دوسری طرف وہ رکھئے جو مجیب نے صفحہ (۱۳۴) پر قرآن مجید کے مختلف مقامات سے نقل کئے ہیں۔ مثلاً قردۃ (بندر) خنازیر۔ حمر۔ زنیم۔ ولد الزنا۔ نجس ناپاک شر البریہ وغیرہ۔ صفحہ (۱۳۴) اس لئے ہم مثال کے طور پر وہی آیت سامنے رکھتے ہیں جس میں سخت سے سخت مکروہ الفاظ مجیب کو نظر آئے ہیں۔ ارشاد ہے: لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ (پ۲۹ ع۲) خدا اپنے نبی کو اور نبی کی وساطت سے سب بندوں کو حکم دیتا ہے۔ "تم مت کہا مانا کرو بڑے جھوٹے، نکتہ چین، چغل خور، مانع خیر حد سے بڑھے ہوئے بد اعمال، متکبر اور نسل بدلنے والے کا۔"

بتایئے اس میں کیا سختی ہے۔ یہ ہے اصل فرد جرم جو نبی بحیثیت جج لگایا کرتا ہے یعنی ان فاعلوں کی صحبت سے منع کیا لیکن دراصل ان افعال سے منع کرنا مقصود ہے۔

سنئے! کسی محلہ میں چند لوگ بدکار بدمعاش آوارہ گرد ہوں۔ وہاں کا نیک صالح بندہ اپنی اولاد کو یوں نصیحت کرے کہ

"تم بدکاروں آوارہ گردوں کی صحبت سے پرہیز کیا کرو"۔

ایک شخص بہت عرصہ تک مرزا صاحب کا مخالف رہا۔ اتنا عرصہ وہ حرام زادہ رہا۔ مگر بحکم "انقلاب" وہ بجائے منکر کے معتقد ہو گیا۔ تو اب وہ حلال زادہ ہو جائے گا؟

عکس القضیہ :

اس کے برعکس ایک شخص عرصہ تک معتقد رہا آخر کار وہ تائب ہو کر منکر ہو گیا جیسا ہوتا رہتا ہے تو اب وہ حلال زادہ سے منقلب ہو کر حرامزادہ ہو جائے گا؟ علمائے احمدیہ۔ بینو تو جروا لودہانہ میں ایک شخص صاحب سعادت ازلیہ مولوی سعد اللہ نو مسلم تھے جنہوں نے تمام گھر بار برادری چھوڑ کر اسلام قبول کر کے علم دین حاصل کیا اور تمام عمر توحید و سنت کے شوق اور اشاعت میں گزاری مگر مرزا صاحب کے منکر تھے۔ مرزا صاحب اسی مذکورہ اصول کے ماتحت ان کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

اذیتنی خبثا فلست بصادق ان لم تمت باخزی یاابن بعآء (تتمہ حقیقہ الوحی صفحہ ۱۵)

تو نے مجھے تکلیف دی ہے اے زانیہ کے بیٹے (یعنی حرامزادے) اگر تو ذلت سے نہ مرا تو میں جھوٹا ہوں۔ [11] (جل جلالہ)

(گزشتہ سے پیوستہ) ——————

اس میں کیا خرابی اور کیا بد اخلاقی۔ برخلاف اس کے اہل محلہ کو مخاطب کر کے یوں کہے "او بد ذاتو۔ شریرو۔ خبیثو۔ جیسے تم خود خبیث ہو ویسے میری اولاد کو بنانا چاہتے ہو"۔ مرزا صاحب کا قول ہے "اے بدذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑ و گے۔ ظالم مولویو! تم پر افسوس ہے کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا۔" (انجام آتھم صفحہ ۲۱)

ناظرین کرام! یہ ہیں وہ شیریں الفاظ جن کو قادیانی خلافت کے تنخواہ دار جج کا فرد جرم قرار دیتے ہیں۔ ماشاء اللہ چشم بدور۔

لیکن معاف فرمایئے کیا ہم بھی ایک لفظ کی زیادتی کر کے یہی عبارت کہہ سکتے ہیں جو یوں ہے: "اے (قادیانی) بدذات فرقہ مولویان تم کب تک حق چھپاؤ گے" الخ

احمدی دوست! یقیناً یہ ترمیم تم کو بری معلوم ہوگی۔ پھر کیا یہ صحیح نہیں ہے۔

آنچہ نخوذ نہ پسندی بدیگراں مپسند

(۳) اور سنئے! ۱۸۹۵ء میں پادری آتھم کے متعلق مرزا صاحب کی پیش گوئی ختم ہونے پر مخالفوں نے مشہور کیا تو مرزا صاحب نے ان کے حق میں احسن خلق کا مظاہرہ کیا۔

جو شخص اپنی شرارت سے بار بار کہے گا (کہ پادری آتھم کے زندہ رہنے سے مرزا صاحب کی پیش گوئی غلط اور عیسائیوں کی فتح ہوئی) اور کچھ شرم و حیا کو کام میں نہیں لائے گا اور بغیر اس کے ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کی رو سے جواب دے سکے انکار اور زبان درازی سے باز نہیں آئے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔ پس حلال زادہ بننے کے لئے واجب یہ تھا کہ اگر وہ مجھے جھوٹا جانتا ہے اور عیسائیوں کو غالب اور فتحیاب قرار دیتا ہے تو میری اس حجت کو واقعی طور پر رفع کرے جو میں نے پیش کی ہے ورنہ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔ جل جلالہ (انوار الاسلام صفحہ ۳۰)

حلال زادہ اور حرامزادہ بننے کا کیا ہی اچھا طریق ہے۔

احمدی دوستو! کسی مخالف مرزا کا بھی یہ حق ہے کہ وہ یوں کہے مرزائیو حلال زادہ بنتا ہے تو اس

❶ اس خبیث لفظ (ذریۃ البغایا) نے امت مرزائیہ بہر دو صنف کو ایسا پریشان کر رکھا ہے کہ بہت ہی بہکی بہکی باتیں کہتے ہیں۔

میاں صاحب بات ہے کہ کہہ دو مرزا صاحب نے غصہ کی حالت میں لکھ دیا اب جانے دو۔ یہ کیا ہے کہ اس کی تصحیح کرنے بیٹھے ہو کہ ذریۃ البغایا سے مراد شریر لوگ ہیں۔ مرکب اضافی مراد نہیں جیسے ابن السبیل کے معنی ہیں مسافر وغیرہ (صفحہ ۳۷)

ہاں جناب! ہر لفظ اپنے معنی میں مستقل حقیقت رکھتا ہے الا جس کو اہل زبان مجازی شکل میں استعمال کریں۔ ابن السبیل کے معنی مسافر کے اہل زبان مراد لیتے ہیں۔ مگر ذریۃ البغایا کے معنی سوائے ''حرام کاروں کی اولاد'' کے اور مراد نہیں لیتے۔ لیتے ہیں تو دکھاؤ۔

احمدی دوستو! ہم تمہارے ضمیر سے ایک سوال کرتے ہیں۔ خدا سے ڈر کر صحیح جواب دینا۔ جس طرح تم لوگ منکرین مرزا کو بوجہ انکار ذریۃ البغایا بمعنی شریر بدکار کہتے ہو۔ وہ بھی تم کو بوجہ اقرار مرزا کے ایسا مانتے ہیں۔ تو کیا تم لوگ پسند کرو گے کہ تمہارے مخالف یوں کہیں:۔

کل امر لا یقبل دعوۃ المرزا الا ذریۃ البغایا یعنی ہر آدمی مرزا کی دعوت کو رد کرتا ہے سوائے ذریۃ البغایا کے۔ (وہ قبول کرتے ہیں)

اگر تم اس کو مکروہ سمجھتے ہو تو منکروں کو بھی مکروہ سمجھنے دو۔ ناحق جواب نویسی میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔

رسالہ کو غور سے پڑھو ہمارا خیال ہے کہ ایسا کہنے کا حق نہیں۔ ❶

(۴) مرزا صاحب اپنے مخالفوں پر ناراضگی کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

ان العدی صاروا خنازیر الفلا۔ نسائهم من دونهن الاکلب (رسالہ نجم الهدیٰ)

میرے مخالف جنگلوں کے سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔ آغا تلوار میاں کن!

اپنے منکرین علماء اسلام چھوٹے اور بڑے سب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

(۵) اے بدذات فرقہ مولویاں۔ اے یہودی خصلت مولویو!

مرزا صاحب کے حسن خُلق کا ظہور کسی مخالف یا عداوت پر موقوف نہ تھا بلکہ جدہر نظر عنائت ہوتی اسی کو کوسنے لگ جاتے تھے۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی خاص شخص یا اشخاص سے ناراضگی کی وجہ سے بدگو ہیں مگر ایسا فرقہ یا شخص کوئی نہ ہوگا جو منصوص رسول کے حق میں بدزبان ہو ہاں مرزا صاحب اس میں بھی یکتا ہیں۔ چنانچہ آپ کے جواہر ریزے یوں ہیں۔ (انجام آتھم صفحہ ۲۱)

(۶) مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ۔ پیئو۔ شرابی۔ نہ زاہد نہ عابد۔ نہ حق کا پرستار۔ متکبر خود بیں۔ خدائی کا دعوی کرنے والا۔ ❷ (مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۔۲۴)

---

❶ اس نمبر میں مجیب نے کمال دلیری سے چراغ داشتہ جواب دیا ہے۔ پہلے تو یہ جھوٹ بلکہ افترا علی الرسول کیا ہے کہ ''نبی ﷺ نے ولید نامی ایک شخص کو ولد الزنا قرار دیا ہے''۔ (صفحہ ۱۴۱)

ہم اس کذب بلکہ افترا کا جواب نہیں دے سکتے۔ ہاں مطالبہ کرتے ہیں کہ الفاظ نبوی دکھاؤ جن میں ولید کو ولد الزنا قرار دیا ہو۔

دوسرے جواب میں اس سے بھی زیادہ دون کی لی ہے۔ لکھا ہے: ''سعد اللہ ہندوؤں کا لڑکا تھا ان کو اتقیا اور صلحا تو نہیں کہا جا سکتا تھا پس مسیح موعود (مرزا) نے جو کچھ فرمایا۔ بالکل بجا فرمایا''۔ (ص ۱۴۰)

ہائے جانب داری تیرا ستیاناس۔ کیا ہندو کے لڑکے کو ابن بغا (نسل بدکاراں) کہہ سکتے ہیں۔ اگر تم ہندوؤں کو نسل بدکاراں کہہ سکتے ہو تو ان کو تمھارے حق میں ایسا لکھنے سے کیا امر مانع ہے پس اللہ سے ڈرو اور بے جا حمایت نہ کرو۔ میدان محشر میں یہ کچھ کام نہ آئے گا۔

عجب مرزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوے
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے

❷ ان سب نمبروں (۶۔۷۔۸) کو مجیب نے یکجا کر کے گلے سے اتار دیا ہے سب کے جواب میں ایک ہی لفظ کافی ہو جاتا ہے کہ ''ہر سہ حوالجات عیسائیوں کے مسلمات اور انکی کتب سے اخذ کردہ نتائج ہیں۔'' (ص ۱۴۸)

(۷) اور سنئے غور سے سنئے! یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔ (کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۶۵)

ناظرین کرام! اس موقعہ پر ہم خاص اہل اسلام سے نہیں بلکہ ہر انسان سے انسانیت کی اپیل کرتے ہیں کہ کیا یہ حسن اخلاق ہے کہ ایک شخص جس نے ہمیں کچھ کہا نہیں نہ ہماری بدگوئی کا جواب دے سکتا ہے۔ اس کو ایسے لفظوں سے یاد کیا جائے

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جناب مرزا صاحب قادیانی نے ہیجڑا بتا یا ہے۔ [1]

(۸) غور سے سنئے! کیا تمھیں خبر نہیں کہ مردمی اور رجولیت انسان کی صفات محمودہ میں سے ہے ہیجڑا ہونا کوئی اچھی صفت نہیں ہے جیسے بہرہ اور گونگا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ ہاں یہ

(گزشتہ سے پیوستہ) ----------------------------------

ناظرین! اس بیچارگی کی مثال بھی کہیں ملے گی کہ مجیب خود صفحہ ۳۰ پر کہہ آیا ہے کہ "یسوع اس حیثیت کا مظہر ہے جو عیسائیت پیش کرتی ہے اور مسیح اس حیثیت کی نمائندگی کرتا ہے جو اسلام نے پیش کی ہے۔" (ص ۳۰)

پس ناظرین! دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب نے مسیح کو مسیح کے نام سے یاد کیا ہے یا یسوع کے نام سے۔ ایک دفعہ اس کفریہ عبارت کو پھر پڑھ دیجئے یا سن لیجئے۔

"مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پیو۔ شرابی۔ نہ زاہد۔ نہ عابد۔ الخ

علاوہ اس کے ہم پوچھتے ہیں یہ کس عیسائی کا مسلمہ ہے کہ:

"مسیح کھاؤ۔ پیو۔ شرابی۔ کبابی۔ نہ زاہد نہ عابد تھا"۔

مسیحی ممبرو:۔ کیا قادیانی مجیب سچ کہتا ہے؟

تمھیں تقصیر اس بت کی جو ہے میری خطا لگتی
ارے لوگو! ذرہ انصاف سے کہیو خدا لگتی

حقیقت یہ ہے کہ ایک غلطی کو ثابت کرنے کے لئے آدمی بہت سی غلطیاں کر جاتا ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ مرزا صاحب کی بے بس طبیعت سے ایسے مکروہ اور ناشائستہ الفاظ نکل گئے۔ اب یہ لوگ ان کی اصلاح کرنے بیٹھیں تو یہی جواب ملے گا۔

"لن یصلح العطار ما افسد الدھر" (جس کو زمانہ نے بگاڑا ہو اس کو کوئی نہیں سنوارے گا)۔

الحمدللہ ہم جواب الجواب سے فارغ ہو گئے۔ فللّٰہ الحمد

[1] ایضاً

اعتراض بہت بڑا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردانہ صفت کی اعلیٰ ترین صفت سے بے نصیب محض ہونے کے باعث ازواج سے سچی اور کامل حسن معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے اسلئے یورپ کی عورتیں نہایت قابل شرم آزادی سے فائدہ اٹھا کر اعتدال کے دائرہ سے ادھر ادھر نکل گئیں اور آخر ناگفتنی فسق و فجور تک نوبت پہنچی۔

مسیح نے اپنے نقص تعلیم کی وجہ سے اپنے ملفوظات اور اعمال میں یہ کمی رکھ دی مگر چونکہ طبعی تقاضا تھا اس لئے یورپ اور عیسویت نے خود ان کے لئے ضوابط نکالے۔ اب تم خود انصاف سے دیکھ لو کہ گندی سیاہ بدکاری اور ملک کا ملک رنڈیوں کا ناپاک چکلہ بن جانا ہائڈ پارکوں میں ہزاروں ہزار کا روز روشن میں کتوں اور کتیوں کی طرح اوپر تلے ہونا اور آخر اس ناجائز آزادی سے تنگ آ کر آہ و فغاں کرنا اور برسوں دیوثیوں اور سیاہ روئیوں کے مصائب جھیل کر اخیر میں مسودہ طلاق پاس کرانا۔ یہ کس بات کا نتیجہ ہے کیا اس مقدس مطہر مزکی نبی امی ﷺ کی معاشرت کے اس نمونہ کا جس پر خباثت باطنی کی تحریک سے آپ معترض ہیں یہ نتیجہ ہے۔ اور ممالک اسلامیہ میں یہ تعفن اور زہریلی ہوا پھیلی ہوئی ہے یا ایک سخت ناقص نالائق کتاب پولوسی انجیل کی مخالفت فطرت اور ادھوری تعلیم کا یہ اثر ہے۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸)

نوٹ: ناظرین ملاحظہ کریں کس جرات سے حضرت مسیح علیہ السلام کو ہیجڑا اور ناکارہ کہا ہے۔ (الی اللہ المشتکی)

ناظرین کرام! یہ نمونہ ہے مرزا صاحب کے حسن اخلاق کا جو صاحب مفصل دیکھنا چاہیں وہ ہمارا رسالہ "ہندوستان کے دو ریفارمر ملاحظہ کریں۔ اس میں سوامی دیانند اور مرزا صاحب کے اخلاق حسنہ مساوی دکھائے گئے ہیں۔

نوٹ: یہ سچ ہے کہ مرزا صاحب کے مخالفوں نے بھی مرزا صاحب کے حق میں سخت وسست الفاظ لکھے مگر ان کا ایسا لکھنا مرزا صاحب کے لکھنے کو جائز نہیں کر سکتا اس لئے مرزا صاحب منجانب اللہ مصلح بنکر آئے تھے اور لوگوں کی یہ حیثیت نہیں کہ بیمار کی ریس طبیب کرے تو طبیب نہیں۔ علاوہ اس کے دنیا میں موجود لوگوں کی تو جو کہا وہ سنا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مرزا صاحب کو کچھ نہیں کہا تھا ان پر کیوں ایسے تیر پھینکے! کیا اس لئے کہ ان کو اپنا رقیب جانتے تھے؟

انصاف یہ ہے کہ مرزا صاحب کی یا کسی اور صاحب کی ساری عمر کی نیکی ایک پلڑے میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں مرقومہ بدگوئی دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں گی تو یہ دوسرا پلڑا بحکم شریعت بہت جھکنے والا ثابت ہوگا۔

عذر بارد: حسن عقیدت کی ایک چیز ہے بعض اوقات حق و باطل میں امتیاز کرنے کا ملکہ چھین لیتی ہے مرزا صاحب کے معتقد کہا کرتے ہیں کہ ہمارے حضرت صاحب نے اس عیسیٰ مسیح کو برا نہیں کہا جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ بلکہ اس کو کہا ہے جسکی نسبت عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنی الوہیت اور تثلیث کی تعلیم دے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے جو حوالے نقل کئے ہیں ان میں تین لفظ خاص قابل غور ہیں۔ عیسیٰ مسیح اور علیہم السلام۔ یہ تینوں اسلامی اصطلاح کے لفظ ہیں انہی ناموں سے برا کہا گیا۔ علاوہ اس کے قرآن مجید میں یہ بھی ایک اخلاقی سبق ہے۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (پ ۷ ع ۱۹)

جن لوگوں کو غیر مسلم پکارتے ہیں تم مسلم لوگ انکو برا نہ کہا کرو ورنہ ضد اور جہالت سے وہ اللہ کو برا کہیں گے۔

فرض کرلیں کی مرزا صاحب نے عیسیٰ مسیح مسلمہ اسلام رسول کو برا نہیں کہا بلکہ عیسائیوں کے مصنوعی معبود کو برا کہا ہے تو بھی بحکم آیت مرقومہ ناجائز فعل ہے

ناظرین! مرزا صاحب کو مصلح سمجھ کر اخلاق میں انکی ریس کرنے کا خیال نہ کریں بلکہ قرآن مجید کے احکام کی تعمیل کریں اور اس بات کا خیال رکھیں جو استاد صاحب مرحوم نے کہا ہے۔

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

التماس! امید ہے ناظرین اس رسالہ کو خود دیکھ کر مرزا صاحب کے اتباع کو ضرور دکھائیں گے اور ہر ایک حوالہ کا جواب ان سے طلب کریں گے واللہ الموفق

ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری ملقب
فاتح قادیان

☆☆☆

چورن کا اشتہار

قابل ملاحظہ اخبار

چورن فروشوں کا دستور ہے کہ بازاروں میں کھڑے ہو کر اپنے چورن کی بابت ایسا پرزور اعلان کرتے ہیں کہ ساری بیماریوں کی شفاء اس میں بتا دیتے ہیں امت مرزائیہ کی بھی یہی عادت ہے۔ کوئی کیسی ہی رذیل تحریر جو ہمارے جواب میں نکلے بس اس کی تعریف کرتے ہوئے چورن فروشوں کو مات کر دیں گے۔ اسی کتاب (تجلیات رحمانیہ) کی بابت جس کے جواب سے ہم فارغ ہوئے ہیں۔ خلیفہ قادیانی نے بھی بڑی تعریف کی۔ (الفضل جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۵)

اس کے بعد دیگر چورن فروشوں نے تو کمال ہی کر دیا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

''مولوی اللہ دتہ صاحب نے اور قوی دلائل دیئے ہیں جو مولوی ثناء اللہ کی پھکڑ بازیوں کو جو ان کی تمام تحریرات میں حضرت مسیح موعود کے برخلاف ملتی ہیں۔ اس طرح تار عنکبوت کی طرح بکھیر کر رکھ دیا ہے جس کا جواب مولوی ثناء اللہ سے اب تک نہ بنا ہے نہ بنائے بنے گا۔ اگرچہ ان دوسرے مددگار روح الخبث اور کج رفتار بھی کیوں نہ مولوی صاحب کی پیٹھ ٹھونکیں۔ وَلَوْ کَانَ ظَهِيْرًا۔

اور بارہ دلائل مولوی اللہ دتہ صاحب کی طرف سے ایسے دیئے گئے ہیں جن کی طرف مولوی صاحب نے رخ تک نہیں کیا۔ کیا یہ ان کی عاجزی کا ثبوت نہیں ہے اگر نہیں ہے تو ذرہ ان کا نمبر وار جواب تو دیکر بتائیں۔ دیدہ باید

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

(فاروق ۲۸ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۸)

جواب: ناظرین! اس چورنی اشتہار کی صداقت کتاب اور جواب کتاب سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارا تو عقیدہ ہے قادیانی اور جواب؟ ضدان مفترقان ای تفرق۔

ابوالوفاء

عجائباتِ مرزا

مُصنّفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابوالوفا مُحمّد ثناءُ اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ مُحمّدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماء کرام کی آراء زرین

بر رسالہ

عجائبات مرزا

مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی

رسالہ عجائبات مرزا جناب مولانا ثناء اللہ صاحب فاتح قادیان نے تقریظ کے لئے ارسال فرمایا۔ مولانا ممدوح کی ذات گرامی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ملک ہندوستان میں بے مثل (حسن ظن) جامع عالم و مناظر ہیں۔ بالخصوص قادیانی لٹریچر میں آپ کو بے نظیر قابلیت حاصل ہے۔ مولانا ممدوح نے اس کتاب کا نام عجائبات مرزا رکھنے میں عجب کمال دکھایا جو واقعی اسم بامسمی ہے۔ مرزا صاحب کی جو تحریریں اس کتاب میں زیر بحث لائی گئی ہیں وہ محض پریشان خیال اور خیالی تک بندیاں ہیں۔ معلوم نہیں مرزا صاحب اپنا وقت ان تک بندیوں میں کیوں خرچ کرتے تھے۔ والسلام خیر ختام۔

جناب مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی

شیخ جامعہ عباسیہ بہاولپور

مولانا ثناء اللہ صاحب کا فضلاء ہند میں جو درجہ ہے وہ مزید تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ ماشاء اللہ تعالیٰ بہت بڑے اسلامی مناظر ہیں۔ تمام فرق کفار کے مذاہب پر آپ کو سیر حاصل عبور حاصل ہے۔ بالخصوص قادیانی اور اس کے اذناب کے مموہ (دھوکہ دہ) بیانات و استدلالات کی قلعی کھولنے میں آپ کو یکتائی کا درجہ ملا ہے۔ آپ نے علم کلام مرزا میں اور اس کے بعد عجائبات مرزا میں جو درحقیقت پہلی کتاب کا بہ تبدیل نام دوسرا حصہ ہے۔ مرزا صاحب کے دلائل کا بہترین

جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کے ان حسنات میں مزید اضافہ کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے ان ہر دو کتب کو پڑھا ہے۔ یہ دو کتابیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں یاد کرلیں۔ (احقر الانام غلام محمد)

جناب مولانا احمد اللہ صاحب

صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی رسولہ۔ امابعد! رسالہ عجائبات مرزا مولفہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب رئیس المناظرین، میں نے مطالعہ کیا۔ خوب ہی مکائد و ہفوات متضادہ مرزا غلام احمد اور ان کے پسر محمود احمد کو واضح فرمایا۔ اللہ سبحانہ مولانا موصوف کی سعی کو مشکور فرمائے۔ یہ اکاذیب و اساطیر باطلہ مرزا غلام احمد ہیں یا مالیخولیا و مسلوب العقل کے مزخرفات کا تودہ ہے۔ تعجب یہ ہے کہ پھر بھی مرسل من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اف کہ اور ان کے اتباع ایمان فروشی پر فریفتہ ہیں۔ خلق کے سامنے مکر و فریب کا جال ڈال رکھا ہے۔ جس کا نتیجہ یوم القیامۃ خسران و عذاب دائمی ہے۔

(حررہ احمد اللہ غفرلہ مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی۔ مورخہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ)

مولانا محمد طیب صاحب

مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد! رسالہ عجائبات مرزا جس کو شیر پنجاب مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے۔ احقر کی نظر سے گزرا۔ یہ رسالہ متنبی قادیان کے تہافت و تلبیس بیانی اور مصنف محترم کی صداقت معانی اور موشگافی کا آئینہ ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی نبوت کو قرون و سنین کے بہت پیچیدہ حسابات لگا کر جوڑا تھا، لیکن ماشاء اللہ مصنف ممدوح کی ایک ہی ضرب نے دلیل کی ساری جمع تفریق باطل کردی۔ گو مرزا

صاحب کے خلف مرزا محمود نے اس بہی کھاتہ کی جمع بندی کی تصحیح کرتے ہوئے ان فرضی حسابات کو برقرار رکھنے کی کوشش کی سعی کی ہے۔ مگر مصنف کے نکتہ رس قلم نے اس سارے سیاہے پر سیاہی پھیردی۔ اور حاصل حساب کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔ جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ رسالہ ہر اعتبار سے نافع اور قابل استفادہ ہے۔ واخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین۔

(احقر محمد طیب غفرلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ یوم الخمیس)

مولانا محمد عالم صاحب

مولف کاویہ مدرس اسلامیہ سکول امرتسر

مرزا صاحب کو ماؤف الدماغ نہ سمجھنا خود ماؤف الدماغی کا اعتراف ہوگا۔ جس کے ثبوت بہم پہنچانے کو حضرت مولانا شیر پنجاب کی اس تازہ تصنیف کے ہر دو حصوں (علم کلام مرزا و عجائبات مرزا) کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ اس لئے ناظرین کا فرض ہے کہ مولانا کی ایسی تصانیف کو مطالعہ کر کے لطف اندوز ہوا کریں واللہ الموفق۔ (رقیمہ بندہ آسی مؤلف کاویہ عفاعنہ)

مولانا غلام مصطفے صاحب مفتی

احناف امرتسر

الحمد للہ وحدہ۔ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ

مرزا قادیانی کو اپنے زور قلم پر بڑا ناز تھا۔ اس کے اذناب بھی اس کو سلطان القلم اور جدید علم کلام کا بانی قرار دیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت مرزا کا کلام چند اوہام و اختلافات کا مجموعہ ہے۔ میں نے اس کے حصہ دوم (عجائبات مرزا) کے چیدہ چیدہ مقامات کا مطالعہ کیا ہے۔ اس باب میں اس کو مفید پایا۔ حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو قادیانی مزخرفات سے محفوظ رکھے۔ بحرمتہ النبی الکریم علیہ الصلوۃ والتسلیم۔ (وانا احقر انوری غلام مصطفی الحنفی القاسمی الامرتسری عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۱ ہجری)

مولانا احمد علی صاحب

لاہور دروازہ شیرانوالہ

عجائبات مرزا مرتبہ امام المناظرین فخر المتکلمین عمدۃ المحققین حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مدظلہ امرتسری کو میں نے اوّل سے آخر تک غور سے پڑھا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے عمر دنیا کی تحقیق میں جو انوکھا ثبوت اپنی نبوت کا پیش کیا تھا، وہ مولانا ممدوح نے اس رسالہ میں مرزا صاحب کی عبارات ہی سے تضاد ثابت کر کے اس تحقیق کی تکذیب، اور انہی کے منہ سے ان کی نبوت مخترعہ کی تردید کر کے دکھائی ہے۔ چونکہ مرزا بشیر الدین محمود بھی اس استدلال میں اپنے والد صاحب کے ہمنوا ہیں۔ علاوہ اس کے خلیفہ صاحب نے اپنے والد کو دور جدید کا باوا آدم قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ خلیفہ بشیر الدین محمود کے استدلال کی بناء پر مرزا صاحب کی عمر ایک ہزار اکتیس سال ہوتی ہے۔ وذلك صريح البطلان۔

یہ فضل مولانا المکرّم ہی کے حصے میں ازل سے آیا ہے کہ ان کے قلم گوہر رقم کے نکات دور حاظر کے دجال کے دجل کے لئے عصاء موسیٰ کا کام دیتے ہیں۔

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت عظمیٰ کو قبول فرمائے اور مولانا ممدوح کو مدت مدید تک دین مبین کے احیاء کے لئے سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

امیر انجمن خدام الدین

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی

میں نے رسالہ عجائبات مرزا مصنفہ ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب پڑھا۔ قادیانی متنبّی کی نسبت آپ کی مفید و پراز معلومات تصنیفات پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مرزا کی باتیں محض مجنون کی بڑہیں جو مسیح موعود کو کبھی دنیا کے چھٹے ہزار میں کہتا ہے اور کبھی ساتویں ہزار میں۔ حالانکہ دنیا کی عمر کی کوئی روایت یا اثر عند المحدثین صحیح اور معتبر نہیں۔

اسی طرح عیسوی مذہب کا چوتھے ہزار میں پیدا ہونا بالکل نئی تاریخ یا یکسر غلط اور لغو ہے۔ آخر میں فیصلہ خلیفہ محمود کی تحریر منقول ہے وہ اس مثل کی مصداق ہے: "بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ"۔

باری تعالی مصنف کے علم و فضل میں برکت دے کہ آپ کے ذریعہ سے ہم لوگ زمانہء حال کے دجاجلہ کے دجل و فریب سے واقف ہو جاتے ہیں۔ آپ کی محنت واقعی قابل داد ہے۔ اللہ تعالی آپ کو بہترین جزاء عنائیت فرمائے۔

محمد ابو القاسم البنارسی

اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ

عجائبات مرزا

پہلے مجھے دیکھئے

اللہ کی شان ہے میں جب کبھی کوئی کتاب مرزا صاحب قادیانی متوفی کے خیالات کی تردید میں شائع کرتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ قادیانی مباحث پر اب کسی اور کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر چندروز بعد ایک نیا مضمون دیکھتا ہوں تو جی میں آتا ہے کہ جو لطف میں نے اس سے پایا ہے پبلک کو بھی اس میں شریک کرسکوں۔

چندروز کا واقعہ ہے کہ میں نے اس رسالہ علم کلام مرزا شائع کیا۔ جس میں مرزا صاحب کو بحیثیت مصنف اور متکلم کے پبلک میں پیش کیا۔ وہ رسالہ اکابر علماء کو بہت پسند آیا، چنانچہ علماء کرام نے اس پر پُر زور رائیں لکھیں۔ ایک عنائیت فرمانے تو اس کی تحسین میں یہاں تک لکھا کہ اس موضوع میں کچھ مزید بھی چاہیئے۔ انہی کے اشارے سے میرے دل میں ایک باب کا اضافہ ہوا جو آج ہدیہ ناظرین ہے۔ اس لحاظ سے اس رسالہ کو علم کلام مرزا کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیئے۔ اس میں مرزا صاحب کی صرف ایک دلیل پر بحث کی گئی ہے جس کی بابت ان کا دعویٰ ہے کہ:

وہ میرے مسیح موعود ہونے پر کھلی دلالت کرتی ہے (تحفہ گولڑویہ ص ۱۰۱) چونکہ مرزا صاحب نے اس بحث کو بطور مستدل کے پیش کیا ہے اس لئے علم کلام مرزا میں اس کو جگہ مل سکتی ہے۔ اگر وہ اس کو خاص الہامی صورت میں رکھتے تو ہم بھی اس کو علم کلام میں نہ لاتے بلکہ الہامات مرزا میں رکھتے۔

مزید لطف کے لئے اسی باب کا ایک ضمیمہ لگایا گیا ہے جس میں میاں محمود احمد خلف مرزا صاحب متوفی کے جواہر ریزے دکھائے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ الولد سر لابیه بالکل صحیح ہے۔

ابوالوفاء ثناء اللہ مصنف امرتسری

شوال ۱۳۵۱ھ فروری ۱۹۳۳ء

عجائبات مرزا

دلچسپ قابل دید وشنید

مرزا صاحب قادیانی نے اپنی مسیحیت موعودہ پر مختلف قسم کی کئی ایک دلیلیں پیش کی ہیں، عقلی بھی اور نقلی بھی۔ آج جس دلیل پر ہم بحث کرنے کو ہیں۔ یہ بڑی زبردست عقلی اور نقلی دلائل سے مرکب دلیل ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ سنتے ہی سامع کو اسکی نسبت اعتماد ہوسکتا ہے۔ خلاصہ اس کا ہمارے الفاظ میں یہ ہے:۔

قرآن اور احادیث اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک دنیا کی عمر سات ہزار سال (بحساب قمری) ہے۔ کل انبیاء نے بتایا ہوا ہے کہ مسیح موعود دنیا کے چھٹے ہزار میں مامور اور مبعوث ہو کر اہل دنیا کو ضلالت اور بربادی سے بچائے گا۔ چنانچہ میں (مرزا) اسی چھٹے ہزار میں مبعوث ہوا ہوں۔ (عربی رسالہ ما الفرق بین آدم والمسیح الموعود)

مبنیٰ گفتگو حضرت آدم کی تاریخ پیدائش ہے جبکہ وہ تاریخی زمانے سے پہلے کا واقعہ ہے تو اس کا علم کیسے ہو؟ سو مرزا صاحب کے ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس سے ہمیں سبکدوش فرمایا چنانچہ لکھا ہے:۔

آنحضرت ﷺ، حضرت آدم علیہ اسلام سے قمری حساب [1] کے رو سے چار ہزار سات سو انتالیس (۴۷۳۹) برس بعد میں مبعوث ہوئے ہیں۔ (کتاب تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

پس اب سارے حساب میں آسانی ہوگئی۔ تیرہ سال اقامت مکہ کے ملائیں تو سنہ اول ہجری کو انسانی دنیا کی چار ہزار سات سو باون (۴۷۵۲) سال ہوئے۔ ان میں دوسو اڑتالیس ملانے سے پورے پانچ ہزار ہو جائیں گے۔ یعنی ۲۴۸ھ کو دنیا کی عمر پورے پانچ ہزار ہوگئی تھی۔ اس کے بعد چھٹا ہزار چلا جو ۱۲۴۸ھ کو ختم ہوا۔ اب ہم مرزا صاحب کا کلام لکھے بعد دیگرے ناظرین کے

---

[1] یادر ہے خدا نے حساب قمری رکھا ہے (تتمہ کتاب حقیقۃ الوحی مصنفہ مرزا صاحب صفحہ ۲۵)

سامنے اصل الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اس خصوص میں اپنے متعلق دو دعوے کئے ہیں ایک یہ کہ میں چھٹے ہزار میں مبعوث [1] ہوا ہوں۔ دوم میری بعثت دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے۔ اس بیان میں آپ کی تحریر بہت لطیف ہے۔ ناظرین بغور سنیں۔ فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعث اوّل کا زمانہ ہزار پنجم تھا جو اسم محمد کا مظہر تجلی تھا۔ یعنی یہ بعث اول جلالی نشان ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ مگر بعث دوم دراصل جس کی طرف آیت کریمہ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ میں اشارہ ہے۔ وہ مظہر تجلی اسم احمد ہے۔

وہ اسم جمالی ہے۔ جیسا کہ آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اس وقت وہ نبی کریم جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اس مجازی احمد کے پیرائے میں ہو کر اپنی جمالی تجلی ظاہر فرمائے گا۔ یہی وہ بات ہے جو اس سے پہلے میں نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھی تھی۔ یعنی یہ کہ میں اسم احمد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک ہوں اور اس پر نادان مولویوں نے جیسا کہ ان کی ہمیشہ سے عادت ہے شور مچایا تھا۔ حالانکہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو تمام سلسلہ اس پیش گوئی کا زیروزبر ہو جاتا ہے۔ بلکہ قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جو نعوذ باللہ کفر تک نوبت پہنچاتی ہے۔ لہٰذا جیسا کہ مومن کے لئے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں۔ ایک بعث محمدی جو جلالی رنگ میں ہے جو ستارہ مریخ کی تاثیر کے نیچے ہے۔ جس کی نسبت بحوالہ توریت قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں صفحہ ۹۶)

---

[1] مبعوث ہونے کی معنی ہیں مامور الٰہی ہونا۔ جیسے تحفہ گولڑہ کی عبارت آگے آتی ہے۔

ناظرین کی تفہیم کے لئے تھوڑی سی تشریح کیے دیتے ہیں۔

قرآن شریف کی سورۃ الجمعہ میں یوں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (سورۃ الجمعه)

خدا نے عرب کے ان پڑھوں میں رسول بھیجا جو خدا کے احکام ان کو سناتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ تحقیق وہ اس سے پہلے گمراہ تھے۔ اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ان میں بھی یہی رسول بھیجا ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں اس آیت میں آنحضرت کی دو بعثتیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق الامیین یعنی عربوں سے ہے۔ دوسری بعثت وہ ہے جس کا تعلق عجم یعنی ہندوستان وغیرہ سے ہے۔ یہ بعثت واخرین منھم سے نکلتی ہے۔ مطلب آیت کا یہ بتاتے ہیں کہ خدا نے آنحضرت کو پہلی بعثت کے وقت عربوں میں مبعوث کیا۔ دوسری میں سب دنیا خصوصاً ہندوستان میں کیا۔ اس دوسری بعثت میں خود تشریف نہیں لائے بلکہ میری (مرزا کی) شکل میں آپ کی بعثت ہوئی ہے۔

مرزا صاحب کے الفاظ میں تشریح پڑھیے۔ فرماتے ہیں۔

اس وقت حسب منطوق آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ اور نیز حسب منطوق آیت قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی۔ اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل و جان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لایئے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجیے۔ کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ تمام کافۃ الناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں۔

اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں مگر میں ملک ہند میں آؤں گا۔ کیونکہ جوش مذاہب و اجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل ونحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے۔ اور نیز آدم علیہ السلام اسی جگہ نازل ہوا تھا۔ پس ختم دور زمانہ کے وقت بھی وہ جو آدم کے رنگ میں آتا ہے اسی ملک میں اس کو آنا چاہیئے تا آخر اور اول کا ایک ہی جگہ اجتماع ہو کر دائرہ پورا ہو جائے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ دوبارہ تشریف لانا بجز صورت بروز غیر ممکن تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور خو اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا۔ اور مجازی طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور تھا لیکن یہ امر کہ یہ دوسرا بعث کس زمانہ میں آنا چاہیئے تھا۔ اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کے کاموں میں تناسب واقع ہے اور وضع شیئ فی محلہ اس کی عادت ہے جیسا کہ اس حکیم کے مفہوم کا مقتضا ہونا چاہیئے اور نیز وہ بوجہ واحد ہونے کے وحدت کو پسند کرتا ہے اس لئے اس نے یہی چاہا کہ جیسا کہ تکمیل ہدایت قرآن خلقت آدم کی طرح چھٹے دن کی گئی یعنی بروز جمعہ۔ (1) ایسا ہی تکمیل اشاعت کا زمانہ بھی وہی ہو جو چھٹے دن سے مشابہ ہو۔ لہٰذا اس لئے اسی بعث دوم کے لئے ہزار ششم کو پسند فرمایا اور وسائل اشاعت بھی اسی ہزار ششم میں وسیع کئے گئے اور ہر ایک اشاعت کی راہ کھولی گئی۔ ہر ایک ملک کی طرف سفر آسان کئے گئے۔ جابجا مطبع جاری ہو گئے۔ ڈاکخانہ جات کا احسن انتظام ہو گیا۔ اکثر لوگ ایک دوسرے کی زبان سے بھی واقف ہو گئے۔ اور یہ امور ہزار پنجم میں ہرگز نہ تھے۔ بلکہ اس ساٹھ سال سے پہلے جو اس عاجز کی گزشتہ عمر کے دن ہیں ان تمام اشاعت کے وسیلوں سے ملک خالی پڑا ہوا تھا۔ اور جو کچھ ان میں سے موجود تھا وہ ناتمام اور کم قدر اور شاذو نادر کے حکم میں تھا۔ (تحفہ گولڑویہ کلاں صفحہ ۱۰۱)

---

(1) جمعہ کو دنیا کا چھٹا روز کہنا عیسائی معمول ہے جو اتوار سے ہفتہ شروع کرتے ہیں۔ شرع اسلام میں جمعہ ساتواں دن ہے کیونکہ شرعی ہفتہ سنیچر سے شروع ہوتا ہے چنانچہ عربی میں سنیچر کو یوم السبت کہتے ہیں۔ مرزا صاحب عیسائیوں کے لئے عیسیٰ بن کر آئے مگر اصطلاحات میں ان کے موافق ہو گئے۔

ناظرین کرام! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں جو چھٹے ہزار میں مبعوث ہوا ہوں یہ میری بعثت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے۔ اسی لئے اس بعثت مرزائیہ سے انکار کرنے والے کو مرزا صاحب قرآن شریف کا منکر قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

اور جس نے اس بات کا انکار کیا کہ نبی علیہ السلام کی بعثت چھٹے ہزار سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ پانچویں ہزار سے تعلق رکھتی تھی، پس اس نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا۔

(خطبہ الہامیہ تقطیع کلاں صفحہ ۱۸۱)

چونکہ مرزا صاحب خود بعثت محمدیہ علی صاحبھا الصلوتہ والتحیہ مبعوث ہوئے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ مرزا صاحب کے اتباع بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درجہ پر فائز ہوں۔ چنانچہ آپ نے اس کی تصریح فرمادی ہوئی ہے کہ جو میری جماعت میں داخل ہوا وہ درحقیقت خیر المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ میں داخل ہوا اور یہی معنی اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے لفظ کے ہیں۔ (خطبہ الہامہ تقطیع کلاں صفحہ ۱۷۱)

لطیفہ: صحابہ کے بعد فضیلت میں دوسرا درجہ تابعین کا ہے۔ جنہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا پس جن لوگوں نے مرزا صاحب کو نہیں دیکھا وہ ان کے اتباع کو دیکھ کر تابعین بن سکتے ہیں۔ (مگر ایمان شرط ہے)۔

شیر قالیں دگراست شیر نیستاں دگر است

ناظرین! مرزا صاحب نے چھٹے ہزار میں مبعوث ہونا پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر آپ کے یہ الفاظ ہیں۔

پھر (خدا نے) ارادہ فرمایا کہ پوشیدگیوں کو پورے طور پر ایک ہی شخص میں ظاہر کرے جوان خصلتوں کا مظہر ہو۔ پس آدم کی روحانیت نے جامع کامل تجلی کے ساتھ جمعہ کے دن آخری ساعت میں تجلی فرمائی یعنی اس دن جو چھ کا چھٹا ہے۔ اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا۔ اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا انتہی نہ تھا۔ بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا۔ پھر اس روحانیت

نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین خدا کے اذن سے پیدا ہوا۔ اور خیر الرسل کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لئے اور اپنے نور کے غلبہ کے لئے ایک مظہر اختیار کیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا تھا۔ پس میں وہی مظہر ہوں۔ پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو۔ اور اگر چاہتا ہے تو اس خدا تعالیٰ کے قول کو پڑھ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ آخر آیت تک پس یہ اظہار کا وقت اور روحانیت کے ظہور کے کمال کا وقت ہے اے مسلمانوں کی جماعت اور اسی لئے آثار میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھٹے ہزار میں مبعوث ہوئے۔ حالانکہ آنجناب کی بعثت قطعاً اور یقیناً پانچویں ہزار میں تھی۔ پس شک نہیں کہ یہ اشارہ ہے تجلی تام کے وقت کی طرف اور استیفار مرام کی طرف اور روحانیت کے ظہور کے کمال کی طرف اور جہان میں محمدی فیوض کے موج مارنے کے دنوں کی طرف اور یہ چھٹے ہزار کا آخر ہے جو زمانہ کہ مسیح موعود کے اترنے کے لئے مقرر ہے۔ جیسا کہ انبیاء کی کتابوں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ زمانہ یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت کے قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ اور پاک تحریروں کی دوسری آیتوں سے مفہوم ہوتا ہے۔ پس اگر تو عقلمند ہے تو فکر کر اور جان کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے اور یہ قرآن سے ثابت ہے اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ اور بجز اندھوں کے کوئی اس معنی سے سر نہیں پھیرتا۔ کیا اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کی آیت میں فکر نہیں کرتے اور کس طرح منھم کے لفظ کا مفہوم متحقق ہو۔ اگر رسول کریم "اٰخَرِیْنَ" میں موجود نہ ہوں۔ جیسا کہ پہلوں میں موجود تھے۔ پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی تسلیم سے چارہ نہیں۔ اور منکروں کے لئے بھاگنے کا راستہ بند ہے۔ (خطبہ الہامیہ تقطیع کلاں صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۱)

اسی کی مزید تشریح بھی سنئے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ تکمیل ہدایت کا دن چھٹا دن تھا یعنی جمعہ اس لئے رعایت تناسب کے لحاظ سے تکمیل اشاعت ہدایت کا دن بھی چھٹا دن ہی مقرر کیا گیا۔ یعنی آخر الف ششم جو خدا کے نزدیک دنیا کا چھٹا دن ہے جیسا کہ اس وعدے کی طرف آیت لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ اشارہ فرما رہی ہے۔ اور اس چھٹے دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواور رنگ پر ایک شخص جو

مظہر تجلیات احمدیہ اور محمدیہ تھا، مبعوث فرمایا گیا تا کہ تکمیل اشاعت ہدایت فرقانی اس مظہر تام کے ذریعہ سے ہو جائے۔ غرض خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے اس بات کا التزام فرمایا کہ جیسا کہ تکمیل اشاعت ہدایت قرآنی کے لئے الف ششم مقرر کیا گیا جو بموجب نص قرآنی چھٹے دن کے حکم میں ہے اور جیسا کہ تکمیل ہدایت قرآنی کا چھٹا دن جمعہ تھا ایسا ہی ہزار ششم میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے جمعہ کا مفہوم مخفی ہے۔ یعنی جیسا کہ جمعہ کا دوسرا حصہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی مسجد میں جمع کرتا ہے اور متفرق آئمہ کو معطل کر کے ایک ہی امام کا تابع کر دیتا ہے اور تفرقہ کو درمیان سے اٹھا کر اجتماعی صورت مسلمانوں میں پیدا کر دیتا ہے۔ یہی خاصیت الف ششم کے آخری حصہ میں ہے۔ یعنی وہ بھی اجتماع کو چاہتا ہے اسی لئے لکھا ہے کہ اس وقت اسم ہادی کا پرتو ایسے زور میں ہو گا کہ بہت دور افتادہ دلوں کو بھی خدا کی طرف کھینچ لائے گا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا۔ پس یہ جمع کا لفظ اسی روحانی جمعہ کی طرف اشارہ ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو بعث مقدر تھے۔ ایک بعث تکمیل ہدایت کے لئے۔ دوسرا بعث تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے۔ اور یہ ہر دو قسم کی تکمیل روز ششم سے وابستہ تھی۔ تا کہ خاتم الانبیاء کی مشابہت خاتم المخلوقات سے اتم اور اکمل طور پر ہو جائے۔ اور تا دائرہ خلقت اپنے استدارت کاملہ کو پہنچ جائے۔ سو ایک تو وہ روز ششم تھا جس میں آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوئی اور دوسرے وہ روز ششم ہے جس کی نسبت آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں وعدہ تھا۔ یعنی آخری حصہ ہزار ششم اور اسلام میں جو روز ششم کو عید کا دن مقرر کیا گیا ہے یعنی جمعہ کو یہ بھی درحقیقت اسی کی طرف اشارہ ہے کہ روز ششم تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت کا دن ہے اور اس وقت کے تمام مخالف مولویوں کو ضرور یہ بات ماننی پڑے گی کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور آپ کی شریعت تمام دنیا کے لئے عام تھی اور آپ کی نسبت فرمایا گیا تھا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور نیز آپ کو یہ خطاب عطا ہوا تھا۔ قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا سو اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حیات میں وہ تمام متفرق ہدایتیں جو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک تھیں قرآن شریف میں جمع کر دی گئیں۔ لیکن مضمون آیت قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عملی طور پر پورا نہیں ہوسکا کیونکہ کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادی دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی ہی میں تبلیغ قرآن ہوجاتی۔ اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتہ بھی نہیں لگا تھا۔ اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے گویا معدوم تھے۔ بلکہ اگر وہ ساٹھ برس الگ کر دیے جائیں جو اس عاجز کی عمر کے ہیں تو ۱۲۵۷ ہجری تک بھی اشاعت کے وسائل کاملہ گویا کالعدم تھے اور اس زمانہ تک امریکہ کل اور یورپ کا اکثر حصہ قرآنی تبلیغ اور اس کے دلائل سے بے نصیب رہا ہوا تھا بلکہ دور دور ملکوں کے گوشوں میں تو ایسی بے خبری تھی کہ گویا وہ لوگ اسلام کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ غرض آیت موصوفہ بالا میں جو فرمایا گیا تھا کہ اے زمین کے باشندو، میں تم سب کی طرف رسول ہوں، عملی طور پر اس آیت کے مطابق تمام دنیا کو ان دنوں سے پہلے ہرگز تبلیغ نہیں ہوسکی اور نہ اتمام حجت ہوا۔ کیونکہ وسائل اشاعت موجود نہیں تھے۔ اور نیز زبانوں کی اجنبیت سخت رکاوٹ تھی اور نیز یہ کہ دلائل حقانیت اسلام کی واقفیت اس پر موقوف تھی کہ اسلامی ہدایتیں غیر زبانوں میں ترجمہ ہوں اور یا وہ لوگ خود اسلام کی زبان سے واقفیت پیدا کرلیں۔ اور یہ دونوں امر اس وقت غیر ممکن تھے۔ لیکن قرآن شریف کا یہ فرمانا وَمَنۡ بَلَغَ یہ امید دلاتا تھا کہ ابھی اور بہت سے لوگ ہیں کہ ابھی تبلیغ قرآنی ان تک نہیں پہنچی۔ ایسا ہی آیت وَاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہدایت کا ذخیرہ کامل ہوگیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو مِنۡهُمۡ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا اور اس کے دوست مخلص صحابہ کے رنگ میں ہوں گے۔ (تحفہ گولڑیہ صفحہ ۹۹ اور ۱۰۰)

ناظرین! ہم آپ کا وقت زیادہ نہیں لینا چاہتے ورنہ مرزا صاحب نے کئی ایک کتابوں میں اس مضمون کو بارہا لکھا ہے کہ میں چھٹے ہزار میں مسیح موعود بن کر مبعوث ہوا ہوں۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب باوجود مکرر سہ کرر چھ ہزار رٹنے کے چھٹا ہزار ایسا بھول

گئے کہ ہمیں یہ کہنے کا موقع ملا "کیا وعدہ تمھیں کر کے مکرنا نہیں آتا"

ناظرین ہمارے پیش کردہ حوالہ جات بغور پڑھیں۔ مسیحیت کے دعوے کے متعلق سب سے پہلی کتاب مرزا صاحب نے ازالہ اوہام لکھی ہے اس میں فرماتے ہیں۔

لطیفہ:

چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو الآیات بعد المائتین ہے ایک یہ بھی منشاء ہے کہ تیرہویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا اور کیا اس حدیث کے مفہوم میں بھی یہ عاجز داخل ہے تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کی اعداد حروف کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرہویں صدی کے پورا ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی اور وہ یہ نام ہے غلام احمد قادیانی اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا نام غلام احمد نہیں بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۵)

اسی کی تائید میں ایک حوالہ اور پیش ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو رب خدائے تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر چالیس برس پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا۔ تب خدائے تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعے سے میرے پر ظاہر کیا کہ تو اس صدی کا مجدد اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے اور یہ صرف اس طرف اشارہ تھا کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ پھر اسی زمانہ میں خدا نے میرا نام عیسیٰ بھی رکھا۔ (تریاق القلوب صفحہ ۶۸)

ناظرین! ورق الٹ کر صفحہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں جہاں ہم نے ثابت کیا کہ حسب تصریح مرزا صاحب انسانی دنیا کا چھٹا ہزار ۱۲۴۸ ہجری میں ختم ہو چکا۔ مگر مرزا صاحب چودھویں صدی کے شروع میں ماموز اور مبعوث ہوئے تو چھٹے ہزار میں کہاں ہوئے بلکہ ساتویں ہزار میں سے باون سال گزار کر مبعوث ہوئے۔

احمدی دوستو! اپنا اعتقادی حصہ الگ کر کے اپنے رئیس المتکلمین کے علم کلام کو بحیثیت متکلم جانچو گے تو ہمارا قول صحیح پاؤ گے۔

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی جا کر کے جو دیکھا تو عمامہ کے سوا ہیچ

حضرات! اور سنئے مرزا صاحب خود لکھتے ہیں۔

میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار میں سے گیارہ برس رہتے تھے۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۵)

غور فرمائیے کہ چھٹے ہزار میں سے کل گیارہ سال رہتے تھے تو ساتواں ہزار شروع ہونے تک مرزا صاحب کی عمر کل گیارہ سال کی ہوگی۔ حالانکہ آپ فرما چکے ہیں کہ میں چالیس سال کی عمر میں مامور اور مبعوث ہوا ہوں جس کے یہ معنی ہیں کہ انتیس سال ساتویں ہزار میں سے لے کر آپ مبعوث ہوئے۔

اس پر طرفہ: یہ ہے کہ آپ تحفہ گولڑویہ مطبوعہ ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۰ھ ہجری میں فرماتے ہیں:۔

ہمارا یہ زمانہ (۱۳۲۰ھ) حضرت آدم علیہ السلام سے ہزار ششم میں واقع ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے یہ چھٹا ہزار جاتا ہے۔ (جل جلالہ)۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۱)

غور فرمائیے چھٹا ہزار ۱۲۴۸ھ ہجری میں ختم ہو گیا۔ تاہم ۱۳۲۰ھ میں یعنی ۵۲+۲۰ =۷۲ سال تک بھی وہی چھٹا ہزار جاری ہے ابھی آگے بھی۔

اس طرفہ پر طرہ: یہ ہے کہ ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ کو مرزا صاحب ایک عبارت تحریر فرماتے ہیں:۔

اب چھٹا ہزار آدم کی پیدائیش سے آخر پر ہے جس میں خدا کے سلسلہ کو فتح ہوگی۔ اور روشنی اور تاریکی میں یہ آخری جنگ ہے۔ (مقدمہ چشمہ مسیحی صفحہ ب مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۶ء مطابق محرم ۱۳۲۴ھ)

مطلب یہ ہے ۱۳۲۴ھ تک دنیا کی عمر کا چھٹا ہزار ختم نہیں ہوا۔

اور سنئے! فرماتے ہیں:

ضرور ہے کہ مہدی اور مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو کیونکہ یہی صدی ہزار ششم کے آخری حصہ میں پڑتی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ کلاں صفحہ ۹۵ حاشیہ)

ناظرین! مندرجہ ذیل اقتباسات پر غور فرمائیں:

(۱) مرزا صاحب چھٹے ہزار سے گیارہ سال رہتے پیدا ہوئے (گزشتہ صفحات کتاب ھذا)

(۲) مرزا صاحب چودھویں صدی کے سر پر چالیس سال کے تھے۔ (گزشتہ صفحات کتاب ھذا)

(۳) مرزا صاحب ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ میں فوت ہوئے (گزشتہ صفحات کتاب ہذا)

(۴) چودھویں صدی ہزار ششم میں واقع ہے (صفحہ ھذا)۔

نتیجہ: چونکہ چودھویں صدی ہزار ششم میں ہے۔ مرزا صاحب اسی صدی میں فوت ہوئے۔ اور گیارہ سال رہتے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر گیارہ سال بھی پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ بوقت انتقال مرزا ہزار ششم ابھی باقی تھا۔

حضرات! کتنا کمال ہے کہ اتنی تھوڑی سی عمر میں آپ نے علوم پڑھے، سیالکوٹ میں محرری کی، مختار عدالت کا امتحان دیا۔ مجدد بنے۔ مہدی بنے، مسیح بنے کرشن بنے۔ غرض سب کچھ بنے لیکن ہزار ششم کے گیارہ سال ختم نہ ہوئے۔ کیا یہ کرامت نہیں۔

ایں کرامت ولی ماچہ عجب گربہ شاشید گفت باراں شد

ناظرین کرام! ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ آپ لوگ مرزا صاحب کے کلام بانظام سے اکتائے نہ ہوں گے بلکہ ہماری طرح مسرور و محظوظ ہوتے ہوں گے۔ ہاں طوالت سے ملال ہونے پر استاد غالب کا یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب باوجود بار بار رٹنے کے چھٹا ہزار بھول گئے۔ ایسے بھولے کہ مطلق یاد نہ رہا۔ فرماتے ہیں:۔

تمام نبیوں کی متفق علیہ تعلیم ہے کہ مسیح موعود ہزار ہفتم کے سر پر آئے گا۔ (جل جلالہ وعم نوالہ) (لیکچر سیالکوٹ مطبوعہ ۱۹۰۴ء صفحہ نمبر ۸)

اس تشتت بال اور تہافت مقال پر بھی قادیان کے سلطان القلم فرماتے ہیں:۔

القصہ میری سچائی پر یہ ایک دلیل ہے کہ میں نبیوں کے مقرر کردہ ہزار (ششم یا ھفتم یا کوئی اور؟) میں ظاہر ہوا ہوں۔ اور اگر اور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو یہی ایک دلیل روشن تھی جو طالب حق کے لئے کافی تھی کیونکہ اگر اس کو رد نہ کیا جائے تو خدا تعالیٰ کی تمام کتابیں باطل ہو جاتی

ہیں۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۸)

اب ہم مرزا صاحب کی ایک فیصلہ کن عبارت پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ناظرین کو شالامار باغ کے دوسرے تختے (قطعہ) کی سیر کرائیں گے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لے کر اخیر تک تمام دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے۔ اور ہدایت اور گمراہی کے لئے ہزار ہزار سال کے دور مقرر کیے ہیں یعنی ایک وہ دور ہے جس میں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ دور ہے جس میں گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں یہ دونوں دور ہزار ہزار برس پر تقسیم کیے گئے ہیں۔ اور اول دور ہدایت کے غلبہ کا تھا۔ اس میں بت پرستی کا نام ونشان نہ تھا۔ جب یہ ہزار سال ختم ہوا تب دوسرے دور میں جو ہزار سال کا تھا طرح طرح کی بت پرستیاں دنیا میں شروع ہوگئیں اور شرک کا بازار گرم ہوگیا۔ اور ہر ایک ملک میں بت پرستی نے جگہ لے لی۔ پھر تیسرا دور جو ہزار سال کا تھا۔ اس میں توحید کی بنیاد ڈالی گئی اور جس قدر خدا نے چاہا دنیا میں توحید پھیل گئی۔ پھر ہزار چہارم کے دور میں ضلالت نمودار ہوئی۔ اسی ہزار چہارم میں سخت درجہ پر بنی اسرئیل بگڑ گئے۔ اور عیسائی مذہب تخم ریزی کے ساتھ ہی خشک ہوگیا۔ اور اس کا پیدا ہونا اور مرنا گویا ایک ہی وقت میں ہوا۔ پھر ہزار پنجم کا دور آیا جو ہدایت کا دور تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپ کے من جانب اللہ ہونے پر یہی ایک زبردست دلیل ہے کہ آپ کا ظہور اس ہزار کے اندر ہوا جو روز ازل سے ہدایت کے لئے مقرر تھا۔ اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا اور اسی دلیل سے میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں کے سر تک ختم ہوجاتا ہے۔ اس ہزار ششم کے لوگوں کا نام آنحضرت نے فیج اعوج رکھا ہے۔ اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لیئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو۔ اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس

کے لئے بطور ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ نمبر ۶ اور ۷)

ناظرین! اس عبارت میں مرزا صاحب نے تین ۳ دعوے کئے ہیں (۱) عیسائی مذہب چوتھے ہزار میں پیدا ہوا اور اسی ہزار میں فنا ہو گیا۔ (۲) دوسرا دعوی یہ ہے کہ ہزار ششم گمراہی کا ہے۔ (۳) تیسرا دعوی یہ ہے کہ ساتواں ہزار زمانہ مسیح موعود کا ہے۔ دعوے اول کی بابت تو ہم تفصیل سے کہنا چاہتے ہیں۔ پس ناظرین غور سے سنیں:۔

مرزا صاحب کا کتنا دعوی اور کتنی جرات ہے۔ لکھتے ہیں کہ عیسائی مذہب چوتھے ہزار میں تخم ریزی کے ساتھ ہی خشک ہو گیا۔ مرزا صاحب کے جواب میں ہمیں کبھی منطقی فلسفی دلیل یا قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ مرزا صاحب کا اپنا قول ہی ان کی تردید یا بالفاظ دیگر تکذیب کے لئے کافی ہوتا ہے۔

ناظرین غور فرمائیں! دنیا کی عمر کے ۴۷۳۹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (صفحہ ا کتاب ہذا) آپ کی پیدائش اپریل ۵۷۱ کو ہوئی [1] قمری حساب سے تخمیناً سولہ سال اور بڑھا لیجیے تو ولادت نبویہ سے پانسو ستاسی ۵۸۷ سال پہلے حضرت مسیح کا زمانہ بالفاظ دیگر دین عیسوی کا زمانہ سے شروع ہوتا ہے اور پانسو ستاسی ۵۸۷ سال دنیا کی عمر ۴۷۳۹ سے تفریق کریں تو پیدائش مسیح تک باقی ۴۱۵۲ سال دنیا کی عمر رہتی ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دین عیسوی کی ابتدا ہی پانچویں ہزار میں ہوئی۔

اور طرح سے! ہم چونکہ مرزا صاحب کے قائل اور مخاطب ہیں اس لئے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم شبلی وغیرہ کے مرہون منت ہوں جبکہ مرزا صاحب خود ہی فرماتے ہیں افضل البشر (محمد رسول اللہ) مسیح سے چھ سو برس پیچھے آیا (دافع الوساوس صفحہ ۴۲)۔ مرزا صاحب کی خاطر سے ہم حضرت مسیح کی ایک سو بیس عمر بھی ملا لیں تو سارا زمانہ سات سو بیس سال ہوتا ہے۔ ۴۷۳۹ میں سے سات سو بیس تفریق کرنے سے ۱۹ سال بچے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام

[1] سیرۃ النبی مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم جلد اول۔

کی پیدائش دنیا کی عمر کے حساب سے بحساب مرزا صاحب ۴۰۱۹ء میں ہوئی یعنی پانچویں ہزار میں۔ مگر مرزا صاحب دین عیسوی کو چوتھے ہزار میں پیدا کر کے فنا بھی کر چکے ہیں۔

عیسائی ممبرو! کہاں ہو؟ کیا کہتے ہو؟ اب بھی قادیانی معجزہ پر ایمان لاؤ گے یا نہیں؟ کہ تمہیں پیدا ہونے سے پہلے ہی مرزا صاحب نے مار دیا یہی معنی ہیں۔

چلی ہے تیغ بل کرتی ہوئی زخم آئے ہیں ترچھے
نہ بول اٹھے کوئی یا رب کہ بانکا اس کا قاتل ہے

دوسرا دعوی آپ کا اس عبارت منقولہ از چشمہ مسیحی کے خلاف ہے کیونکہ مرزا صاحب نے ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا ہے اور عبارت مرقومہ ۱۹۰۶ء کی ہے جس میں ہزار ششم کو جاری مانا ہے تو کہنا پڑیگا کہ مرزا صاحب کا سارا زمانہ ضلالت کا تھا۔ گمراہی میں پیدا ہوئے گمراہی میں چلے گئے۔

تیسرا دعوی تو ساری پہلی عبارتوں کے خلاف ہے جن میں ہزار ششم میں بعثت بتائی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مرزا صاحب نے مسیحیت موعودہ پر بڑی زبردست دلیل پیش کی ہے کہ ہم دنیا کی عمر سے ہزار ششم میں مبعوث ہوئے۔ حالانکہ ہزار ششم انہی کے حساب سے ۱۲۴۸ء ہجری کو ختم ہو چکا اور آپ اس سے بہت بعد مدعی مسیحیت موعودہ ہوئے یہاں تک آپ اپنے پہلے بیان کو بھول کر ساتویں ہزار میں تشریف لے آئے۔ پھر اس پر بھی قائم نہ رہے یہاں تک کہ ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ کو ہزار ششم کولا موجود کیا۔

ناظرین! یہ ہیں وہ زبردست دلائل جن کے حق میں مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

یہ وہ ثبوت ہیں جو میرے مسیح موعود اور مہدی مسعود ہونے پر کھلے کھلے دلالت کرتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ایک شخص بشرطیکہ متقی ہو جس وقت ان تمام دلائل میں غور کرے گا تو اس پر روز روشن کی طرح کھل جائے گا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۲)

ہاں ہاں یہی ثبوت ہیں جن کی بنا پر مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لئے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعوے کو اس طرح مان لے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانا۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۸)

ہم نے مرزا صاحب کی زبردست دلیل کے بیانات کو بڑی محنت سے یکجا کر کے ناظرین

کے سامنے رکھ دیا۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ (بقول مرزا صاحب) بے حیا بنیں، یا بقول خدا ❶ کامل الایمان۔ ہم سے پوچھیں تو ہم مرزا صاحب کے دعوے اور ان کے دلائل پر یہ شعر بہت موزوں پاتے ہیں۔ آہ

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

احمدی دوستو! فلاسفہ اور متکلمین میں جن امور میں اختلاف ہے ان میں سے ایک امر حدوث کائنات ہے۔ متکلمین کل ما سوی اللہ کو اور اس کے سلسلہ کو حادث بالزمان مانتے ہیں، فلاسفہ یونان چند امور کو قدیم بالزمان کہتے ہیں۔ لیکن کیا مجال کہ کوئی متکلم بحث کرتے ہوئے اپنے اصول کو بھول جائے ہرگز نہیں۔ بلکہ خواب میں بھی وہ اپنے اصول کو نہیں بھولے گا۔ مگر آپ کا متکلم ہاں رئیس المتکلمین، ہاں ہاں سلطان القلم کی یہ کیا حالت ہے کہ اپنی دلیل اور اپنے بیان کو یوں بھول جاتا ہے جس طرح ایک شاعر نے اپنے معشوق کی شکایت کی ہے۔

مجھے قتل کر کے وہ بھولا سا قاتل لگا کہنے کس کا یہ تازہ لہو ہے
کسی نے کہا کہ جس کا وہ سر پڑا ہے کہا بھول جانے کی کیا میری خو ہے

خدائی فیصلہ! آؤ ہم تمہیں ایسے اختلافات میں خدائی فیصلہ سنائیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (پ ۵ ع ۸)

یعنی اگر قرآن کسی غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ خدا کے کلام اور خدا کے انبیاء علیہم السلام کے الہامی کلام میں اختلاف نہیں ہوتا۔ پس جس کلام میں اختلاف ہو وہ الہامی یا خدا کی طرف سے نہیں۔ اور جو کلام خدا کی طرف سے نہیں، مگر متکلم اس کو خدا کی طرف سے کہتا ہے۔ تو ایسا کہنے والا بڑا ظالم اور مفتری ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

---

❶ من یکفر بالطاغوت۔ الآیۃ

احمدی ممبرو:

قریب ہے یار روز محشر میں چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

☆☆☆

ضمیمہ عجائبات مرزا

الولد سر لابیہ

میاں محمود احمد صاحب خلف مرزا غلام احمد صاحب

خلیفہ قادیان کا علم کلام

مرزا صاحب متوفی کے صاحبزادے میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان علم وعرفان میں (بقول حاشیہ نشینان) اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ بڑے میاں سے بھی بڑھ گئے۔ آپ کی علمی ترقی کا ذکر حاشیہ نشینان دربار خلافت یوں اظہار کرتے ہیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ (میاں محمود) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے پاکباز اور خدائے تعالی کے مقرب ثابت ہوئے ہیں [1] کیونکہ اللہ تعالی نے محض اپنے فضل سے حضور کو قرآن مجید کا ایسا علم عطا کیا ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا [2] (اخبار الفضل قادیان ۷/ ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء)

اس عملی کمال کے اظہار کے بعد آپ کے روحانی کمالات کا ذکر اس سے بھی عجیب تر ہے۔

آپ ایک دفعہ شملہ سے واپس آرہے تھے، چھاؤنی انبالہ پر ہردوار پسنجر پر سوار ہونا تھا۔ ہردوار پسنجر دریائے گنگا کے پل پر سے گزر کر آتا ہے چند منٹ لیٹ ہوکر آیا جو معمولی بات ہے حاشیہ نشینوں نے گاڑی کے لیٹ پہنچنے کو ایسی خوبی سے بیان کیا جو پڑھنے اور سننے کے لئے اچھا خاصہ چند منٹوں

---

[1] بشہادت اخبار مباہلہ واخبار پیغام صلح؟

[2] الا وہی جس نے آپ کے باپ کا کیا۔ ملاحظہ ہو مرقع قادیانی کا خاص نمبر "تفسیر نویسی کا چیلنج" از دفتر اہلحدیث امرتسر

تک ہنسی کا موقعہ بن جائے۔ لکھا ہے

چونکہ آج ہر دوار پسنجر پر مملکت روحانیہ کا سلطان (میاں محمود احمد خلیفہ قادیان) سوار ہونے والا تھا۔ اس لئے گاڑی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ گنگا میں اشنان کر کے آئے اس لئے وہ چند منٹ دیر کا عذر کرتی ہوئی پہنچی۔ [1] (الفضل ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۲)

دہلی کے شاعر استاد داغ مرحوم نے بھی ریل گاڑی کا مذاق اڑایا مگر وہ شاعرانہ تخیل میں صحیح ہے کیا خوب مذاق ہے۔

منزل یار دور اتنی ہے ریل بھی جاتے چیخ اٹھتی ہے

لیکن قادیانی دربار اس سے بھی بڑھ گیا۔ اس کے درباریوں نے ریل کو گنگا میں اشنان کرنے کے لئے اتارا پھر چڑھایا بھی، لطف یا کرامت یہ کہ کوئی مسافر (پسنجر) نہ گنگا میں ڈوبا نہ اس کے کپڑے بھیگے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ایں کرامت ولی ماچہ عجب گربہ شاشید گفت باراں شد

ہم کون ہیں جو خلیفہ قادیان کی اس کرامت کا انکار کریں۔ کریں تو لاہوری پارٹی کے سرگروہ کریں جن کو ان سے رقابت ہے۔ ہم تو واقعات سامنے رکھا کرتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ صاحب قادیان کی ایک تحریر متعلقہ عمر دنیا پیش کرتے ہیں۔ خلیفہ قادیان فرماتے ہیں:۔

حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ مسیح موعود کا زمانہ جمعہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے بعض نے غلطی سے حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کی تحریروں سے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ حالانکہ یہ تو ایک دور کا اندازہ ہے جس طرح سات دنوں کا ایک دور ہے کیا آٹھویں دن قیامت آجایا کرتی ہے۔ نہیں بلکہ ہر جمعہ کے بعد ساتھ ہی ہفتہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ تو ایک دور ہے۔ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے جس قیامت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس سے وہ قیامت مراد نہیں جس کے بعد فنا آنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں حضرت مسیح (مرزا صاحب) نے سات ہزار سال کا ذکر فرمایا ہے کہ تعجب نہیں کہ اور ملکوں

[1] بذریعہ سیٹی

کے آدم کوئی اور ہوں ممکن ہے کہ افریقہ کے لوگ اس آدم کی نسل سے نہ ہوں جس کی نسل سے ہم ہیں۔ اسی طرح یورپ کے لوگ کسی اور آدم کی اولاد ہوں۔ غرض جہاں آپ نے آدم کا ذکر کیا ہے وہاں اس آدم کا ذکر مراد ہے جس کی موجودہ نسل پائی جاتی ہے۔ پس آپ کا بصورت امکان مختلف آدمیوں کا تسلیم کرنا بتاتا ہے کہ جب آپ دنیا کی عمر سات ہزار سال بتاتے ہیں اور اس کے بعد قیامت بتاتے ہیں، تو اس قیامت سے اور قیامت مراد ہے اس سے مراد اس دنیا کی نسل کا ایک دور ختم ہوگا۔ اور آپ پہلے دور کے خاتمہ پر آئے۔ میرا اپنا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) اس دور کے خاتم ہیں اور اگلے دور کے آدم بھی آپ ہی ہیں کیونکہ پہلا دور سات ہزار سال کا آپ پر ختم ہوا اور اگلا دور آپ پر شروع ہوا۔ اسی لئے آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جری اللہ فی حلل الانبیاء اس کے یہی معنی ہیں کہ آپ آئندہ نبیوں کے حلوں میں آئے ہیں جس طرح پہلے انبیاء کے ابتدائی نقطہ حضرت آدم علیہ السلام تھے اسی طرح حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) جو اس زمانہ کے آدم ہیں آئندہ آنے والے انبیاء کے ابتدائی نقطہ ہیں۔ (ضمیمہ الفضل ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء مقولہ میاں محمود خلیفہ قادیان)

احمدی ممبرو! سنتے ہو خلیفہ صاحب نے اس کلام میں دو دعوے کئے ہیں

(۱) ایک یہ کہ سات ہزار کے بعد قیامت نہیں آئے گی بلکہ سات ہزار سال ہفتہ کی طرح ایک دور ہے۔

(۲) دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ یہ سات ہزاری دور مرزا صاحب پر ختم ہو گیا اس لئے دوسرے دور کے بابا آدم بھی مرزا صاحب ہیں۔

ہمیں کیا ضرورت ہم انکار کریں۔ ہم تو مرزا صاحب کو مانتے ہیں اور انہی کو جانتے ہیں۔ ناظرین! خلیفہ صاحب کے مرقومہ کلام کے نمبر دوم سے صحیح اور صاف دو نتیجے نکلتے ہیں۔ پس آپ غور سے سنیں۔

(الف) مرزا صاحب (بقول خود) چھٹے ہزار سے گیارہ سال پہلے پیدا ہوئے (گزشتہ صفحات کتاب ہذا دیکھئے) اور بقول خلیفہ صاحب ساتواں ہزار پورا پا کر آٹھویں ہزار کے بابا آدم بھی آپ بنے بغرض آسانی ہم فرض کر لیتے ہیں کہ آٹھویں ہزار میں سے بیس سال پائے ہوں گے۔

پس گیارہ چھٹے ہزار کے اور بیس سال آٹھویں ہزار میں سے مل کے اکتیس اور ایک ہزار ہفتم کامل مجموعہ ایک ہزار اکتیس سال مرزا صاحب نے عمر پائی (جل جلالہ)۔

ناظرین کرام! اس قسم کی الہامی تقریریں سن کر کوئی باور کرسکتا ہے کہ ملا دو پیازہ کی یاد ختم ہے؟

(ب) دوسرا نتیجہ، نتیجہ اولیٰ سے بہت دلچسپ ہے۔ کیونکہ بقول خلیفہ صاحب مرزا متوفی جب جدید دور کے آدم ہیں تو اس میں کیا شک ہے کہ میاں محمود خلیفہ قادیان حضرت شیث کے درجہ پر ہوں گے جو اول اولاد تھے حضرت آدم کی ان کے بعد نسل مرزا میں سے مثل سابق انبیاء کرام (حضرت نوح، صالح، ہود، ابرہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، عیسی، محمد) علیہم الصلوٰۃ والسلام حسب ترتیب اپنے اپنے اوقات میں پیدا ہوں گے۔

سوال یہ ہے کیا گزشتہ آدم کے بیٹے حضرت شیث کے زمانہ میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا جاتا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر زمانہ میں یہی دستور رہا کہ ان کی اور ان سے پہلے انبیاء کی تصدیق ہوتی تھی۔ آئندہ پیدا ہونے والوں کی نہیں۔ حضرت موسی کے زمانہ میں لا الہ الا اللہ موسی رسول اللہ پڑھنے کا حکم تھا۔ محمد رسول اللہ ان کے کلمہ میں جزء نہ تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قادیان میں بزمانہ شیث (میاں محمود) وہ کلمہ پڑھا جائے جس کا نبی (بقول خلیفہ) آئندہ نسل مرزا سے پیدا ہوگا۔ پس مناسب بلکہ انصاف ہے کہ قادیانی افراد داعیان آجکل کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ ملانا چھوڑ دیں جیسا کہ سابق شیث کے زمانہ میں تھا۔ احمدی دوستو!

مٹا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی
رکے ہے ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

لطیفہ:

کہتے ہیں کسی مولوی صاحب نے ایک میراسی کو ایک دستار عنائیت کی۔ دستار شریف بہت پرانی بلکہ بوسیدہ تھی۔ میراسی نے لحاظ میں کچھ نہ کہا قبول کر لی۔ مگر طبعی ظرافت کہاں خاموش ہو۔ صبح سویرے سر پر رکھے ہوئے حاضر مجلس ہوتے ہوئے زور زور سے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتا ہوا آیا۔ مولوی صاحب نے اس کا عمل خلاف معمول دیکھ کر پوچھا۔ میر صاحب کیا بات ہے آج تسبیحات بہت پڑھی جاتی ہیں۔ آداب بجالا کر بولا۔

حضور کیا عرض کروں یہ دستار شریف ساری رات کلمہ شریف لا الہ الا اللہ پڑھتی رہی میں سنتا رہا۔ منتظر رہا کہ کلمہ شریف کا دوسرا جزء محمد رسول اللہ بھی ملاتی ہے۔ اس نے نہ ملایا۔ آخر میں نے کہا اری کلمہ پورا کرنے کو محمد رسول اللہ بھی ملا۔ اس نے ایسا جواب دیا کہ میں لاجواب ہو گیا۔ اس نے کہا میں تو محمد رسول اللہ سے پہلے کی ہوں اس لئے میرے کلمہ میں ان کا دخل نہیں۔

میرا اسی مذکور کا مقصد تھا کہ یہ دستار بہت پرانی اور بیکار ہے۔ ہمارے خیال میں اس دستار شریف نے جو اصل الاصول سمجھا وہ قادیانوں کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ اس دور جدید میں جو نبی ابھی پیدا نہیں ہوا اس کا کلمہ کیوں پڑھتے ہو۔ جو جو پیدا ہوتا جائے گا اس کو داخل کرتے جائیں۔ سردست کلمہ محمدیہ سے الگ ہو جائیں جس سے ان کا اصول بھی صحیح رہے اور امت مسلمہ کے گلے شکایات بھی دور ہو جائیں۔

فریب خوردہ انسانو!

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ستم کشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

ناظرین ان نتائج سے فارغ ہو کر ہم اصل مضمون پر توجہ کرتے ہیں، آپ بھی توجہ فرمایئے۔ خلیفہ صاحب کا پہلا دعوی بھی اپنے والد مرزا صاحب متوفی کے خلاف ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے دنیا کی ساری عمر سات ہزار سال لکھی ہے، اس کے بعد فنا بلکہ قیامت بتائی ہے مرزا صاحب کا قول غور سے سنیئے فرماتے ہیں:۔

سورہ والعصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے۔ جس بات کو خدا نے اپنی وحی سے ہم پر ظاہر کیا اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہم کوئی وجہ دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کے متفقہ علیہ حکم سے انکار کریں۔ پھر جب کہ اس قدر ثبوت موجود ہے اور بلاشبہ احادیث اور قرآن شریف کی رو سے یہ آخری زمانہ ہے۔ پھر آخری ہزار ہونے میں کیا شک۔ ہا۔ اور آخری ہزار کے سر پر مسیح موعود کا آنا ضروری ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۹)

مرزائی دوستو! اتنے سے تسلی نہ ہو اور خلیفہ کی حمایت میں تم کو تاویل کی سوجھے تو اسی کے ساتھ مرزا صاحب کا دوسرا قول پڑھئے جو یہ ہے

یہ جو کہا گیا کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں، اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صحیح میں لکھے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے ذریعے سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہوں گی۔ کتابیں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانے میں پوری ہو گئیں اور اونٹوں کی جگہ ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا نے آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی [illegible] شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک [illegible] علامتیں [illegible] آتے ہیں۔ ([illegible])

الانصاف خیر الاوصاف کا مقولہ قادیانی ممبروں کو [illegible] مسلم ہے [illegible] کس قیامت کا ذکر کر رہے ہیں؟ ہاں اسی قیامت کا جس کی بابت ارشاد ہے لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (اس قیامت کو خدا ہی ظاہر کرے گا) ہاں اس قیامت کا ذکر کرتے ہیں جس کی بابت ارشاد ہے قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (پ۹ ع۱۳) (اس کا علم اللہ کے پاس ہے) پس مرزا صاحب کے نزدیک سات ہزار سال کے بعد یقیناً قیامت ہے جس کو فنا کہتے ہیں۔ اسی واسطے ہم کہا کرتے ہیں کہ احمدیہ جماعت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو احادیث مرزا میں ہمارا مقابلہ کر سکے۔ جس کا ثبوت ہم بارہا دے چکے ہیں اس لئے مرزا صاحب متوفی کو ہم مخاطب کر کے کہا کرتے ہیں۔

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤ گے نہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

ایک اور پہلو سے:

اب ہم ایک اور طرح سے بتاتے ہیں کہ خلیفہ قادیان باوجود جوان ہونے کے ایسے ضعیف الحافظہ ہیں نہ باپ کی یاد رکھیں نہ اپنی۔ یہ ہمارا بہت وزن دار دعوی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ خلیفہ قادیان باپ کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی نسیان میں ان سے بڑھ گئے ہیں۔ بڑے میاں نے دنیا کی عمر سات ہزار برس لکھی۔ چھوٹے میاں نے سات ہزار تسلیم کی مگر چند روز بعد کی ایک عبارت بھی ملاحظہ ہو جس میں سات کی بجائے چھ ہزار رہ جاتے ہیں:۔

ایک صاحب نے (خلیفہ قادیان کی خدمت میں) عرض کیا یہ جو کہا جاتا ہے کہ دنیا کی عمر صرف چھ ہزار برس ہے، کیا یہ درست ہے؟

(خلیفہ نے) فرمایا یہ عمر تو صرف موجودہ دور کی بیان کی جاتی ہے۔ ساری دنیا کی عمر تو نہیں۔ اس وقت تک ہزاروں آدم گزر چکے۔ (قول محمود دار الفضل ۱۶۔ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

ناظرین! سائل نے دنیا کی عمر چھ ہزار سال پیش کر کے سوال کیا خلیفہ صاحب نے چھ ہزار تسلیم کر کے موجودہ دور کی مدت بتائی جس کو پہلے حوالے میں سات ہزار کہہ چکے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے۔

کیونکر مجھے باور ہو کہ ایفا ہی کریں گے   کیا وعدہ انہیں کر کے مکرنا نہیں آتا؟

ناظرین! ہم سے جہاں تک ہو سکا ہم نے اس باب میں معلومات فراہم کرنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ اب اس کو قبول کرنا اور شائقین تک پہنچانے میں سعی کرنا آپ کا فرض ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی۔

''نیک کام میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔'' واللہ الموفق

☆☆☆

فیصلہ مرزا

مُصنّفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300-4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فیصلہ مرزا

پہلے مجھے دیکھئے

دیباچہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ (تریاق القلوب مصنفہ مرزا صاحب صفحہ ۶۸) اور ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے۔ جوانی میں آپ کچہری سیالکوٹ میں پندرہ روپے کے محرر مقرر ہوئے تھے۔ (سیرۃ المہدی مصنفہ پسر مرزا صاحب) بعد ازاں آپ نے تصنیف پر توجہ کی تو اس حالت میں آپ الہام کے مدعی ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۳۰۸ھ میں آپ نے اعلان کیا کہ احادیث شریفہ میں جس مسیح موعود اور مہدی کے آنے کی خبر آئی ہے وہ میں ہوں۔

چونکہ مسیح کے حق میں نبی اور رسول کا لقب بھی آیا ہے تو آپ نے اپنے حق میں نبی کا لقب بھی اختیار کیا۔

آپ نے اپنی مسیحیت موعودہ ثابت کرنے کے لیے دو طریق اختیار کیے ایک نقلی اور دوسرا الہامی۔ نقلی سے مراد یہ ہے کہ آیات اور احادیث سے اس طرح استدلال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ فوت ہو چکے ہیں وہ دوبارہ دنیا میں نہ آئیں گے۔ اس لیے جس مسیح موعود کے آنے کی خبر ہے وہ مثیل مسیح ہے جو میں ہوں۔ اور جو مسیح موعود کے ظہور کا مقام دمشق آیا ہے اس سے مراد قادیاں ہے۔ (ازالہ مصنفہ مرزا صاحب صفحہ ۶۶۔ اور ۶۷)

الہامی طریق سے یہ مراد ہے کہ آپ نے اپنے دعوے کے اثبات میں کئی ایک الہام شائع کیے۔ جن میں آئندہ زمانے کے متعلق خبریں تھیں۔ جن کی بابت کہا کہ یہ خبریں مجھے خدا نے بتائی ہیں جن کا ظہور میری سچائی کا ثبوت ہے۔ (آئینہ کمالات تصنیف مرزا صاحب صفحہ ۲۸۸)۔ (جو

سوس پوری نہ ہوئیں۔) اسی ضمن میں کئی ایک مسائل میں علماء اسلام سے انہوں نے اختلاف کیا۔ علماء اسلام نے ان کے جواب میں بکثرت کتابیں لکھیں۔ خاکسار نے بھی کئی ایک کتابیں ان کے جواب میں شائع کیں جن میں ان کے دونوں طریقوں پر کافی بحث کی گئی۔ کتابوں کے علاوہ اپنے اخبار ''اہلحدیث'' میں سالہا سال تک ان کا تعاقب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اعلان شائع کیا گیا جس کا نام ہے۔

☆☆☆
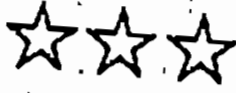
مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

اس اشتہار میں انہوں نے خدا سے بڑی عاجزی اور الحاح سے دعا کی کہ ہم دونوں (مرزا اور ثناء اللہ) میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے اس کے بعد وہ جلدی ایک سال ایک ماہ کے بعد اپنی دعا سے فوت ہو کر سارا فیصلہ کر گئے۔ اس آسمانی فیصلہ پر بھی ان کے اتباع سے مذاکرہ ہوتا رہا۔ آخر انہوں نے اعلان کیا کہ مولوی ثناء اللہ کا دعویٰ اعلان مذکور سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ بفیصلہ ثالث جیت جائیں تو ہم ان کو مبلغ تین سو روپیہ انعام دیں گے۔

چنانچہ مباحثہ بمقام لودہانہ ہوا جس کا انجام یہ ہوا کہ مبلغ تین سو روپیہ خاکسار نے ان سے وصول کر لیا۔ لہ الحمد

ہندوستانی تو مرزا صاحب کے حالات اور مقاصد سے خوب واقف ہیں مگر عرب اور دیگر بلاد اسلامیہ کے لوگ بوجہ نہ جاننے اردو زبان کے ان کے حالات اور جوابات سے واقف نہیں مرزا صاحب نے گر یہ سمجھا تھا کہ بیرون ہند اردو جاننے والے نہیں ہیں انہوں نے اپنے متعلق عربی میں کتابیں شائع کیں جو عربی ممالک میں پہنچیں تو ان ممالک کے علماء نے حالات دریافت کیے۔ موصوف کے مفصل حالات و مباحثات تو بہت طول چاہتے ہیں اس لیے بتکلم عربی مثل شائقین کے لیے ان سب میں سے آخری فیصلہ کے متعلق یہ رسالہ اردو عربی میں شائع کیا گیا۔

جو صاحب مفصل جوابات دیکھنا چاہیں وہ ہم سے مفصل کتب اردو متعلقہ حیات مسیح اور الہامات مرزا و حالات مرزا طلب فرمائیں۔ جن کی قیمت کچھ زیادہ نہیں۔ اللہ سے ڈرنے والے منصف مزاج محققین سے امید ہے کہ اس مختصر رسالہ کو بنظر غور و انصاف ملاحظہ فرمائیں گے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

خادم دین اللہ

ابو الوفاء ثناء اللہ

کفاہ اللہ امرتسر پنجاب۔ جنوری ۱۹۳۱ء

دعاوی مرزا

۱۔ میں مسیح موعود ہوں۔ (کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۱۵)

۲۔ اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسی کجاست تا بنہد پا بمبرم۔ (کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۱۵)

۳۔ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (دافع البلاء صفحہ ۲۰)

خدا نے مرزا جی کو فرمایا:

۴۔ آسمان سے کئی تخت اترے سب سے اونچا تیرا تخت بچھایا گیا۔ (اشتہاری انعام پانچ سو صفحہ ۲۵)

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

۵۔ خدا کے عظیم الشان نشان بارش کی طرح میرے پر اتر رہے ہیں۔ اور غیب کی باتیں میرے پر کھل رہی ہیں۔ ہزار ہا دعائیں اب تک قبول ہو چکی ہیں۔ (تریاق القلوب صفحہ ۶)

۶۔ خدا نے مجھے کہا لولاك لما خلقت الا فلاك۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵، ۱۹۱)

خدا نے مجھے کہا:

۷۔ انما امرك اذا اردت شيئا ان تقول له كن فيكون۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵، ۱۹۱)

۸۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں "خدا نے مجھے کہا انت اسمی الاعلی۔ (اربعین صفحہ ۳، ۳۴)

۹۔ مرزا صاحب کا قول ہے مجھے کسی دوسرے کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ (کتاب خطبہ الہامیہ صفحات ۹۱، ۲۰، ۲۳، ۳۵، ۱۷۱، ۱۱۲)

۱۰۔ میں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں اور سورج ہوں جس کو دشمنی اور کینے کا دھواں چھپا نہیں سکتا۔ (ایضاً)

۱۱۔ مرزا صاحب کا دعوی ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے دنیا کو فنا کرنے اور پیدا کرنے کی طاقت دی گئی ہے۔ میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہ ہوگا مگر وہ جو مجھ سے ہوگا اور میرے عہد پر ہوگا۔ (ایضاً)

۱۲۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں "یہ مرا قدم ایک ایسے منار پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم ہو گئی۔

(ایضاً)

۱۳۔ مرزا جی کہتے ہیں جو کوئی میری جماعت میں داخل ہو در حقیقت وہ میرے سردار خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ؓمیں داخل ہو گیا۔ (خطبہ الہامیہ)

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حق میں فرمایا کہ قصر نبوت کی میں آخری اینٹ ہوں۔ مرزا صاحب اپنے حق میں لکھتے ہیں۔

۱۴۔ پس اے ناظرین میں وہی آخری اینٹ ہوں۔ (حوالہ مذکورہ)

۱۵۔ آنچہ دادست ہر نبی راجام   داد آں جام رامرا بتمام

(درثمین ص ۲۸۶)

یہ دعاوی سب کے سب گو اعلیٰ مراتب کے ہیں۔ لیکن ہیں تو انسانی درجہ کے اب ہم مرزا صاحب کا ایک مقولہ اور پیش کرتے۔ جس سے ان کی شان انسانیت سے ارفع معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا ’’میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔ اور میں نے یقین کرلیا کہ میں وہی ہوں۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ نمبر ۵۶۴)

مرزا صاحب کے دعوے تو اور بھی ہیں ہمیں ان حوالجات سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ مرزا صاحب نے جو ہمارے ساتھ فیصلہ کے لیے دعا شائع کی تھی اس کی قبولیت یقینی ہے کیونکہ مرزا صاحب ایسے رفیع الشان ہونے کے مدعی تھے کہ آپ کی دعا بھی معمولی کسی مریض یا حاجتمند کے لیے نہیں بلکہ حق اور باطل اہل حق اور اہل باطل میں فیصلہ کرانے کے لیے تھی۔ اس کا قبول ہونا ضروری ہے۔ پس مذکورہ بالا حوالجات ملحوظ رکھ کر مرزا صاحب کا دعائیہ اشتہار ملاحظہ کریں جو نیچے درج ہے۔

☆☆☆

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

یَسْتَنْبِئُوْنَکَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علی من اتبع الہدی

مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچہ میں مردود، کذاب دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعوی مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور مجھے ان گالیوں اور تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کی ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ سنت اللہ کے موافق مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ، وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے اپنے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کے اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود

ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔

آمین۔ یارب العالمین۔

میں ان کے ہاتھوں سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی وہ مجھے ان چوروں سے اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔

انہوں نے اپنی تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص در حقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو۔ مبتلا کر۔ اے میرے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔ آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاﷲ واید

مرقومہ یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء

ناظرین! اس اشتہار کو مکرر ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا صاحب نے اس میں میرے ذمہ بھی کوئی کام رکھا ہے؟ نہیں محض دعا کے ذریعہ خدا سے فیصلہ چاہا ہے چنانچہ آپ کے الفاظ (صفحہ ۱۳ سطر ۷) میں یہ ہیں کہ ''محض دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔''

اس فقرہ کے بعد اخیر اشتہار میں آپ نے صاف لکھا ہے کہ ''اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

پس اس اشتہار کی اندرونی شہادت سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس دعا کے متعلق میرا کام کچھ نہیں نہ میرے اقرار قبولیت کیلئے شرط ہے نہ انکار باعث رد بلکہ جو کچھ ہے وہ دعا مرزا صاحب ہے اور بس۔

یہ تو ہے اشتہار کا نفس مضمون۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ اس دعا کے قبول ہونے کا کیا قرینہ ہے۔

پہلا قرینہ: یہ ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں ''مجھے بارہا خدا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں۔'' (ضمیمہ تریاق القلوب جلد ۵ صفحہ ۴)

نیز فرمایا خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوا میں تیری ساری دعائیں قبول کروں گا، مگر شرکاء برادری کے متعلق نہیں۔ (تریاق القلوب صفحہ ۳۸)

یہ تو ہے عام قرینہ۔

دوسرا قرینہ جو خاص اس دعا سے تعلق رکھتا ہے مرزا صاحب کے الفاظ ہیں۔

''ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس کی طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس طرف ہوئی۔ رات کو الہام ہوا ''اجیب دعوۃ الداع'' صوفیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہی ہے باقی سب اس کی شاخیں۔'' (کلام مرزا در بدر ۲۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء)

پس مرزا صاحب کی اس دعا میں مرزا صاحب کی شخصیت اور مرتبت کے علاوہ مرزا صاحب کا الہام ''اجیب دعوۃ الداع'' ملا لیا جائے تو ذرہ بھر اس میں شک نہیں رہتا کہ مرزا

صاحب کی یہ دعا اللہ کے نزدیک مقبول تھی۔ چنانچہ وہ اس دعا کے مطابق ربیع الاول ۱۳۲۶ھ موافق ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء کو مرض ہیضہ سے انتقال کر گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور مرزا صاحب قادیان

گو بعد مذکورہ ثبوت (اقرار مرزا اور الہام مرزا وغیرہ) کے کسی چیز کی ضرورت نہیں تاہم بطور مثال ہم حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام میں حضرت نوح کو ہم نے اس لیے منتخب کیا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شکایت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں ان کو غرق کروں گا''۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۶)

ایک مقام پر لکھا ہے:

''مجھے بارہا خدا تعالیٰ مخاطب کر کے فرما چکا ہے کہ جب تو دعا کرے میں تیری دعا سنوں گا۔ سو میں نوح نبی کی طرح دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوں اور کہتا ہوں ''رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ'' (قرآن مجید میں ''رب'' لفظ نہیں ہے مرزا صاحب کی ایجاد ہے) (ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۵ صفحہ ۴)

چونکہ مرزا صاحب کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کو لکھ کر ناظرین کرام خصوصاً پیروان مرزا صاحب قادیان کی توجہ دلائی ہے کہ۔ پس وہ سنیں:۔

حضرت نوح کی دعا کی طرف کچھ تو مرزا صاحب نے منقولہ اقتباس میں اشارہ کیا ہے کہ اور کچھ الفاظ ہم نقل کرتے ہیں۔ حضرت ممدوح کی دعا اور اس کا انجام قرآن مجید میں مذکور ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّھُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْہُ مَالُہٗ وَ وَلَدُہٗ اِلَّا خَسَارًا وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا۔ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَ نَسْرًا۔ وَقَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا

مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا۔ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (سورۃ نوح)

نوح نے ہماری جناب میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہا نہ مانا اور ان (نابکار لوگوں) کے کہنے پر چلے جن کو ان کے مال اور ان کی اولاد نے (فائدہ کی جگہ الٹا) اور نقصان ہی پہنچایا۔ اور انہوں نے (میرے ساتھ) بڑے بڑے فریب کیے اور ایک دوسرے کو بہکایا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ''ود'' (بت) کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو اور (یہ لوگ ایسی باتیں سمجھا سمجھا کر) بہتیروں کو گمراہ کر چکے ہیں اور ایسا کر کہ ان ظالموں کی گمراہی اور (روز بروز) بڑھتی ہی چلی جائے (کہ آخر کار مستوجب عذاب ہوں چنانچہ) اپنی ہی شرارتوں کی وجہ سے غرق کر دیے گئے۔ (اور) پھر دوزخ میں ڈال دیے گئے اور خدا کے سوا کوئی مددگار بھی ان کو ہم سے نہ پہنچے اور نوح نے (ان کے حق میں یہ بھی بد) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (ان) کافروں میں سے (کسی متنفس کو بھی زندہ) نہ چھوڑ (کہ) روئے زمین پر رستا بستا نظر آئے۔''

ان آیات قرآنیہ میں ''مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ'' سے ''انصارا'' تک دعا کا نتیجہ ہے یعنی حضرت نوح نے قوم کی بے فرمانی سے رنجیدہ خاطر ہو کر ان کے حق میں بددعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غرق کیے گئے اور ان کی وہی حالت ہوئی جو مرزا صاحب نے قرآن کی آیت میں بتائی ہے کہ خدا نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا میں ان کو غرق کروں گا۔

ناظرین:

اس دعا کو مرزا صاحب کی دعا کے سامنے رکھ کر پڑھیں تو دونوں دعاوؤں کا مضمون ایک ہی پائیں گے کہ اہل کفر و اہل باطل کو ہلاک کر۔ نتیجہ بھی دونوں کا واحد ہوا کہ اہل باطل اہل حق کے سامنے ہلاک ہو گیا۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ لہ الحمد۔ خدا کی بڑی شان ہے جو زندہ رکھتا اور مارتا ہے۔

اعذار اتباع مرزا

معاملہ کتنا ہی صاف ہو مگر حجتی آدمی ہر بات میں حجت پیدا کر سکتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے زمانہ میں کیسی صفائی سے نشانات نمودار ہوتے تھے جن کو قرآن شریف میں بینات اور بصائر کے نام سے موسوم کیا گیا تاہم منکرین کا قول تھا کہ "یہ قدیم جادو ہے"۔

اسی طرح مرزا صاحب کا معاملہ ان کی دعا سے طے ہو گیا تاہم ان کے اتباع نے عذر تراشے اور مجھے مباحثے کا چیلنج دیا۔ میں نے آسمانی فیصلہ کو کافی جان کر چند روز خاموشی اختیار کی تو فتحیاب ہونے پر بعد فیصلہ ثالث تین صد روپیہ انعام کا وعدہ کیا جو میرے کہنے پر جناب مولوی محمد حسن صاحب مرحوم رئیس لودہانہ (پنجاب) کے پاس امانت رکھوا دیے گئے اور مباحثہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۱۲ء بمقام لودہانہ مقرر ہوا۔ روئداد مباحثہ الگ رسالہ "فاتح قادیان" کے نام سے مطبوع ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بفضلہ مسلمہ ثالث غیر مسلم سردار بچن سنگھ جی پلیڈر کے فیصلہ سے میں مظفر و منصور ہوا اور سہ صد کے بیس پونڈ میں نے وصول کیے۔ لہ الحمد۔

اب تو آسمانی فیصلے کے ساتھ زمینی فیصلہ بھی متفق ہو گیا۔ اس کا نتیجہ چاہیے تھا کہ یہ ہوتا کہ اتباع مرزا تائب ہو کر سنت نبویہ علی صاحبھا الصلوۃ والتحیۃ کے متبع ہو کر سیدھے سادھے مسلمان ہو جاتے مگر مرزائی اور خموشی۔

ضدان مفترقان ای تفرق انہوں نے اس فیصلے کو بھی جھٹلایا اور اپنی طرف سے عذرات ملک شائع کیے۔

عذر اوّل: یہ کیا گیا کہ یہ دعا محض دعا نہ تھی بلکہ مباہلہ تھی یعنی مرزا صاحب نے اس دعا کے ذریعہ مولوی ثناء اللہ کو دعوت دی تھی کہ تم بھی اسی طرح کہو تا کہ مباہلہ ہو کر فیصلہ ہو جائے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ان کو کتاب "انجام آتھم" میں بشمول علماء کرام دعوت مباہلہ دی تھی۔

اس کے بعد اس کے متعلق چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی جس کی آخری کڑی یہ اشتہار "آخری فیصلہ" ہے چنانچہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری متبع مرزا کے الفاظ یہ ہیں:۔

"مولوی ثناء اللہ صاحب نے بالمقابل قسم کھانے سے انکار کیا یہاں تک لکھ دیا کہ میں تمہاری

قسم کا اعتبار نہیں کرتا تو پھر آپ نے اس اشتہار میں جس کا عنوان ہے ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' مولوی ثناء اللہ صاحب کو بجائے قسم کھانے کے بالمقابل دعا کے ذریعہ فیصلہ کرنے کی طرف بلایا''۔ (آیۃ اللہ مصنفہ مولوی محمد علی صفحہ ۱۶)

یہ بھی کہا گیا کہ مولوی ثناء اللہ نے خود بھی اس دعا کا نام مباہلہ رکھا تھا چنانچہ ان کے رسالہ مرقع قادیانی میں ان کے الفاظ یہ ہیں: ''ناظرین آگاہ ہوں گے کہ قادیانی کرشن نے ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا''۔ (مرقع قادیانی بابت جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۸)

پس یہ دعا محض دعا نہیں بلکہ دعا مباہلہ ہے اور مولوی ثناء اللہ نے اس کے جواب میں نہ دعا کی نہ آمین کہی بلکہ اس سے انکار کر دیا اس لیے یہ مباہلہ منعقد نہ ہوا۔ پس یہ دعا سند اور حجت نہ ہوئی۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ مباہلہ باب ''مفاعلہ'' جانبین سے ہوتا ہے یعنی دونوں فریق مقابلہ میں دعا کرتے ہیں مگر باب مفاعلہ کبھی ایک جانب سے بھی آجاتا ہے جیسے عربی میں مثال ہے عاقبت اللص میں نے چور کو سزا دی حالانکہ عاقبت مفعالہ سے ہے۔

میں نے جہاں اس دعا کو مباہلہ لکھا ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو اسی مقام میں مذکور ہے جسے اتباع مرزا نقل نہیں کرتے نہ لکھتے ہیں ساری عبارت یوں ہے۔

مرزا صاحب کو میرے حق میں دعا کیے ہوئے (جس کو وہ اور ان کے دام افتادہ مباہلہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں) آج کامل ایک سال سے کچھ زیادہ گزر چکے ہیں۔ (حوالہ ایضاً صفحہ ۱۹)

پس میرا اس بدعا کو مباہلہ لکھنا ایک تو مقابلۃ الزامی تھا۔ دوم مفاعلہ کے معانی ثانی یعنی جانب واحد کی دعا ہے۔ جس کی مثال خود مرزا صاحب کی کتب میں بکثرت ملتی ہے۔

مولوی دستگیر مرحوم قصوری نے مرزا صاحب کے حق میں یہ دعا کی تھی۔

''یا مالک الملک جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مولف مجمع البحار الانوار کی دعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غارت کیا تھا ویسا ہی دعا و التجا اس فقیر قصوری کان اللہ لہ سے (جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے) مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبۃ النصوح کی توفیق فرما اور اگر یہ مقدر نہیں تو ان کو مورد اس آیت فرقانی کے بنا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قدیر وبالا جابۃ جدیر۔ امین (فتح رحمانی صفحہ ۲۶،۲۷)

یہ دعا محض ایک جانب سے ہے۔ دونوں جانب سے نہیں تاہم اس کو مرزا صاحب مباہلہ کہتے ہیں۔ آپ کے الفاظ میں مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنے طور پر مجھ سے مباہلہ کیا اپنی کتاب میں دعا کی کہ جو کاذب ہو خدا اس کو ہلاک کرے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۸)

برادران! جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدمہ میں فریق مدعی کے گھر سے ایک شاہد گزرا تھا جس پر مقدمہ یوسف علیہ السلام کا فیصلہ ہوا تھا۔ میرے مقدمہ میں بھی مرزا صاحب کے گھر میں ایک معتبر گواہ اس کا صاحبزادہ موجودہ خلیفہ قادیان میرا گواہ ہے۔ جنہوں نے میری عبارت میں مباہلہ بمعنی جانبین سمجھ کر میری سخت تردید کی ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت اقدس (مرزا) کی وفات کے بعد ثناء اللہ نے ایک اشتہار دیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ مرزا بوجہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کے ہلاک ہوا اور میری زندگی میں ہی فوت ہو گیا۔ یہ شخص اپنی معمولی "شوخی کے مطابق اس دعا کا نام مباہلہ رکھتا ہے" جس کا انکار بھی کر چکا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت اقدس کے برخلاف مضمون لکھتا ہوا لکھتا ہے کہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مباہلہ پر قسمیں کھائیں پھر اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتا ہے قسم کو مباہلہ کہنا آپ (مرزا) جیسے راست گوؤں کا کام ہے اور کسی کا نہیں۔ اب ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مولوی ثناء اللہ نے جب خود ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ مقابلہ پر قسمیں کھانے کا نام مباہلہ ہے اور اس کے سوا کسی اور بات کو مباہلہ قرار دینا راست گوئی کے خلاف ہے اور بالکل جھوٹ ہے تو اب اس دعا کو جو کہ حضرت صاحب نے شائع کی تھی مباہلہ قرار دینا افتراء نہیں تو اور کیا ہے۔ اس دعا میں نہ تو حضرت صاحب نے قسم کھائی ہے نہ ثناء اللہ نے پھر باوجود اس کے اس کو مباہلہ قرار دینا خود اسی فیصلہ کے مطابق اس کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ پس ناظرین کو چاہیے کہ وہ اس کے مکر اور فریب میں نہ آئیں"۔ (محمود در تشحیذ الاذہان)

ناظرین کرام! اس گھر کے شاہد کی شہادت سے صاف عیاں ہے کہ آخری فیصلہ محض دعا سے چاہا گیا تھا مباہلہ سے نہیں۔

شہادت مرزا

اب میں بیرونی شہادت سے فراغت حاصل کر کے خود مرزا صاحب کا بیان پیش کرتا ہوں۔

بیان اوّل: خود یہی اشتہار مرزا موجود ہے کیونکہ سارے اشتہار میں ایک لفظ بھی مباہلہ یا مباہلہ کے معنی کا نہیں بلکہ صاف لکھا ہے کہ ''محض دعا سے فیصلہ چاہا گیا''۔ یہ کافی سے زیادہ ثبوت ہے کہ درخواست محض دعا تھی مباہلہ نہ تھا۔

دوسرا بیان: مرزا صاحب کو میں نے ایک خط لکھا تھا جس کے جواب میں ان کے مامور محرر ڈاک نے خط لکھا اور قادیانی اخبار بدر میں انہوں نے چھپوا بھی دیا جو یہ ہے۔

(نقل خط بنام مولوی ثناء اللہ صاحب)

آپ کا رجسٹری شدہ کارڈ مرسلہ ۳۔ جون ۱۹۰۷ء حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کی خدمت میں پہنچا جس میں آپ نے ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے اخبار بدر کا حوالہ دے کر کتاب حقیقۃ الوحی کا ایک نسخہ مانگا ہے اس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف حقیقۃ الوحی بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا جبکہ آپ کو مباہلہ کے واسطے لکھا گیا تھا۔ تا کہ مباہلہ سے پہلے آپ کتاب کو پڑھ لیتے۔ مگر چونکہ آپ نے اپنے واسطے تعین عذاب کی خواہش ظاہر کی اور بغیر اس کے مباہلہ سے انکار کر کے اپنے لیے فرار کی ایک راہ نکالی اس واسطے مشیت ایزدی سے آپ کو دوسری راہ سے پکڑا اور حضرت حجۃ اللہ (مرزا صاحب) کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک کر کے فیصلہ کا ایک اور طریق اختیار کیا اس واسطے مباہلہ کے ساتھ جو اور شروط تھے وہ سب کے سب بوجہ ناقرار پانے کے مباہلہ کے منسوخ ہوئے لہٰذا آپ کی طرف کتاب بھیجنے کی ضرورت نہ رہی''۔ خادم مسیح موعود۔ محمد صادق عفی عنہ قادیان ۵۔ مئی ۱۹۰۷ء

اس میں بھی صاف مذکور ہے کہ سلسلہ مباہلہ ختم ہو کر مرزا صاحب نے خدا کے القا سے یہ دعا کی تھی اس کو سلسلہ مباہلہ سے جوڑنا مرزا صاحب کی اس تصریح کے خلاف ہے۔

تیسرا بیان: مرزا صاحب کی زندگی میں اخبار قادیان میں ایک مضمون نکلا تھا جس میں یہ الفاظ درج تھے:

"حضرت اقدس مسیح موعود (مرزا صاحب) نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان کا ایک اشتہار دے دیا جس میں محض دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا گیا ہے نہ کہ مباہلہ کیا گیا ہے"۔ (اخبار بدر ۲۲۔ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۸ کالم نمبر۔۱)

اصول حدیث کی شہادت: اصول حدیث میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ جو فعل یا قول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا ہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی فرمائی ہو اس کو بھی حدیث مرفوع تقریری (حدیث رسول) نام رکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی زندگی میں قادیانی اخبار میں ایک مضمون چھپے اور مرزا صاحب اس پر خاموش رہے تو بحکم اصول مذکور یہ بیان بھی بیان مرزا کہا جائے گا۔

چوتھا بیان: مولوی احسن امروہوی صاحب جو مرزا صاحب کے فرشتہ تھے فرماتے ہیں:

"مسلمنا کہ حضرت اقدس نے محض دعا کے طور پر فیصلہ چاہا تھا لیکن اس خط میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ دعا کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں ہے اس دعا کے وحی اور الہام نہ ہونے کا ابو الوفاء صاحب کو بھی اقرار ہے۔ آگے رہی صرف دعا بغیر وحی اور الہام کے سو حضرت اقدس کا یہ دعا کرنا آپ کی صداقت کی بڑی پکی دلیل ہے اگر آپ کو اپنے منجانب اللہ ہونے کا قطعی طور پر یقین کامل نہ ہوتا تو ایسے الفاظ سے دعا کیوں کرتے جو اس خط میں مذکور ہیں۔ ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب بھی اس کو معیار صدق و کذب قرار نہیں دیتے اور ایسی دعائیں تو حضرت سید المرسلین اور خاتم النبیین کی بھی قبول نہیں ہوئی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ الآیہ (ریویو قادیان بابت جون و جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۳۸)

میں کہتا ہوں: جس دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجب فیصلہ قرار دیا ہو اور خدا نے اس کی قبولیت کا الہام کیا ہو وہ قبول نہ ہوئی ہو اس کی مثال یا نظیر کوئی نہیں سچے ہو تو دکھاؤ۔ مرزا صاحب کا الہام قبولیت دیکھو بر صفحہ کتاب ہذا۔

بہرحال: وجوہ مذکورہ سے صاف ثابت ہے کہ مرزا صاحب کا آخری فیصلہ محض دعا کے ذریعہ تھا مباہلہ سے نہیں تھا۔ میں نے جو اس کو مباہلہ لکھا تھا وہ الزاماً لکھا تھا۔ نیز اس کے معنی یکطرفہ دعا کے تھے۔ جانبین سے مباہلہ کے نہ تھے۔ جیسا کہ مفصل ہم بتا چکے ہیں۔ اور شہادتیں بھی پیش کر چکے

ہیں۔ فالحمد للہ۔

دوسرا اعذر: یہ کرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ نے یہ دعا سن کر منظور نہیں کی بلکہ اپنے اخبار ''اہلحدیث'' ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں صاف لکھا کہ مجھے یہ صورت منظور نہیں۔ نہ کوئی دانا اسے قبول کر سکتا ہے۔

اس کا جواب: مرزا صاحب کے ایک مرید بلکہ (علی قولہ) خلیفہ موعود مولوی عبداللہ تیماپوری (دکن) نے بہت اچھا منصفانہ جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

''جواب دیا جاتا ہے ثناء اللہ نے اس دعا کو منظور نہیں کیا۔ کیا مظلوم کی دعا قبول ہونے کے لیے ظالم کی رضامندی شرط ہوا کرتی ہے''؟ (ہرگز نہیں) (کتاب میزان حشر مصنفہ مولوی عبداللہ تیماپوری صفحہ ۱۱) (مظلوم سے مراد آپ کی مرزا صاحب ہیں اور ظالم سے یہ خاکسار ہے)۔

میں کہتا ہوں! میں نے کسی نیت سے انکار کیا لیکن میرے انکار کا نتیجہ یہ کیوں ہوا کہ عزرائیل بجائے میرے مرزا صاحب کے پاس چلا جائے۔ بحالیکہ مرزا صاحب نے اس اشتہار میں صاف لکھا ہے ''مولوی ثناء اللہ جو چاہیں لکھیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے''۔

تنبیہ: ناظرین کرام! ایک بات ابھی آپ کی توجہ میں لانی ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے اشتہار کی ابتدا اور انتہا ملاحظہ فرمائیں۔ شروع میں آیت لکھی ہے۔ یَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔ یہ قرآن مجید کی آیت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پوچھتے ہیں یہ قرآن سچ ہے؟ آپ کہیے خدا کی قسم یہ سچ ہے۔

اس آیت کو مرزا صاحب نے یہاں محض اس لیے لکھا ہے کہ یہ میری دعا خدا کی طرف سے حق اور فیصلہ کن ہے۔ آخر اشتہار کی دعا یہ ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔ یہ دعا شعیب علیہ السلام کی ہے جو مرزا صاحب اہل حق اور اہل باطل میں فیصلہ ہونے کے لیے کی ہے جس کے جواب میں خدا نے الہام فرمایا تھا ''اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ'' (میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کروں گا)۔

وہ ابھی منتظر ہیں: امت مرزائیہ اپنے کمال اعتقاد سے ابھی تک یہ بات دل میں بٹھائے ہوئے ہے کہ مولوی ثناء اللہ حسب دعا مرے گا۔ چنانچہ حکیم نور الدین خلیفہ اول قادیان کے زمانہ

میں رسالہ ریویو قادیان میں حسرت بھرا مضمون نکلا تھا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

ہم تو اس بات کو اب بھی مانتے ہیں کہ حضرت (مرزا) صاحب کی بددعا اس کے حق میں منظور ہوئی اور وہ اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ دیکھ لے گا۔ (محمد علی حال امیر جماعت لاہور اڈیٹر ریویو نمبر ۷ جلد ۷ بابت جون و جولائی ۱۹۰۸ء)

اس حوالے سے بالوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ آخری فیصلہ والا اعلان محض دعا تھا مباہلہ نہ تھا۔ اور وہ دعا ضرور قبول ہوئی مگر نتیجہ وہی نکلا جو خدا کے علم میں تھا۔ یعنی کاذب صادق کی حیات میں مر گیا۔

باوجود اس کے امت مرزا کو ابھی انتظار ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

سچ ہے ؎

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر　　قول کا پکا تھا پہلے مر گیا

ناکامی مرزا

مرزا صاحب نے دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کیے مگر اپنا آنا جس کام کے لیے بتایا تھا اس کام میں کامیاب نہ ہوئے۔ وہ کام کیا تھے بغیر تاویل و تحریف کے انہی کے الفاظ میں ہم بتاتے ہیں۔

مرزا صاحب نے صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ مسیح موعود کے زمانے میں تمام قومیں ایک اسلامی قوم ہو جائے گی چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے۔ اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانے کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی۔ یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اس زمانے میں انجام تک

پہنچ گیا۔ اس لیے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔ زمانہ محمدی کے آخری حصے میں ڈال دی۔ جو قرب وقیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لیے اس امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے۔ اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے۔ اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہولیں۔ کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اسی نائب نبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ (چشمہ معرفت ۸۲۔ اور ۸۳)

اس عبارت میں گو بصیغہ غائب مضمون ادا کیا ہے۔ لیکن مراد اس سے ذات خاص (مرزا صاحب) ہے۔ اس مضمون کے بتانے کو خود آپ ہی کے الفاظ پیش ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

میرے آنے کے دو مقصد ہیں مسلمانوں کے لیے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں وہ ایسے سچے مسلمان ہوں جو مسلمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اور عیسائیوں کے لیے کسر صلیب ہو اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آئے دنیا اس کو بھول جائے۔ خدائے واحد کی عبادت ہو"۔ (قول مرزا در الحکم ۱۷۔ جولائی ۱۹۰۵ء ۱۳۔ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ صفحہ ۱۰)

ان عبارتوں کو ملانے سے مضمون صاف ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے وقت دنیا میں اسلام ہی اسلام دین ہوگا۔ باقی سب مٹ جائے گا۔ ان حوالجات کی تکمیل کے لیے ایک حوالہ اور قابل دید وشنید ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے۔ اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۴۹۸ اور ۴۹۹)

ان حوالجات سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت دنیا میں اسلام ہی اسلام دین

ہوگا۔ دگر ہیچ۔ اسلام بھی زمانہ صحابہ کے اسلام کا مثیل۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اس کا نتیجہ بھی مرزا صاحب کے ہی الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

”میرا کام جس کے لیے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہی ہے کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کروں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں۔ پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے؟ وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی۔ اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود و مہدی معہود کو کرنا چاہیے تھا تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔

(غلام احمد در بدر قادیاں ۱۹۔ جولائی ۱۹۰۶ء)

سوال قابل غور: کیا ایسا ہوا؟ اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ کفر پر اسلام غالب ہونے کے بجائے کفر اسلامی بلاد پر غالب آرہا ہے۔ نہ صرف بلاد اسلامیہ پر بلکہ قلوب پر بھی کفر کا غلبہ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں فسق و فجور شرک اور کفر دین بن رہا ہے۔ بہت سے فرزندان اسلام داخل کفر ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ ذلت اور مسکنت ان پر غالب آرہی ہے۔ خدا کی پناہ۔ حالانکہ مرزا صاحب مسیح موعود بن کر آئے اور آکر چلے بھی گئے۔ ایسی حالت میں کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

واقعات صحیحہ کی بنا پر ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا نا مرادی میں ہوا ہے ترا آنا جانا

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ

ضمیمہ

مرزا صاحب نے اپنی علامت صدق میں ایک علامت ایسی بتائی ہے جس کے ساتھ کل دنیائے اسلام کو تعلق ہے۔ وہ مکہ مدینہ (زادا اللہ شرفہما) کے درمیان ریل کا جاری ہونا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"آسمان نے بھی میرے لیے گواہی دی اور زمین نے بھی مگر دنیا کے اکثر لوگوں نے مجھے قبول نہ کیا۔ میں وہی ہوں جس کے وقت میں اونٹ بیکار ہو گئے۔ اور پیش گوئی آیت کریمہ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ پوری ہوئی۔ اور پیش گوئی حدیث ولیترکن القلاص فلا یسعی علیها نے اپنی پوری پوری چمک دکھلا دی۔ یہاں تک کہ عرب وعجم کے اڈیٹران اخبار اور جرائد والے بھی اپنے پرچوں میں بول اٹھے کہ مدینہ اور مکہ کے درمیان جو ریل تیار ہو رہی ہے یہی اس پیش گوئی کا ظہور ہے جو قرآن وحدیث میں ان لفظوں سے کی گئی تھی جو مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے۔
(اعجاز احمدی صفحہ ۲ مصنفہ مرزا صاحب)

ناظرین خصوصاً حضرات حجاج!

کیا آپ نے سنا یا سفر حجاز میں دیکھا کہ سفر حج میں اونٹ بیکار ہو گئے۔ اور ریل وہاں جارہی ہے؟ (ہرگز ہرگز نہیں) پس جس شخص نے کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ میں ریل کا جاری ہونا میری صداقت کی علامت ہے جب وہ علامت نہ پائی گئی تو وہ کون ہوا۔ بحالیکہ وہ آج سے ۲۲ سال پہلے فوت ہو چکا ہے اور ریل آج تک نہیں پائی گئی۔ اور مدعی آیا اور چلا گیا۔ افسوس۔

ابوالوفاء ثناء اللہ

رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ

شہاداتِ مرزا

مُصنّفہ

فاتح قادیان مناظر اسلام

مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہاداتِ مرزا

پہلے مجھے دیکھئے!

ملک پنجاب کے ضلع گورداسپور، قصبہ قادیان میں ایک صاحب مرزا غلام احمد پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ جن احادیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کے قبل قیامت دنیا میں آنے کا ذکر ہے ان سے مراد میں ہوں۔ یعنی میں عیسیٰ موعود ہوں۔ ان کے اس دعوے کی تردید میں خاکسار کی کئی ایک کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں زیادہ تر توجہ مرزا صاحب کی ان پیش گوئیوں پر ہے جو موصوف نے اپنی صداقت کے اظہار کرنے کے لیے وحی اور الہام کے نام سے کی ہیں۔ اس لیے میرے بعض دوستوں نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ ایسی بھی کوئی کتاب لکھوں جس میں دلائل حدیثیہ سے بھی گفتگو ہو۔ یعنی ان احادیث کا ذکر بھی ہو جن میں حضرت عیسیٰؑ موعود کا آنا مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس لیے اس مختصر رسالہ میں مرزا صاحب کے دعوے کی تردید میں تین طرح کی شہادات ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ (۱) احادیث صحیحہ سے (۲) مرزا صاحب کی وحی والہام سے (۳) مرزا صاحب کے اپنے معیار اور اقوال سے۔ امید ہے ناظرین اس رسالہ کو اس بحث میں منفرد پائیں گے۔ اور مقدور بھر اس کی اشاعت کر کے خدمت دین بجا لائیں گے۔

ربنا تقبل من انك انت السميع العليم

ابوالوفاء ثناء اللہ ملقب بہ فاتح قادیان صفر ۱۳۴۲ھ اکتوبر ۱۹۲۳ء

دعوے مرزا صاحب

جناب مرزا صاحب قادیانی کا دعویٰ خود انہی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب ہے۔ گو آپ کا دعویٰ اس قدر مشہور و معروف ہے کہ کسی کو مجال انکار نہیں۔ گو ان کے دعوے نبوت رسالت وغیرہ کے متعلق ان کی امت میں اختلاف ہے لیکن ان کے دعوئے مسیحیت کی بابت اختلاف نہیں۔ تاہم ہم انہی کے الفاظ میں ان کا دعویٰ سناتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

وكنت اظن بعد هذه التسمية ان المسيح الموعود خارج وما كنت اظن انه انا حتى ظهر السر المخفى الذى اخفاه الله على كثير من عباده ابتلاء امن عنده وسمانى ربى عيسى ابن مريم فى الهام من عنده وقال يا عيسى انى متوفيك و رافعك الى و مطهرك من الذين كفروا و جاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا الى يوم القيامة انا جعلناك عيسى ابن مريم و انت منى بمنز لة لا يعلمها الخلق و انت منى بمنزلة توحيدى و تفريدى و انك اليوم لدينا مكين امين۔ فهذا هوا لدعوى الذى يجادلنى قومى فيه و يحسبوننى من المرتدين (حمامه البشرىٰ ص ۸)

"خدا نے میرا نام متوکل رکھا۔ میں بعد اس کے بھی سمجھتا رہا کہ مسیح موعود آئے گا اور میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں ہی ہوں گا۔ یہاں تک کہ مخفی بھید مجھ پر کھل گیا۔ جو بہت سے لوگوں پر نہیں کھلا اور میرے پروردگار نے اپنے الہام میں میرا نام عیسیٰؑ ابن مریمؑ رکھا۔ اور فرمایا اے عیسیٰؑ ہم (خدا) نے تجھے عیسیٰؑ بن مریم کیا۔ اور تو مجھے ایسے مقام میں ہے مخلوق اس کو نہیں جانتی۔ اور تو (مرزا) میرے نزدیک میری توحید اور وحدت کے رتبے میں ہے۔ اور تو آج ہمارے نزدیک بڑی عزت والا ہے۔ پس یہی (مسیح موعود ہونے کا) دعویٰ ہے جس میں مسلمان قوم مجھ سے جھگڑتی ہے اور مجھ کو مرتد جانتی ہے"۔

یہ عبارت صاف لفظوں میں مرزا صاحب کا دعویٰ بتارہی ہے کہ آپ اس بات کے مدعی تھے کہ احادیث میں جن عیسی موعود کی بابت خبر آئی ہے کہ وہ دنیا میں قریب قیامت کے ظاہر ہوں گے۔ وہ میں ہوں۔

یہ بھی اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ مسلمان مرزا صاحب سے اسی دعویٰ میں بحث اور نزاع کرتے ہیں۔ یعنی وہ آپ کو عیسیٰ موعود وغیرہ نہیں مانتے اصل نزاع یہی ہے۔ اس کے سوا باقی کوئی ہے تو فرعی۔

یہ ہے مرزا صاحب کے دعوے کی تقریر جوانہی کے الفاظ میں نقل کی گئی۔

نوٹ: امت احمدیہ (مرزائیہ) مرزا صاحب کے دعوے مسیحیت موعودہ کے اثبات سے عاجز ہو کر کبھی وفات عیسیٰ پر بحث کرنے لگ جاتی ہے کبھی دجال اور اس کے گدھے کی بابت ادھر ادھر کی بات شروع کر دیتی ہے جس سے اصل مقصد دور ہو جاتا ہے اس لیے فریقین (محمدی اور احمدی) با انصاف سے امید ہے کہ مرزا صاحب کے اس بیان کو غور سے پڑھ کر بس اسی (دعوے مسیحیت موعودہ) پر مدار بحث رکھا کریں گے۔

ناظرین سے درخواست! اس کتاب کو اول سے آخر تک بغور دیکھیں گے تو بہت سی نئی معلومات پائیں گے۔ اس لیے مصنف کی درخواست ہے کہ اول سے آخر تک بغور مطالعہ فرمائیں۔ (مصنف)

باب اوّل متعلق احادیث

چونکہ عیسیٰ موعود کا منصب اور تشریف آوری حدیثوں سے ثابت ہے اس لیے ہم چند حدیثوں سے شہادات نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان حدیثوں کے مطابق جناب مرزا صاحب مسیح موعود ہیں؟

پہلی شہادت:

سب سے پہلے بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جس کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیة و یفیض المال حتیٰ لا یقبله احد حتیٰ تکون السجدة الواحدة خیرا من الدنیا وما فیها ثم یقول ابو هریرة فاقروا ان شئتم وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته الایة (متفق علیه، مشکوٰة شریف صفحه ۴۷۹ باب نزول عیسیٰ علیه السلام)

''ابوہریرہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اللہ پاک کی بہت جلد ابن مریم منصف حاکم ہو کر تم میں اتریں گے۔ پھر وہ عیسائیوں کی صلیب کو (جس کو وہ پوجتے ہیں اسے) توڑ دیں گے اور خنزیر (جو خلاف حکم شریعت عیسائی کھاتے ہیں اس) کو قتل کرائیں گے۔ اور کافروں سے جو جزیہ لیا جاتا ہے اسے موقوف کر دیں گے۔ کوئی اسے قبول نہ کرے گا۔ لوگ ایسے مستغنی اور عابد ہوں گے کہ ایک ایک سجدہ ان کو ساری دنیا کے مال و متاع سے اچھا معلوم ہوگا۔ (حدیث کے یہ الفاظ سنا کر) ابو ہریرہ کہتے تھے تم اس حدیث کی تصدیق کے لیے قرآن مجید میں چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ ان من اهل الکتاب آخر تک''۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اترتے وقت کل اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے)۔''

یہ حدیث اپنا مطلب بتانے میں کسی شرح کی محتاج نہیں۔ صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ موعود کو منصف حاکم یعنی بادشاہ قرار دیا ہے۔ اور مرزا صاحب کو یہ وصف حاصل نہ تھا۔ چنانچہ آگے اس کا ذکر آتا ہے۔

دوسری شہادت:

اس سے بھی زیادہ صاف فیصلہ کن ہے جو صحیح مسلم میں مروی ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیھلن ابن مریم بفج الروحاء حاجًا او معتمرًا او لیثنینھما (باب جواز التمتع فی الحج والقران مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسیح موعود فج الروحاء سے (جو مکہ مدینہ کے درمیان جگہ ہے۔ عمرہ یا حج کا احرام باندھیں گے"۔

یہ حدیث حضرت مسیح موعود کی تشریف آوری کے بعد ان کے حج کرنے اور ان کے احرام باندھنے کے لیے مقام کی بھی تعین کرتی ہے۔ مرزا صاحب کی بابت تو یہ بلا اختلاف مسلمہ ہے کہ وہ حج کو نہیں گئے۔ مقام معیّن سے احرام باندھنا تو کجا۔

حیرت ہے:

کہ مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی احمدی امت نے اور حدیثوں کے جوابات دینے پر تو توجہ کی چاہے کسی قسم کی ہو۔ مگر اس حدیث کا نام بھی ان کی تحریرات میں ہم نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۵۔شوال (یکم جون ۱۹۲۳ء) میں یہ حدیث نقل کر کے جواب طلب کیا گیا تھا۔

تیسری شہادت:

وہ ہے جسے مرزا صاحب نے خود بھی نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوج و یولدلہ و یمکث خمساو اربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی

فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین کی طرف اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور ان کے اولاد پیدا ہوگی۔ اور آپ پینتالیس سال زمین پر رہیں گے۔ پھر فوت ہو کر میرے مقبرہ میں میرے ساتھ دفن ہوں گے۔ پھر میں (رسول اللہ) اور حضرت عیسیٰ ایک ہی مقبرہ سے قیامت کو اٹھیں گے۔ جبکہ ہم ابوبکر اور عمر کے درمیان ہوں گے“۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ موعود کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوگا۔ اس حدیث کو مرزا صاحب نے خود اپنے استدلال میں لیا ہوا ہے اس میں جو حضرت عیسیٰ موعود کے تزوج (نکاح) کا ذکر ہے اس کی نسبت مرزا صاحب نے بہت کوشش کی ہے کہ یہ ان پر صادق آئے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ جناب مرزا موصوف نے ایک نکاح کی بابت الہامی پیش گوئی فرمائی تھی۔ جس کو اعجازی نکاح (اس نکاح کے متعلق دوسرا باب کتاب ہذا پر ذکر ہے) کہتے تھے جناب ممدوح لکھتے ہیں کہ یہ نکاح جو حضرت عیسی ابن مریم موعود کا مذکورہ حدیث میں آیا ہے اس سے وہی اعجازی نکاح مراد ہے جس کی بابت میں نے پیش گوئی کی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

انہ یتزوج و ذلک ایماء الی اٰیۃ یظہر (ہکذا فی الاصل بصیغۃ المذکر) عند تزوجہ من ید القدرۃ و ارادۃ حضرۃ الوتر وقد ذکرناہا مفصلاً فی کتابنا التبلیغ و التحفۃ [illegible]

[illegible] (صفحہ ۳۱)

[illegible]

یعنی یہ نکاح وہی ہے جو میرا ہوگا۔ تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس کو دوسری کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں یوں لکھتے ہیں:۔

''اس پیش گوئی (یعنی میرے نکاح) کی تصدیق کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے سے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ یتزوج و یولدله یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا۔ اور نیز وہ صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں۔ کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے اس میں کچھ خوبی نہیں بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا۔ اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔ گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سیہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی'' صفحہ ۵۳

یہ عبارت باآواز بلند کہہ رہی ہے کہ جناب مرزا صاحب کو اس حدیث کی تسلیم سے انکار نہیں بلکہ اس کو اپنی دلیل میں لایا کرتے تھے۔ اس لیے ہم بھی اس حدیث سے استدلال کرنے کا حق رکھتے ہیں جو یوں ہے کہ:

''چونکہ مرزا صاحب مدینہ میں فوت ہو کر روضۂ مقدسہ میں دفن نہیں ہوئے اس لیے عیسیٰ موعود نہیں''۔

الحمد للہ کہ از روئے احادیث شریفہ ہم نے ثابت کر دیا کہ مرزا صاحب کا دعوے مسیحیت موعودہ کا صحیح نہیں۔

آنکس کہ بقرآن و خبر از نرہی   اینست جوابش کہ جوابش ندہی

احادیث اس مضمون کی بکثرت ہیں مگر ہم نے بہ نیت اختصار بطور نمونہ انہی تین حدیثوں پر اکتفا کیا۔ کیونکہ ماننے والے کے لیے یہ بھی کافی سے زیادہ ہیں۔

نہ ماننے والے کو بہت بھی کچھ نہیں
مختصر بات ہو مضمون مطول ہوئے
اگر صد باب حکمت پیش ناداں
بخوانی آیدش بازیچہ درگوش

مختصر مضمون احادیث ثلاثہ:

تینوں حدیثوں کا مختصر مضمون تین فقروں میں ہے

(۱) حضرت عیسیٰؑ حاکمانہ صورت میں آئیں گے۔

(۲) حضرت عیسیٰ حج کریں گے۔ ان کے احرام کی جگہ کا نام فج الروحاء ہے۔

(۳) حضرت عیسیٰؑ موعود علیہ السلام نکاح کر کے پینتالیس سال دنیا میں زندہ رہیں گے۔

ان تینوں مضامین کے لحاظ سے مرزا صاحب کے حق میں نتیجہ صاف ہے کہ "حضرت مرزا غلام احمد قادیانی عیسیٰ موعود نہ تھے"۔

تتمہ باب اوّل:

شاید کسی صاحب کو خیال ہو کہ جو الفاظ حضرت عیسیٰ موعود علیہ السلام کی بابت آئے ان سے ان کی حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے۔ مثلاً بقول ان کے عیسیٰ مسیح سے خاص حضرت عیسیٰ مراد نہیں بلکہ مثل عیسیٰ مراد ہے۔ یا "حکم عدل" سے ظاہری حاکم مراد نہیں بلکہ روحانی مراد ہے۔ غرض یہ کہ ان جملہ اوصاف مسیحیہ میں سے جو وصف جناب مرزا صاحب میں نہیں پایا جاتا اس سے مجازی وصف مراد ہے۔

اس کا جواب بالکل آسان ہے۔

علماء بلاغت کا قانون ہے کہ مجاز وہاں لی جاتی ہے جہاں حقیقت محال ہو۔ (ملاحظہ ہو مطول بحث حقیقت مجاز)

اب ہم دکھاتے ہیں کہ ان الفاظ کی حقیقت کی بابت جو حضرت عیسیٰ موعود علیہ السلام کے حق میں آئے ہیں۔ مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں۔ کیا ان کی حقیقت کو محال جانتے ہیں یا ممکن۔ پس مرزا صاحب کی عبارت مندرجہ ذیل کو بغور ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں:

"بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے۔ اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر علماء کے لیے اشکال ہی کیا ہے۔ ممکن

ہے کسی وقت ان کی مراد بھی پوری ہو جائے''۔ (ازالۂ اوہام طبع اول صفحہ ۲۰۰)

اس عبارت میں مرزا صاحب کو تسلیم ہے کہ حقیقۃ مسیحیہ محال نہیں بلکہ ممکن ہے۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ ان کی حقیقت حکومت ظاہر یہ ہے جو مجھ میں نہیں۔ پس جب حقیقۃ ممکنہ ہے تو امکان حقیقت کے وقت مجاز کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ فافہم۔

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں

گو مرزا صاحب کے اقرار کے بعد کسی شہادت کی حاجت نہیں۔ تاہم ایک گواہ ایسا پیش کیا جاتا ہے جس کی توثیق جناب مرزا صاحب نے خود اعلیٰ درجہ کی کی ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

''مولوی نور الدین صاحب بھیر دی کے مال سے جس قدر مجھے مدد پہنچی ہے میں کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کر سکوں میں نے ان کو طبعی طور پر اور نہایت انشراح صدر سے اپنی خدمتوں میں جان نثار پایا''۔ (ازالۂ اوہام طبع اول ۷۷۷)

یہی مولوی صاحب ہیں جو مرزا صاحب کے انتقال کے بعد خلیفہ اول ہوئے۔ وہی مولوی نور الدین صاحب اصولی طور پر ہماری تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر جگہ تاویلات وتمثیلات سے استعارات وکنایات سے اگر کام لیا جائے تو ہر ایک ملحد، منافق، بدعتی اپنی آراء ناقصہ اور خیالات باطلہ کے موافق الٰہی کلمات طیبات کو لا سکتا ہے۔ اس لیے ظاہر معانی کے علاوہ اور معانی لینے کے واسطے اسباب تو یہ اور موجبات حقہ کا ہونا ضرور ہے''۔ (ضمیمہ ازالۂ اوہام طبع اول صفحہ ۸)۔

پس ثابت ہوا کہ چونکہ عیسیٰ موعود علیہ السلام کا اپنی اصل حقیقت کے ساتھ آنا ممکن ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب عیسیٰ موعود نہیں۔ (الحمد لله)

☆☆☆
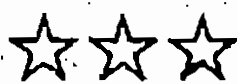
دوسرا باب

مرزا صاحب کے الہامات سے مرزا صاحب کے برخلاف شہادات

جناب مرزا صاحب کے الہامات تو بکثرت ہیں جن میں امورِ غیبیہ کا دعویٰ کر کے انہیں اپنی صداقت کی شہادات بنایا ہے ان سب کو دیکھنا ہو تو ہمارا رسالہ ''الہامات مرزا'' ملاحظہ کریں۔ اس مختصر رسالہ میں ہم چند الہامات پیش کرتے ہیں۔

پہلا الہام (چوتھی شہادت):

مرزا صاحب نے اپنی صداقت کے لیے ایک پیش گوئی فرمائی تھی جو در اصل دو حصوں پر منقسم ہو کر دو پیش گوئیاں تھیں۔ ان دونوں پیش گوئیوں کی وجہ یہ پیش آئی تھی کہ جناب مرزا صاحب نے اپنے قریبی رشتہ میں ایک نوعمر لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا جس کی بابت لکھتے ہیں:

وهي حديثة السن وانا متجاوز على الخمسين

''یعنی وہ لڑکی ابھی چھوکری ہے اور میں پچاس سال سے زیادہ ہوں۔'' (آئینہ کمالات صفحہ ۵۷۴)

اس لڑکی کے والد نے رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اعلان پر اعلان جاری کرنے شروع کر دیے کہ خدا نے مجھے بذریعۂ الہام فرمایا ہے کہ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بیاہی گئی تو تین سال کے عرصہ میں اس کا خاوند مر جائے گا اور وہ بیوہ ہو کر میرے ساتھ بیاہی جائے گی۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

''اس خدائے قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اس شرط پر کیا جائے گا (کیا ہی عجیب موقعہ تھا۔ بیل کو کنوئیں میں جھی نہ کریں گے تو کہاں کریں گے) اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۰ء میں درج ہیں لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت

برا ہوگا (ناظرین عبارت کو ملحوظ رکھیں) اور جس کسی دوسرے شخص سے وہ بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک۔ اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال میں فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہیت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کیلئے بار بار توجہ دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے جو مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد آخر کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا۔ اور بے دینوں کو مسلمان بنا دے گا۔ اور گمراہوں میں ہدایت پھیلا دے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارے میں یہ ہے۔

کذبوا بایتنا و کانوا بھا یستھزؤن۔ فسیکفیکھم اللہ ویردھا الیك، لا تبدیل لکلمات اللہ ان ربك فعال لما یرید۔ انت معی وانا معك عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا۔

''یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا۔ اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے کہ جو کچھ چاہے وہ ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور عنقریب وہ مقام تجھے ملے گا جس میں تیری تعریف کی جائے گی۔'' [1]

یعنی اول میں گو احمق و نادان لوگ بد باطنی و بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں۔ اور نالائق باتیں منہ پر لاتے ہیں۔ لیکن آخر کار خدا تعالیٰ کی مدد دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی۔

(آج تک تو جیسی ہوئی ہے نمایاں ہے، مصنف)۔ خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

(۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء)

---

[1] شاید ۶۔ ستمبر ۱۸۹۵ء کے روز کی طرف اشارہ ہے۔ (مصنف)

یہ عبارت مرزا صاحب کے اشتہار مورخہ ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء کی ہے۔ اس میں مسماۃ مذکورہ کو خطبہ نکاح کے بعد دھمکی دی ہے۔ دھمکی بھی معمولی نہیں بیوہ ہونے کی۔ پھر اس کے بعد اصل مقصود کی یعنی اپنے نکاح میں آنے کی اس پیش گوئی نے مرزائی امت کو سخت پریشان کر رکھا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ فرماتا ہے ان سب کا جواب دینے سے جناب مرزا صاحب نے ہم کو سبکدوش فرما دیا ہے۔ کیونکہ آپ بذات خود اس پیش گوئی کے متعلق ایک اعلان دے چکے ہیں جس کے سامنے غیر کی نہیں چل سکتی۔ امت مرزائیہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر حضرت مرزا صاحب کا فرمان سنیں۔ حضرت موصوف فرماتے ہیں:۔

نفس پیش گوئی اس عورت (محمدی بیگم) کا اس عاجز (مرزا صاحب) کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم (ان ٹل) ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے۔

لا تبدیل لکلمات اللہ میری (اللہ کی) یہ بات نہیں ٹلے گی

پس اگر ٹل جائے تو خدا تعالیٰ کا کلام باطل ہوتا ہے۔ (اشتہار ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء مندرجہ کتاب تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۱۵)

ناظرین:

اس سے بڑھ کر بھی کوئی صاف گوئی ہو گی جو حضرت مرزا صاحب نے اس عبارت میں فرمائی ہے۔ بات بھی صحیح ہے کہ خدا جس امر کی بابت خبر دے پھر اس کی تاکید کے لیے لا تبدیل فرمائے پھر وہ تبدیل ہو جائے تو خدائی کلام کے جھوٹ ہونے میں کچھ شک رہتا ہے؟

خدا جزاء خیر دے مرزا صاحب کو جنہوں نے ایسی صاف گوئی کر کے ہمیں اپنی امت کی بے جا تاویلوں سے چھڑایا۔ عاملھم اللہ بما ھم اھلہ

اب سوال یہ ہے! کیا یہ نکاح مرزا صاحب سے ہو گیا؟ آہ اس کا جواب بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ نفی میں دیا جاتا ہے کہ تاحیات مرزا صاحب کا نکاح نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء کے دن بیچارے اس حسرت کو اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ اب ان کی قبر سے گویا یہ

آواز آتی ہے۔

جدا ہوں یار سے ہم اور نہ ہو رقیب جدا ہے اپنا اپنا مقدر جدا نصیب جدا

اس پیش گوئی کو مفصل دیکھنا ہو تو ہمارا رسالہ ''الہامات مرزا'' اور ''نکاح مرزا'' ملاحظہ کریں۔

دوسرا الہام (پانچویں شہادت):

جو دراصل اسی پیش گوئی کے لیے بطور تمہید کے تھی یوں ہے کہ اس لڑکی کا خاوند یعنی جس شخص سے وہ لڑکی باوجود پیغام حضرت مرزا صاحب غلام احمد قادیانی کے بیاہی گئی تھی۔ جس کا نام مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور ہے۔ اس کے حق میں اسی پہلی پیش گوئی میں فرما چکے ہیں کہ روز نکاح سے اڑھائی سال میں مرجائے گا۔ اس کی بابت یہ امر اظہار کرنا ضروری ہے کہ نکاح کس تاریخ کو ہوا اور اس کی آخری مدت حیات کیا تھی۔ اور وہ اس مدت میں مرا یا نہیں؟

پس واضح ہو کہ نکاح مذکور حسب اطلاع خود جناب مرزا صاحب قادیانی ۷ اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوا۔ (رسالہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۸۰ مصنف مرزا صاحب قادیانی)۔ اس حساب سے ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۴ء کا دن مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری روز ہوتا۔ مگر وہ آج (اکتوبر ۱۹۲۳ء) تک زندہ ہے۔ حالانکہ وہ اس عرصہ میں فرانس کی جنگ عظیم میں بھی شریک ہوا۔ جس میں اس کے سر میں گولی بھی لگی مگر وہ زندہ رہا۔

جب اکتوبر ۱۸۹۴ء گذر گیا اور مرزا سلطان محمد زندہ رہا۔ اور مخالفوں نے طعن و تشنیع کرنے شروع کیے تو حضرت مرزا صاحب نے ان کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک آخری اعلان شائع فرمایا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

''میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ (مرزا سلطان محمد ناکح منکوحہ) کی تقدیر مبرم (ان اٹل) ہے اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی۔ اور میری موت آجائے گی''۔ (رسالہ انجام آتھم صفحہ ۳۱)

بس یہ آخری فیصلہ تھا جو خدا کے فضل سے ہوا۔ ہوا بھی آخری کہ مرزا صاحب خود تو مئی ۱۹۰۸ء میں فوت ہو گئے۔ اور ان کا رقیب جس کی موت کی پیش گوئی تقدیر مبرم کی صورت میں

کرتے تھے ان کی دعا سے آج (اکتوبر ۱۹۲۳ء) تک زندہ ہے۔ سچ ہے۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی　　آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

تیسرا الہام (چھٹی شہادت):

یوں تو مرزا صاحب کے الہامات اتنے ہیں کہ شمار بھی مشکل ہے لیکن ہم شہادت میں ان کو پیش کرتے ہیں جو بطور تحدی (دعوت) کے انہوں نے پیش کیے ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ میری پیش گوئی سے صرف اس زمانہ کے لوگ ہی فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوں کہ آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لیے ایک عظیم الشان نشان ہوں جیسا کہ ''براہین احمدیہ'' وغیرہ کتابوں کی یہ پیش گوئیاں کہ میں اسی برس یا چند سال زیادہ یا اس سے کچھ کم عمر دوں گا اور مخالفوں کے ہر ایک الزام سے تجھے بری کروں گا وغیرہ''۔ (تریاق القلوب صفحہ ۱۳ حاشیہ)

یہ عبارت مرزا صاحب کی عمر کی بابت پیش گوئی ہے کہ اسی سال کے ارد گرد ہوگی اسی پیش گوئی کو دوسری کتاب میں جو اس کے بعد چھپی ہے بہت اچھے لفظوں میں آپ نے صاف کر دیا فرماتے ہیں:۔

''جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدے کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعین کرتے ہیں''۔ (ضمیمہ براہین احمد جلد پنجم صفحہ ۹۷)

بہت خوب آخری مدت تو معین ہوگئی۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ مرزا صاحب کی پیدائش کب کی ہے۔ شکر ہے کہ اس کی عمر کے متعلق بھی ہمیں دماغ سوزی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مرزا صاحب نے ہم کو اس تکلیف سے سبکدوش فرمادیا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کا کلام ہے کہ

''چودھویں صدی کے شروع ہوتے وقت میری عمر چالیس سال کی تھی''۔

چنانچہ یہ عبارت مرزا صاحب کی مع مزید تفصیل کے لیے سرخی ''آٹھویں شہادت'' کے تحت کتاب ھذا پر درج ہے۔ اس کے علاوہ فیصلہ کن شہادت بھی ہمارے پاس ہے۔ جو مرزا صاحب

کے خلیفہ اول مولوی حکیم نور الدین صاحب نے مرزا صاحب کی زندگی میں شائع کی تھی۔ حکیم صاحب موصوف نے مرزا صاحب کی پیدائش سے اکسٹھ سالوں تک کا نقشہ یوں دیا ہے کہ پیدائش ۱۸۴۰ء بتا کر ۱۹۰۸ء میں آپ کی عمر ۶۹ سال بتائی ہے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ نور الدین صفحہ ۱۷۰۔۱۷۱)۔

پیدائش کا واقعہ صاف ہو گیا۔ رہا انتقال کا واقعہ سو یہ تو بالکل صاف ہے کہ:۔

مرزا صاحب نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال کیا ہے۔ (تحفہ شہزادہ ویلز صفحہ ۶۲ مصنفہ مرزا محمود خلیفہ قادیان)

ناظرین:

خود مرزا صاحب اور مولوی نور الدین خلیفہ اول قادیان کی شہادت سے مرزا صاحب کی عمر بمشکل ۶۹ سال تک پہنچتی ہے۔ حالانکہ آپ بوحی الٰہی فیصلہ کر چکے ہیں کہ میری عمر ۷۴ سے ۸۶ سال کے درمیان ہو گی۔

احمدی دوستو:

خدا کو حاضر ناظر جان کر بحکم الٰہی مثنٰی وفرادیٰ ہو کر سوچو کہ کیا بات ہے جس بات کو مرزا صاحب وحی الٰہی جتا کر بطور ثبوت پیش کرتے ہیں وہی غلط ثابت ہوتی ہے۔ گویا یہ مرزا صاحب بزبان حال کہتے ہیں۔

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال ۔۔۔ اب آرزو یہ ہے کہ کبھی آرزو نہ ہو

تتمہ:

اس مذکورہ عبارت میں مرزا صاحب نے یہ بھی ایک ضمنی پیش گوئی فرمادی ہے کہ

"مخالفوں کے ہر الزام سے تجھے بری کروں گا"۔

اور الزام تو رہے بجائے خود ۔۔۔ خود پر یہ الزام عمر کا بھی بحال رہا

سچ ہے۔

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا ۔۔۔ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

ساتویں شہادت (اقوال مرزائیہ سے):

مرزا صاحب کے اپنے اقوال۔ سے مرزا صاحب کا معاملہ خدا کے فضل سے ایک آسان ہے کہ کسی بیرونی شہادت کی حاجت نہیں۔ بلکہ خود ان کے اپنے بیانات ہی ایسے ہیں کہ ان کے مخالف کو بہت کچھ مفید ہو سکتے ہیں۔ عدالتی اور شرعی طریق پر مدعا علیہ کا اپنا بیان جس قدر کارآمد ہوتا ہے وہ دوسرے گواہوں کا نہیں۔ اس لیے عدالتی طریق ہے کہ مدعی چاہے تو اپنے مدعا علیہ سے بحثیت گواہ کے بیان لے سکتا ہے۔ اس بیان میں مدعا علیہ اگر اقرار کر جائے تو دوسرے گواہوں کی نسبت بہت مفید ہوتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح بفضلہ تعالیٰ مرزا صاحب کے اپنے بیانات اتنے مفید ہیں کہ بیرونی شہادت اتنی مفید نہیں کیونکہ مدعا علیہ کے بیان کے متعلق یہ مثل ہے جو بہت صحیح ہے۔

قضی الرجل علی نفسہ　　　　آدمی نے خود اپنے اوپر ڈگری کر لی

پس اس اصول کے ماتحت ہم مرزا صاحب کے اقوال بطور شہادت پیش کرتے ہیں جن سے ہمارا دعویٰ (تکذیب مرزا) باآسانی ثابت ہو سکے۔

پہلا بیان مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

"تیسری مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے میری یہ ہے کہ وہ ظاہر نہیں ہوئے جب تک حضرت موسیٰ کی وفات پر چودہویں صدی کا ظہور نہیں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوا ہوں"۔ (رسالہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۷)۔

اس کی تردید مرزا صاحب دوسری ایک کتاب میں یوں لکھتے ہیں۔

"اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز (مرزا) کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہیں وہ خدمات خاصہ ہیں۔ جو اس عاجز (مرزا) کو مسیح ابن مریم کی خدمات کے رنگ میں سپرد کی گئی ہیں۔ کیونکہ مسیح اس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا تھا۔ اور وہ زمانہ حضرت موسیٰؑ کے چودان (سلطان القلم کی اردو ہے) سو برس بعد تھا کہ جب ابن مریم یہودیوں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا پس ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز (مرزا) آیا کہ جب

قرآن کریم کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا۔ اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل ❶ موسیٰ کے وقت سے اسی زمانہ کے قریب قریب گزر چکا ہے۔ جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا"۔ (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۹۲۔۶۹۳)

اس بیان میں جناب مرزا صاحب نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیانی زمانہ کو چودہ سو برس سے کچھ زیادہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ چودہ سو برس بعد کا لفظ چودہ سو پر زیادتی چاہتا ہے۔ عیسائیوں یہودیوں کی شہادت اس بارے میں (۱۴۵۱) ہے۔ (دیکھو تقدیس اللغات)

حالانکہ پہلے بیان میں تیرہ سو برس ختم ہو کر چودھویں صدی کے سر پر آنا لکھا ہے اس دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ایک سو سال قبل از وقت (beforetime) تشریف لے آئے کیونکہ اس بیان کے مطابق مسیح موعود کی تشریف آوری کا وقت چودہ سو سال کے بعد ہے۔ اور آپ چودھویں صدی کے شروع میں آئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آپ ایک سو سال سے بھی کچھ پہلے تشریف لے آئے ہیں۔ لہٰذا سر دست تشریف لے جائیے۔ ہم آپ پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں۔

دوسری تردید:

مذکورہ بالا تردیدی بیان کے سوا دوسرا ایک بیان مرزا صاحب کا ایسا صاف ہے جو ان دونوں کے مخالف ہے۔ آپ ایک جگہ مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ:

"پیش گوئیوں میں ہمیشہ ابہام ہوتا ہے۔ صاف اور مفصل بیان نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیش گوئیوں میں سننے والوں کا امتحان (ابتلاء) کرنا منظور ہوتا ہے چنانچہ توریت میں آنحضرت ﷺ کے حق میں پیشگوئی اسی قسم کی مبہم ہے۔ جس میں وقت ملک اور نام نہیں بتایا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ کو ابتلاء خلق اللہ کا منظور نہ ہوتا اور ہر طرح سے کھلے کھلے طور پر پیش گوئی کا بیان کرنا ارادہ الٰہی ہوتا تو پھر اس طرح پر بیان کرنا چاہیے تھا کہ "اے موسیٰ میں تیرے بعد بائیسویں صدی میں ملک عرب میں بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام محمد ﷺ ہوگا"۔ (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۲۷۸)

---

❶ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیان میں مرزا صاحب نے صاف تسلیم کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پوری اکیس صدیاں گزار کر بائیسویں صدی میں پیدا ہوئے۔

احمدی دوستو! عبارت مرزا کو پھر غور سے پڑھو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور سرور کائنات کا درمیانی زمانہ کتنا ہے۔ کچھ شک نہیں آنحضرت کی ولادت عیسوی سنہ کے حساب سے ۲۲۔ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔ اور بعثت (رسالت) ۱۲۔ فروری ۶۱۰ء کو ہوئی تھی یہ چھ سو سال اکیس صدیوں سے نکال دیں تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا درمیانی زمانہ پندرہ سو سال رہتا ہے۔

پس نتیجہ صاف ہے کہ مرزا صاحب اپنے ہی بیان کے مطابق مقررہ وقت پر نہیں آئے بلکہ بہت پہلے (Beforetime) تشریف لے آئے ہیں۔ لہٰذا آپ مسیح موعود نہیں۔ غالباً اسی لیے قبل از تکمیل کار تشریف لے گئے۔

ایسا جانا تھا تو جانا! تمہیں کیا تھا آنا

آٹھویں شہادت (اقبالی بیان مرزا صاحب):

جناب مرزا صاحب نے اپنا مسیح موعود ہونا ایک اور طریق سے بھی ثابت کیا ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ دنیا کی ساری عمر سات ہزار سال ہے چنانچہ لکھتے ہیں ''بالا تفاق تمام احادیث کے رو سے عمر دنیا کل سات ہزار برس قرار پایا تھا''۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۳)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں ہزار سال میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور مسیح موعود کا چھٹے ہزار میں پیدا ہونا مقدر تھا۔ اس دعوے کو اس آیت سے ثابت کرتے ہیں جو سورہ جمعہ میں ہے

وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ

پھر فرماتے ہیں کہ پس میں چونکہ چھٹے ہزار سال میں پیدا ہوا ہوں لہٰذا میں مسیح موعود ہوں۔

اب سنیئے آپ کے اپنے الفاظ۔ جناب موصوف فرماتے ہیں:۔

''ہمارے نبی ﷺ کے دو بعث ہیں (بعث کے معنی ہیں خلعت نبوت کا ملنا یعنی نبی ہونا۔ مصنف) اور اس پر نص قطعی آیت کریمہ ''وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ'' ہے تمام مفسرین

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس امت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہوں گے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اور ہدایت پائیں گے۔ پس جب کہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحابہ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہوگا۔ تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہوگا۔ اور اس تقریر سے یہ بات بپایہ ثبوت پہنچ گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا۔ جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے ظہور سے پورا ہوا۔ غرض جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہوئے تو بعض حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہزار ششم کے آخر میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس سے بعث دوم مراد ہے جو نص قطعی آیت کریمہ "وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ" سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نادان مولوی جن کے ہاتھ میں صرف پوست ہی پوست ہے۔ حضرت مسیح موعود کے دوبارہ آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر قرآن شریف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کی بشارت دیتا ہے۔ کیونکہ افاضہ بغیر بعث غیر ممکن ہے اور بعث بغیر زندگی کے غیر ممکن ہے۔ اور حاصل اس آیت کریمہ یعنی "وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ" کا یہی ہے کہ دنیا میں زندہ رسول ایک ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہزار ششم میں بھی مبعوث ہوکر ایسا ہی افاضہ کرے گا۔ جیسا کہ وہ ہزار پنجم میں افاضہ کرتا تھا۔ اور مبعوث ہونے کے اس جگہ یہی معنی ہیں کہ جب ہزار ششم آئے گا اور مہدی موعود اس کے آخر میں ظاہر ہوگا تو گو بظاہر مہدی معہود کے توسط سے دنیا کو ہدایت ہوگی۔ لیکن دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نئے سرے سے اصلاح عالم کی طرف ایسی سرگرمی سے توجہ کرے گی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مبعوث ہوکر دنیا میں آ گئے ہیں۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں "وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ" پس یہ خبر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث دوم کے متعلق ہے جس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ وہ بعث ہزار ششم کے اخیر پر ہوگا۔ اسی حدیث سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہوتا کہ ضرور ہے کہ مہدی معہود اور مسیح موعود جو مظہر تجلیات محمدیہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعث دوم موقوف ہے وہ چودھویں صدی کے سر پر

ظاہر ہو کیونکہ یہی صدی ہزار ششم کے آخری حصہ میں پڑتی ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۴-۹۵)

اس عبارت کا مطلب ناظرین کے فہم عالی سے قریب کرنے کو اتنی تشریح کی ضرورت ہے کہ بقول مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو دفعہ نبی ہو کر ظاہر ہونا مقدر تھا۔ ایک اس وقت جب آپ بصورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ دوم اس وقت جب بشکل مرزا صاحب بہ عہدہ عیسیٰ موعود قادیان میں رونق افروز ہوئے۔ پہلی صورت میں آپ کا نام ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ دوسری میں ''احمد'' ہیں۔ محمدی صورت جلالی تھی۔ یعنی جنگی اور احمدی صورت جمالی یعنی صلح جو۔ چنانچہ اس کتاب کے دوسرے مقام پر مرزا صاحب نے اس مضمون کو منجمانہ تقریر میں یوں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعث اوّل کا زمانہ ہزار پنجم تھا جو اسم محمد کا مظہر تجلی تھا۔ یعنی بعث اوّل جلالی نشان ظاہر کرنے کے لیے تھا مگر بعث دوم جس کی طرف آیت کریمہ میں ''وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ'' میں اشارہ ہے وہ مظہر تجلی اسم احمد ہے جو اسم جمالی ہے کہ آیت ''وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ'' اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور پر احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اس وقت وہ نبی کریم جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اسم مجازی احمد کے پیرایہ میں ہو کر اپنی جمالی تجلی ظاہر فرمائے گا۔ یہی وہ بات ہے جو اس سے پہلے میں نے اپنی کتاب ازالہ میں لکھی تھی۔ یعنی یہ کہ میں اسم احمد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک ہوں (شریک نہیں بلکہ اصل مصداق تھا۔ دیکھو ازالہ طبع اوّل صفحہ ۶۷۳ مصنف)۔ اور اس پر نادان مولویوں نے جیسا کہ ان کی ہمیشہ سے عادت ہے شور مچایا تھا حالانکہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو تمام سلسلہ اس پیش گوئی کا زیر و زبر ہو جاتا ہے۔ بلکہ قرآن شریک کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جو نعوذ باللہ کفر تک نوبت پہنچاتی ہے لہٰذا جیسا کہ مومن کے لیے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں۔ ایک بعث محمدی جو جلالی رنگ میں ہے۔ جو ستارہ مریخ کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ توریت قرآن شریف میں یہ آیت ہے ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں

ہے۔ جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے۔ جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں یہ آیت ہے "وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۶)

گو اس عبارت کا مطلب صاف ہے تاہم اس کی مزید تشریح کے لیے مرزا صاحب اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں جو یوں ہے:

"یہ باریک بھید یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث دوم میں تجلی اعظم جو اکمل اور اتم ہے وہ صرف اسم احمد کی تجلی ہے۔ کیونکہ بعث دوم آخر ہزار ششم میں ہے اور ہزار ششم کا تعلق مشتری کے ساتھ ہے جو کوکب ششم منجملہ خنس کنس ہے۔ اور اس ستارہ کی یہ تاثیر ہے کہ ماموریں کو خونریزی سے منع کرتا اور عقل اور دانش اور مواد استدلال کو بڑھاتا ہے۔ اس لیے اگرچہ یہ بات حق ہے کہ اس بعث دوم میں بھی اسم محمد کی تجلی سے جو جلالی تجلی ہے اور جمالی تجلی کے ساتھ شامل ہے۔ مگر وہ جلالی تجلی بھی روحانی طور پر ہو کر جمالی رنگ کے مشابہ ہو گئی ہے کیونکہ اس وقت جلالی تجلی کی تاثیر قہر سیفی نہیں بلکہ قہر استدلالی ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے مبعوث پر پرتوہ ستارہ مشتری ہے نہ پرتوہ مریخ۔ اسی وجہ سے بار بار اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ ہزار ششم فقط اسم احمد کا مظہر اتم ہے جو جمالی تجلی کو چاہتا ہے"۔ (تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۶)

اب تو یہ مضمون صاف ہو گیا کہ مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ عیسیٰ موعود دنیا کی عمر کے چھٹے ہزار سال میں آئیں گے اب دیکھنا یہ ہے کہ چھٹا ہزار کہاں تک ہے۔ ہم مرزا صاحب کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے اس عقدہ کا حل بھی خود فرما دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کے رو سے چار ہزار سات سو انتالیس برس بعد پیدا ہوئے اور شمسی حساب کی رو سے چار ہزار پانچ سو اٹھانوے برس بعد"۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

اب مطلع صاف ہے پس ہجرت سے پہلے تیرہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رہے اس حساب سے پورے تیرہ سو ہجری ہونے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنہ نبوت ۱۳۱۳ھ ہوتا ہے۔ یہ عدد قمری حساب سے ۴۷۳۹ میں ملائیں تو تیرھویں صدی کے اخیر پر دنیا کی عمر چھ ہزار باون (۶۰۵۲) سال ہوتی ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جناب مرزا صاحب کس سنہ میں

مسیح موعود کے عہدہ پر مبعوث (فائز) ہوئے اس کے متعلق بھی ہمیں کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خود مدعا علیہ کا بیان ہمارے پاس ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

''یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر کے چالیس برس پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا۔ تب اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ میرے پر ظاہر کیا کہ تو اس صدی کا اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے اور یہ اس طرف اشارہ تھا کہ تو ہی مسیح موعود ہے''۔ (تریاق القلوب ص ۶۸)

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ مرزا صاحب چودھویں صدی کے شروع میں چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر مسیحیت پر مامور ہوئے تھے۔ اسی مضمون کو دوسری کتاب میں مزید وضاحت سے لکھتے ہیں:

''مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام پر توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرہویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی ہے اور وہ یہ نام ہے غلام احمد قادیانی۔ اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں۔ اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ [1] میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا نام نہیں''۔ (ازالۂ اوہام طبع اول ص ۱۸۵۔۱۸۶)

اس عبارت میں پہلی عبارت کی مزید تشریح ہے کہ کسی غبی سے غبی کو بھی شک نہیں رہتا کہ جناب مرزا صاحب کی بعثت چھٹا ہزار ختم ہو کر ساتویں ہزار میں سے باون سال گذر کر ہوئی۔ لہٰذا بقول آپ کے آپ مسیح موعود نہیں۔

ایک اور طرح سے! ہمارے گذشتہ بیان سے (جو در حقیقت جناب مرزا صاحب کا ذاتی بیان ہے) ساتویں ہزار کے باون سال گذرنے پر مرزا صاحب مبعوث ہوئے ہیں جو ان کے ''لیٹ''

---

[1] اہل علم اہل انصاف اس ''بلکہ'' کو ملاحظہ کریں نام تو ہے غلام احمد۔ چنانچہ قصبہ میں ہم نام کی نفی کرتے ہوئے صرف ''غلام احمد'' ہی لکھتے ہیں۔ مگر جب ترقی کر کے دنیا بھر کی نفی کرتے ہیں تو نام کے ساتھ مقامی نسبت کو بھی داخل کر کے ''غلام احمد قادیانی'' پورا نام بتاتے ہیں سچ ہے۔

ایں کرامت ولی ماچہ عجب گربہ شاشید گفت باراں شد

(مصنف)

پہنچنے کی وجہ سے موجب ''فیل'' کے ہے۔ اب ایک اور حساب سے بھی مرزا صاحب کا لیٹ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

''میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار میں سے گیارہ برس رہتے تھے''۔ (تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۵)

بہت خوب۔ اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ چھٹا ہزار مرزا صاحب کی گیارہ سال کی عمر پوری ہونے تک ختم ہو گیا۔ مگر گیارہ سال کی عمر میں تو مبعوث نہ ہوئے ہوں گے بلکہ بالغ ہو کر۔ بلکہ بحکم ''بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً'' چالیس سال کو پہنچ کر مسیحیت کے درجہ پر مبعوث (مامور) ہوئے تو بھی ساتویں ہزار میں چلے گئے جو خلاف وقت مقرر کے ہے۔

نوٹ! مرزا صاحب اپنی تحریرات خود قمری حساب پر بنا رہے ہیں۔ یہاں تک فرما چکے ہیں کہ میں:

''چھٹے ہزار میں سے گیارہ سال رہتے میں پیدا ہوا تھا''۔

اس لیے کسی ان کے حالی موالی کو یہ حق نہیں کہ وہ شمسی حساب سے چھ ہزار کا شمار کرے۔ کیونکہ ان کا ایسا کرنا ہم کو نہیں بلکہ ان کو مضر ہوگا اس لیے کہ شمسی حساب سے چھ ہزار سال ۲۰۱۲ء میں پورے ہوں گے۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی پیدائش ۲۰۱۰ء میں ہونی چاہیے۔ حالانکہ وہ ۱۹۰۸ء میں انتقال بھی کر گئے۔ (شاید بروزی طور پر دوبارہ آئیں)۔

ناظرین:

یہ ہیں وہ دلائل جن کی بابت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

یہ وہ ثبوت ہیں جو میرے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے پر کھلے کھلے دلالت کرتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک شخص بشرطیکہ متقی ہو جس وقت ان تمام دلائل میں غور کرے گا اس پر روز روشن کی طرح کھل جائے گا کہ میں (مرزا) خدا کی طرف سے ہوں۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۲)

کچھ شک نہیں کہ ہم بھی انہی دلائل کی شہادت سے اس مرحلہ پر پہنچے ہیں کہ

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

نویں شہادت (حرمین شریفین کے درمیان ریل):

سلطان عبدالحمید خان مرحوم نے اسلامی دنیا میں تحریک کی تھی کہ حاجیوں کی تکلیف دور کرنے کے لیے حجاز (مکہ مدینہ) میں ریل بنائی جائے۔ چنانچہ مسلمانان دنیا نے اس تحریک کو قومی کام جان کر بطیب خاطر چندہ بھی دیا۔ چنانچہ ریل مذکور دمشق سے چل کر مدینہ طیبہ تک پہنچ گئی۔ آمدو رفت بھی مدینہ منورہ تک شروع ہوگئی۔ اس وقت کے جوش کو دیکھ کر قرین قیاس بلکہ یقین تھا کہ چند ہی روز میں ریل مکہ معظمہ سے گذر کر جدہ تک آنے والی ہے۔ اتنے میں مرزا صاحب نے اعلان کر دیا کہ یہ ریل میری صداقت کی دلیل ہوگی کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ''وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ'' یعنی اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ مسیح موعود کے آنے کے وقت مکہ مدینہ میں ریل بن کر اونٹوں کی سواری بند ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ''لیترکن القلاص فلا یسعی علیها'' یعنی اونٹ چھوڑ دیے جائیں گے۔ ان پر سواری نہ لی جائے گی۔ یہ بھی مسیح موعود کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس حجاز میں ریل بننے سے میرے دعوے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس تشریح کے بعد مرزا صاحب کے اپنے الفاظ سنئے۔ آپ فرماتے ہیں:

''آسمان نے بھی میرے لیے گواہی دی اور زمین نے بھی۔ مگر دنیا کے اکثر لوگوں نے مجھے قبول نہ کیا۔ میں وہی ہوں جس کے وقت میں اونٹ بیکار ہو گئے اور پیش گوئی آیت کریمہ ''وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ'' پوری ہوئی۔ اور پیش گوئی حدیث (لیترکن القلاص فلا یسعی علیها) نے اپنی پوری چمک دکھلا دی۔ یہاں تک کہ عرب و عجم کے اڈیٹران اخبار اور جرائد والے بھی اپنے پرچوں میں بول اٹھے کہ مکہ کے درمیان جو ریل تیار ہو رہی ہے یہی اس پیش گوئی کا ظہور ہے جو قرآن اور حدیث سے ان لفظوں سے کی گئی تھی جو مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے''۔
(اعجاز احمدی صفحہ۲)

اس سال کے حاجی بھی شہادت دیتے ہیں کہ حرمین (مکہ مدینہ) کے درمیان اونٹوں پر سفر کر کے آئے ہیں۔ ہم حیران تھے کہ تمام مسلمانان دنیا کی ضرورت کے مطابق ریل کا انتظام ہوا۔

بہت سا حصہ اس کا بن بھی گیا مگر عین موقعہ پر دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا۔
مدینہ شریف پہنچ کر ریل کی تیاری رک گئی۔ نہ بانی تحریک عبدالحمید خان رہے نہ وہاں ترکی سلطنت رہی۔ غرض۔

آں قدح بشکست داں ساقی نماند

آخر مسلمانوں کی اس ناکامی کی وجہ کیا ہوئی۔ ظاہری اسباب تو درحقیقت باطنی حکمت کی تکمیل کے لیے ہوا کرتے ہیں۔ غور کرنے سے ہماری سمجھ میں یہی رمز آئی کہ چونکہ مرزا صاحب قادیانی نے اس ریل کو اپنے غلط دعوے کی دلیل میں پیش کیا تھا خدائی حکمت نے ریل کو بند کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مرزا صاحب اس بیان کے رو سے بھی غلطی پر ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانان دنیا کی ضروریات سفر کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی تکذیب کرانا خدا کے نزدیک زیادہ اہم ہے۔ سچ ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

دسویں شہادت! قطعی فیصلہ:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِاُولِي النُّهٰى

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:۔
”هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ“ خدا نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو سارے مذاہب پر غالب کرے۔ اس آیت کی تفسیر کے طور پر جناب مرزا صاحب اپنی مایہ ناز کتاب ”براہین احمدیہ“ میں لکھتے ہیں۔
”هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ“ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے۔ اور جس غلبہ کاملہ کا دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۸۔۴۹۹)
اس جگہ جناب موصوف نے مسیح موعود کے لیے آیت موصوفہ سے یہ بات بتائی کہ وہ

باسیاست یعنی ظاہری حکومت کے ساتھ آئیں گے (بہت خوب) مگر جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ خود کیا تو باوجود سیاست اور حکومت حاصل نہ ہونے کے آپ نے اس آیت پر قبضہ رکھا اور اپنے ہی حق میں اس کو چسپاں کیا۔ وہ بیان ایسا لطیف ہے کہ ہم ناظرین سے اس کو بغور پڑھنے کے لیے سفارش کرتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی۔ یعنی شبہ گذرتا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لیے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔ زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے۔۔ اور اس تکمیل کے لیے اسی امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے۔ اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہو لے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اور اسی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا۔ اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیش گوئی میں کچھ تخلف ہو اس لیے اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۸۲۔۸۳)

اس عبارت کی تشریح یہ ہے کہ بقول مرزا صاحب زمانہ محمدی کی ابتدا رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ سے ہوئی پھر وہی زمانہ ممتد ہو کر مسیح موعود کے زمانہ تک ایک ہی رہا۔ اس زمانہ کے ایک سرے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو دوسرے سرے پر مسیح موعود (مرزا صاحب) ہیں۔

زمانہ محمدی سے اشاعت اسلام شروع ہو کر زمانہ مسیح موعود میں تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ یعنی دنیا کی کل قومیں مسلمان ہو کر ایک واحد اسلامی قوم (مسلمان) بن جائے گی۔ چونکہ یہ سب کام مسیح موعود کی معرفت ہوگا اس لیے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ مسیح موعود (مرزا صاحب) کے حق میں چسپاں ہے۔ بہت خوب۔ اب سوال یہ ہے کیا مسیح موعود (مرزا صاحب) کے زمانہ میں یہ نتیجہ پیدا ہو گیا؟ بترتیب غور کرنے کے لیے ہم مسیح موعود کے گھر چلتے ہیں۔

کیا قادیان کے کل ہندو مسلمان ہو گئے؟ کیا قادیان کے ضلع گورداسپور کے کل غیر مسلم اسلام میں آگئے؟ کیا پنجاب کے کل منکرین اسلام قائل اسلام بن گئے؟ کیا ہندوستان میں اسلامی وحدت پیدا ہوگئی؟ ہندوستان سے باہر چلو۔ کیا انگلستان، فرانس، جرمنی، وغیرہ ممالک یورپ اسلام قبول کر گئے؟ کیا افریقہ اور امریکہ کے سب لوگ مسلمان ہو گئے؟ اگر سب سوالوں کا جواب ہاں میں ہے تو ہمارا یقین ہونا چاہیے کہ

"حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں۔"

اور اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

احمدی دوستو! للہ فی للہ غور کر کے بتاؤ کہ مرزا صاحب کون ہیں؟ ہمیں افسوس ہے مرزا صاحب اپنے اس فرض کی ادائیگی میں بہت قاصر رہے اور بغیر ادا کیے فرض (اشاعت) کے جلدی چل دیے۔

کیا آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے؟

فتنہ ارتداد اور سنگھٹن کا ذکر:

کفر اور مخالفت کا زور جیسا اب ہے مرزا صاحب کے زمانہ میں نہ تھا خود ہندوستان کو دیکھیے کہیں فتنۂ ارتداد ہے تو کہیں سنگھٹن (ہندو سنگھٹن کے معنی ہیں ہندوؤں کا اتحاد۔ مصنف) خطرہ ہے کہ کوئی مرزائی دوست گھبرا کر جلدی میں نہ کہہ دیں کہ فتنہ ارتداد میں ہم نے یہ خدمت کی وہ کی اس لیے ہم خادمان اسلام ہیں اور ہمارا پیشوا سچا ہے۔

جواب: بات کو ذرا سوچ سمجھ کر منہ سے نکالنا چاہیے۔ سنئے! فتنہ ارتدا کیا ہے؟ اور اس کی تہہ

میں کیا ہے؟ ہم سے پوچھو تو یہ بھی مرزا صاحب کے دعوے کی قدرتی تردید ہے کیونکہ مرزا صاحب تو کہتے تھے میرے زمانہ میں کل کفری قومیں مٹ کر ایک اسلامی وحدت پر آجائیں گے۔ مگر واقعہ یہ ہوا کہ غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں نے یہاں تک غلبہ کیا ہے کہ بجائے اس کے کہ داخل ہو کر ایک وحدت اسلامی پیدا کرتے۔ کلمہ گویوں کو داخل کفر کر کے ہندو سنگھٹن بنا رہے ہیں جس سے مرزا صاحب کے دعوے کی بہت کافی تردید ہوتی ہے کہ آئے تھے اسلامی وحدت پیدا کرنے اور ہو گئی ہندو سنگھٹن۔

نو شدا رونے کیا کیا اثر سم پیدا

آخری التماس:

ناظرین آپ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم نے مرزا صاحب کے دعوے کی تکذیب پر جو شہادت عشرہ پیش کی ہیں۔ ایسی ہیں کہ ہر ایک منصف مزاج ان کو تسلیم کرے گا۔ اس لیے امید ہے کہ احمدی دوست بھی ان سے مستفید ہوں گے۔

اعلان انعام:

اور اگر وہ اس کو قبول کرنے کی بجائے جواب دینے کی کوشش کریں تو میں ان کی محنت کی قدر کرنے کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا"

احمدی دوستو! جواب کا ارادہ کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ مخاطب کون ہے؟

ستعلم لیلی ای دین تدانیت وای غریم فی التقاضی غریمها

ابو الوفاء ثناء اللہ (مولوی فاضل)

امرتسری ربیع الاول ۱۳۴۲ھ اکتوبر ۱۹۲۳ء

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

(مرزا صاحب نے میرے مواخذات سے تنگ ہو کر زندگی میں آخری فیصلہ کا اشتہار شائع کیا تھا جو بالاختصار درج ذیل ہے)

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علی من اتبع الھدی

مدت سے آپ کے پرچہ اہلحدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا' مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کیلئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ امین۔

الراقم عبداللہ الصمد غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ واید

(مرقومہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء ربیع الاول ۱۳۲۵ھ)

الحمد للہ! اس دعا کے مطابق مرزا صاحب میری زندگی میں انتقال کر گئے اس مضمون پر ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام ہے۔

فاتح قادیان

ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری (رحمۃ اللہ علیہ)

فتنۂ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

حالات و سوانح ۞ سلسلۂ کشاکش
اثرات و نتائج

تالیف

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ
قذافی سٹریٹ
الفضل مارکیٹ
اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

تخریج شدہ ایڈیشن

کتاب الکبائر

کبیرہ گناہ

قرآن وسنّت کی روشنی میں

تالیف

شیخ الاسلام الحافظ امام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ

ترجمہ

پروفیسر ابو انس محمد سرور گوہر حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ تذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob.: 0300-4826023

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غیر مسلموں کی نظر میں

جمع وترتیب

مولانا محمد حنیف یزدانی رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob.: 0300-4826023

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الآیۃ)

اُسوۂ حسنہ

ترجمہ

ھدی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اختصار

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد

تالیف

الامام شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ

مترجم

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

حرارتِ ایمان

یعنی

ایمان

کو گرما دینے والے واقعات

تالیف

مولانا ابو یاسر حفظہ اللہ

نظر ثانی

مولانا عبد الغفار محمدی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ
قذافی سٹریٹ
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
Mob: 0300-4826023